پتھر کا دل

سراج الدین احمد نظامی

★

نیا ادارہ ٭ لاہور

پتھر کا دل

اور

دوسرے افسانے

مترجمہ

سراج الدین احمد نظامی

مکتبہ اردو لاہور

قیمت ۱۲/

بار اوّل

باہتمام چودھری نذیر احمد مالک مکتبہ اُردو لاہور پرنٹر و پبلشر نے مرکنٹائل پریس لاہور سے طبع کرائی۔

فہرس

پتھر کا دل

ایک چابکدست سنگ تراش پتھر کا ایک مجسّمہ بنانے میں کامیاب ہو گیا جو خود اُسے بھی دُنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ حسین اور پیارا معلوم ہوتا تھا۔ یہ ایک عورت کا مجسّمہ تھا۔ سنگ تراش اپنی اس تخلیق حُسن کا تھوڑے ہی عرصے میں ایسا گرویدہ ہو گیا کہ ہر وقت اس کے قدموں میں بیٹھا رہتا۔ اور رات دن دیوتاؤں کے حضور میں گڑگڑا کر دعائیں مانگتا اور رو رو کر التجائیں کرتا کہ اے دیوتاؤ اس بُت میں زندگی کا سانس پھونک دو تاکہ میں تمام فانی انسانوں سے زیادہ خوش نصیب بن جاؤں۔

اُس نے اس مجسّمہ کے گرد بہت سے قد آدم آئینے رکھے۔ تاکہ جدھر نظر اُٹھے اُسے وہی حسین بُت نظر آئے۔

اُس نے اس کے خوبصورت سر پر پھولوں کا خوبصورت تاج پہنایا۔ اُس کے نازک نازک گول بازوؤں پر جواہرات کے مرصع زیورات پہنائے لیکن ان تمام باتوں میں سے کسی نے بھی اُس کی رُوح

کو اُس کی آنکھوں کے غرور کی طرف سے مطمئن نہ کیا جس کے لئے وہ اس قدر تکلیف اٹھاتا اور دعائیں مانگتا رہتا تھا

دیوتا اس کی ضد سے تنگ آ چکے تھے لیکن ان کے پیش نظر یہ بات تھی کہ اس سے پہلے ایسے موقعوں پر حد سے زیادہ خوشی اُس طبقے کے لوگوں کے حق میں اچھی ثابت نہ ہوتی تھی جن سے اُس کا تعلق تھا اس لئے دیوتاؤں نے یہی مناسب سمجھا کہ جب تک فریق ثانی کی خواہشات کا اندازہ نہ ہو جائے اس وقت تک سنگ تراش کی رُوح کو مطمئن نہ کرنا چاہئے۔

دیوتاؤں کے پتا نے کہا "اس سے پہلے کہ ہم اس کی دعا قبول فرمائیں ہمیں اس مجسمے کی رائے دریافت کر لینی چاہئے۔"

ایک دیوتا بولا "ہمیں ذرا احتیاط سے کام لینا چاہئے۔ کیونکہ دیوتا اگر ایک دفعہ بیوقوفی کے مرتکب ہو جائیں تو پھر اُس پر قابو نہیں پا سکتے۔"

اب اُن سب نے مل کر سنگ تراش پر نیند کا عالم طاری کر دیا۔ اور وہ اپنی محبوبہ سنگین کے قدموں پر سر رکھ کر سو گیا۔ دیویاں اور دیوتا اُسکے نگار خانہ کی چھت کے راستہ سے اندر داخل ہوئے اور پُرشوق نگاہوں سے اُس مجسمے کو دیکھنے لگے جس نے بیچارے سنگ تراش کے دل میں محبت کے شعلے بھڑکا کر اُسکی جان کو عذاب میں ڈال رکھا تھا۔

وہ اس صنعت کے متعلق بہت کم باتیں جانتے تھے۔ دیوتاؤں کے پتا نے کہا "ذرا صبر کرو ہمیں اسوقت اپنی لیاقت اور قابلیت نہ دکھانی چاہئے بلکہ اس معاملے میں بالکل انسان کی طرح غور و خوض لازم ہے ہمیں اس وقت تک انتظار کرنا چاہئے جب تک اسکے اعضا میں زندگی کی لہر نہیں دوڑ جاتی۔"

ایک دیوی بولی "لیکن ذرا احتیاط شرط ہے۔"

دیوتاؤں کے پتا نے اپنی انگلیوں سے مجسمے کی آنکھوں کو چھوا۔ یکایک ان میں چمک پیدا ہو گئی اور وہ پتھر میں سے ایک چھپکلی کی مانند اِدھر اُدھر دیکھنے لگیں۔

وہ دیوی پھر بولی۔" احتیاط سے! احتیاط سے!! اگر میں غلطی نہیں کرتی تو اس سنگین حسینہ کی عقل ضرور خراب ہے۔ اور یہ نہایت بد مذاق معلوم ہوتی ہے۔"

دیوتاؤں کے پتا نے مجسّمہ کے ہونٹوں اور کانوں کو چھوا اور کہا" اے عورت! تجھے جاننا چاہیئے کہ ہم دیوتا ہیں جنہوں نے دُنیا کی بہت سی چیزیں بنائی ہیں۔ تمام وہ چیزیں جن میں زندگی ہے۔"

وہی دیوی پھر بولی" لیکن تجھے ہم نے نہیں بنایا۔"

دیوتاؤں کے باپ نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا" ہاں تجھے اس شخص نے بنایا ہے جو اس وقت تیرے قدموں میں پڑا ہے۔ تو بالکل بے جان تھی۔ یہ شخص تجھ سے محبّت کرنا چاہتا ہے۔ اور رات دن دعائیں مانگتا ہے کہ تم میں زندگی کی لہر دوڑ جائے اور وہ اس عورت کی معیّت میں رہ کر مطمئن اور شاد کام ہو جائے جسے اُس نے خود تخلیق کیا ہے۔ اب ہم یہ پوچھتے ہیں کہ تو بھی زندگی کی خواہشمند ہے یا نہیں؟"

مجسّمے نے آئینوں میں اپنی صورت دیکھی، جو اُس کے گرد تھے۔ پھر اُس نے دیویوں کے عریاں حسن کو دیکھا، جو اُسکے نزدیک کھڑی تھیں۔ اسکے بعد اُس کی نگاہیں سنگ تراش پر پڑیں جو زمین پر اُسکے قدموں میں پڑا تھا اور جسکے گرد اُسکے تمام اوزار بکھرے پڑے تھے۔

مجسّمے نے کہا" ہاں دیوتاؤ میں زندگی کی خواہش مند ہوں"۔

وہ دیوی پھر بولی۔" تو بس اب میں جاتی ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ چلی گئی۔ لیکن دوسرے وہیں ٹھہرے رہے تاکہ اس معاملے کو اختتام تک پہنچا کر اسکے انجام کو دیکھیں۔

دیوتاؤں کے پتا نے اپنا ہاتھ مجسّمے کے تمام جسم پر پھیرا۔ اور اس میں زندگی کا سانس پھونک دیا اُسمیں سر سے پیر تک زندگی کی بیداری پیدا ہو گئی۔

دیوتاؤں کا باپ مُڑ کر سوتے ہوئے سنگ تراش کو جگانے کے لئے جھکا تاکہ وہ بیچارا بھی اپنی

دلی خواہش کو پورا ہوتے دیکھے اور مطمئن ہو جائے۔

لیکن وہ مجسمہ بجلی کی سی سرعت سے اپنی جگہ سے نیچے کودا اور چیخ کر کہنے لگا۔"اسے مت جگاؤ۔ اسے ہرگز نہ جگاؤ۔"

دیوتاؤں کا بیٹا پیچھے ہٹ گیا اور ہنس کر کہنے لگا۔"اس نے یہ بات بالکل عورتوں جیسی کی ہے وہ چاہتی ہے کہ اپنے شکار کو سوتے میں پھانسے۔"

مجسمے نے ایک آہنی قلم اور ہتھوڑا پکڑ لیا جو قریب ہی پڑا تھا۔ اور ہتھوڑے کی ایک ہی ضرب سے وہ آہنی قلم سنگ تراش کے سر میں گاڑ دیا اور اُسے زمین کے ساتھ ٹھونک دیا۔ اور جب تک اُسے سنگ تراش کی موت کا یقین نہ ہو گیا۔ اُس نے آہنی قلم کو باہر نہ نکالا۔

دیوتاؤں کا بیٹا اس واقعہ پر حیران ہو کر بول اُٹھا۔"اے چالباز عورت! تو نے یہ کیا کر دیا؟ تو نے اس آدمی کو کیوں مارا جس نے تجھے اتنی محنت کے بعد تخلیق کیا اور دعائیں مانگ کر زندگی دلائی؟"

مجسمے نے کہا"میری مرضی! اس نے کیوں میری ناک اتنی لمبی بنائی اور میری ٹانگیں اسقدر چھوٹی رکھیں۔ اسے کیا حق تھا کہ میری ایک آنکھ دوسری سے بڑی بنائے؟ اور اے دیوتا! تم بھی جب بنانے بیٹھو تو بہترین سنگ تراش بنایا کرو۔ اب تمہاری باری ہے اور تم بھی اسی بات کے مستحق ہو کہ ایک آہنی قلم تمہارے سر میں بھی گاڑ دیا جائے"!

دیوتاؤں کا بیٹا غضبناک ہو گیا اُس نے اُسے اُسی جگہ کھڑا کر دیا۔ جہاں وہ پہلے کھڑی تھی اور اُسے پھر پتھر کا بنا دیا۔

تھوڑی دیر کے بعد دیوتاؤں کے باپ نے اس حقیقت کو بھانپا کہ ہم نے اسے پتھر بنا کر اسکی فتح کو بقائے دوام کا لباس پہنا دیا ہے۔ سنگین حسینہ اب تک ایک گمنام خانہ انداز میں کھڑی تھی اُسکے ایک ہاتھ میں وہی ایک آہنی قلم اور دوسرے میں وہی ہتھوڑا تھا جس سے اُس نے کام لیا تھا +

اندھی دُنیا

دیوتا ہونا اور خالق نہ ہونا، تنہا ہونے کے مترادف ہے۔ دیوتاؤں میں سے ایک نے اس تنہائی سے اکتا کر ایک چھوٹی سی دنیا بنانی شروع کردی۔

دوسرے دیوتا جب اُس سے پوچھنے آئے۔ کہ وُہ کیا کر رہا ہے۔ اور کیوں کر رہا۔ تو اُس نے کہا کہ "میں اپنی شکل آپ دیکھنا چاہتا ہُوں اس لئے ایک چھوٹا سا آئینہ بنا رہا ہوں! میں اپنے تئیں خیال کر سکتا تھا محسوس کر سکتا تھا سونگھ بھی سکتا تھا۔ مگر جسے دیکھنا کہتے ہیں وہ ممکن نہ تھا۔"

اب وہ اپنے اظہار کی پوری طاقت جمع کر کے اپنی اس چھوٹی سی دنیا کو بنانے میں مصروف ہو گیا اور اس میں اس نے بہت سا تخیل، بہت سا احساس اور بہت سا اندیشہ بھر دیا۔ اور یہ قطرہ آہستہ آہستہ محبت کا طوفان بن گیا۔ جب یہ صفات اس میں سے چشموں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر اسکی صنعت میں جمع ہونے لگیں تو وہ اس منظر کو جی بھر کے دیکھنے لگا اور اسکی آنکھیں طمانیت سے چمکنے لگیں۔

مگر یہ طمانیت بُت بن کے کھڑی نہ ہو رہی تھی حرکت کر رہی تھی۔ پھول پھل رہی تھی۔ ترقی پر تھی! اس کی فطرت ہی یہی تھی! اور آخر کار ان بے تابیوں میں سے ایک ایسی چیز پیدا ہو گئی جسے دیوتا کے اس التفات کی قدر تھی۔ اسکی ہستی سے آگاہی تھی! اور اس نے اپنے ننھے ننھے ملتمس ہاتھوں کی انگلیاں آگے پھیلا دیں کہ اسکے قدموں کو چھو سکے اور آواز بلند کر کے پوچھا۔ "ہے پرماتما تم کہاں ہو؟" یہ تھی اسکی تخلیق اسکی دنیا جس میں اسکی اپنی تمنّا گونج رہی تھی!

وہ اب رُک گیا۔ سستانے لگا اور جی ہی جی میں مسکرانے لگا۔

ننھے انسان کی آواز آ رہی تھی۔ "ایشور تو کہاں ہے"؟

اس نے جواب دیا۔ "ہم یہیں ہیں تیری نگہداشت کر رہے ہیں۔ دیکھ ڈرنا نہیں"۔

ننھے انسان نے پوچھا۔ "نگہداشت! نگاہ کیا ہوتی ہے۔ اور میں دیکھوں کیسے"؟

جواب آیا۔ "ہم سب کچھ دیکھ رہے ہیں۔ ہر چیز دیکھ رہے ہیں"۔

ننھی مخلوق نے اپنے ملتمس ہاتھ اور پھیلا دئے۔ "تو کیا میں بھی نہ دیکھنے لگوں"۔

یہ سُن کر دیوتا کو معاً خیال آیا۔ کہ میں نے انسان کو اپنی اور سب صفات میں تو شریک کر لیا ہے مگر دیکھنے کی۔ سب کچھ دیکھنے کی قوت عطا نہیں کی۔ وُہ آپ جی بھر کر دیکھتا رہا۔ سب کچھ دیکھتا رہا۔ اور اس دیکھنے کی طاقت کو خود اسقدر صرف کرتا رہا کہ اسمیں سے کچھ بھی انسان کے حصّے نہ آ سکی یہی سبب ہوا کہ یہ دنیا اندھی دنیا بن گئی!

جو ہونا تھا ہو چکا تھا۔ اب دیوتا اپنے آپ کو حق بجانب ثابت کرنے لگا۔ کہنے لگا "نہیں دیکھنا تیرے لئے اچھا نہ ہوگا۔ تو ایسا دیکھنے لگیگا کہ پچھتائے گا۔ قناعت کر۔ ہم نے تجھے نہایت ہی خوشنما دنیا بنا دی ہے۔ اسمیں رہ۔ اور پھول پھل۔ ہم خود ہر چیز کی نگہداشت کرینگے"۔

انسان نے پوچھا۔ "مگر بینائی کے بغیر مجھے یہ کیسے نظر آئے کہ یہ دنیا خوشنما ہے"؟

دیوتا نے جواب دیا "ہم نے جو کہہ دیا کہ خوشنما ہے! ہمارا ہر قول سچا ہوتا ہے۔ اور اے انسان جب ہم نے تجھ پر ہر بات کھول کھول کر واضح کر دی پھر تو کیوں بھٹکتا پھرتا ہے"۔

انسان اپنی بات پر اڑا رہا "میں آنکھیں چاہتا ہوں۔ آنکھیں"! اور جب اسے آنکھیں نہ ملیں تو وہ بہت ناخوش رہنے لگا۔ اور ہر چند اسے دیوتا چمکارتا رہا اور بہلانے کی کوشش کرتا رہا۔ مگر وہ بے چین ہی رہا!

دیوتا بہت مضطرب تھا کیونکہ یہ ایک ایسی بات ہو رہی تھی جس کا اس نے کبھی ارادہ نہ کیا تھا۔ اسکی مخلوق سکون سے گھبرا رہی تھی۔ بے قرار ہو رہی تھی۔ اسی کی طرح بینائی کی تمنائی تھی! وہ یہ سب کچھ سوچ رہا تھا کہ ایک خیال تیر کی طرح اسکے ذہن میں آیا یعنی اگر میں چاہوں بھی تو انسان کو آنکھیں۔ نئی آنکھیں۔ خود بخود دیکھنے والی۔ سب کچھ دیکھنے والی متجسس آنکھیں عطا نہیں کر سکتا۔ ہاں اپنی آنکھیں نکال کر دے سکتا ہوں!!

اس نے تحکم سے کہا "اے انسان تو نہیں جانتا کہ تو کیا مانگتا ہے۔ اگر ہم تجھے آنکھیں عطا کر دیں، تو پھر ہم تیری نگہداشت نہ کر سکیں گے اور تو دیوتاؤں کی طرح اپنا مختار آپ ہو جائے گا۔ بسا اوقات جس چیز میں تو اپنا بھلا سمجھتا ہے بری ہوتی ہے اور بری بھلی ہوتی ہے"!

انسان پکارتا رہا "مجھے آنکھیں چاہئیں میں اپنی نگہداشت آپ کر لونگا"۔

اپنی مخلوق کو یہ کہتے سن کر دیوتا کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبانے لگیں۔ اور یہ کون کہہ سکتا ہے کہ وہ اسوقت رحم سے بھرا ہوا تھا یا قہر سے۔

دیوتا نے پکار کر کہا "اے خوبصورت دنیا جسے ہم نے آپ اپنے ہاتھوں سے بنایا، دیکھیں اب تجھے دوبارہ دیکھنا کب میسر آتا ہے"! یہ کہہ کر اس نے اپنی آنسوؤں سے ڈبڈبائی ہوئی آنکھیں نکال کر انسان کو دیدیں اور کہا "لے۔ اب دیکھا کر اور دل کو مطمئن رکھ کہ تو دیوتاؤں کی مانند ہو گیا ہے" اور جب سب

کچھ دیکھ بھال کر تجھے سیری ہو جائے تو پھر مجھے واپس آکر بتانا کہ میری اس بنائی ہوئی صنعت کے متعلق تیری کیا رائے ہے"۔

اس دن سے آج تک دیوتا نابینا ہی بیٹھا ہے اور گوش بر آواز اس بات کا منتظر ہے کہ انسان اب سیر ہو کر واپس آئیگا اور اب اسے اسکی کھوئی ہوئی دنیا کی خبر لا کر دیگا۔

لیکن انسان غیر مطمئن ہے کیونکہ وہ صاف صاف کچھ نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اسکی آنکھوں میں دیوتا کے آنسو چھلک رہے ہیں اور دیوتاؤں کے آنسو کبھی خشک نہیں ہوتے!

اکسٹھ ستاروں والا کمرہ

پیرس پہنچکر ایک اٹھارہ سالہ نوجوان کی شان کے مطابق میں گرینڈ تھیئٹر میں جانے کی تیاری کرنے لگا۔ میں نے اپنے لئے ایک بکس ریزرو کرایا تاکہ پیرس والے مجھے دیکھیں اور جان لیں کہ ایک جرمن نوجوان بکس میں بیٹھے گا۔ خواہ وُہ اکیلا ہی کیوں نہ ہو۔

میں اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھا۔ کچھ تو اپنے آئینے سے اور کچھ جرمنی دوشیزہ لڑکیوں کی تعظیمی نگاہوں سے کہ میں ایک خوبرو نوجوان ہوں۔ اور سچ پوچھو۔ تو مجھے اس پر ناز بھی تھا میں نے اپنی دوربین سے تمام حاضرین کو ایک بار دیکھا۔ اور مجھے یقین ہو گیا۔ کہ ایک گھنٹہ کے اندر اندر ہر کرسی پر بیٹھنے والی عورت میری محبت میں گرفتار ہو جائیگی۔ مجھے یہ معلوم کر کے ازحد قلق ہُوا کہ وہ عورتیں جو مجھ سے اوپر یا نیچے بیٹھی ہیں مجھے دیکھنے کی خوشی سے محروم رہ جائینگی لیکن اس خیال سے مطمئن ہو گیا۔ کہ اسکے باوجود بھی عورتوں کی تعداد کافی ہے۔ جو نقصان کی تلافی کر دیگی۔

میری کامیابی یقینی تھی کیونکہ ہر دوربین کا رخ جو نازک نسوانی ہاتھوں میں تھی میرے بکس کیطرف تھا۔ اور بڑی بڑی امیرزادیاں میری طرف مشتاق نگاہوں سے دیکھ کر گویا آہ سرد بھر رہی تھیں میں نے بھی انکی محبت بھری نگاہوں اور لطیف تبسم کا ترکی بہ ترکی جواب دینے میں ایک موقع بھی ضائع نہ کیا۔ اس میں ذرہ برابر بھی شک نہ تھا کہ جرمنی کا ایک رسالدار پیرس میں بھی ایک سچا سپاہی ہے۔ اور کوئی بھی ایسے کامیاب طریق سے عورتوں کی توجہ اپنی طرف مائل نہیں کر سکتا۔ میں نے اسوقت بڑے رحم کے ساتھ اپنے جدامجد کا خیال کیا۔ جس نے ایک سافولی عورت کا دل مائل کرنے کی بے سود کوشش کی تھی۔ ایک ایسا کرتب جو آج اسکے جانشین کو اتنا آسان معلوم ہوتا تھا لیکن مجھے خوف ہے کہ میں لاف زنی کی حدود سے تجاوز کر رہا ہوں۔

یہ کہدینا کافی ہے۔ کہ ایک امیرزادی اس دام میں پوری طرح گرفتار ہوگئی۔ وہ عین میرے مقابل بیٹھی تھی۔ اور ایک حور کی طرح حسین دکھائی دیتی تھی۔ وہ اپنے شاندار لباس میں جھومتی معلوم ہوتی تھی اور جواہرات سے اسقدر چمک رہی تھی۔ کہ ہر شخص خواہ مخواہ اوپر دیکھنے پر مجبور ہو جاتا تھا جس طرح کوئی ایک صاف چمکدار ستاروں بھری رات کو ہو جاتا ہے۔ مجھے یقین تھا۔ کہ یہ کوئی غریب عورت نہیں بلکہ درپردہ ایک دیوی ہے۔

میری خوبصورت حور نے سارے کھیل کے دوران میں ایک لمحہ کے لئے بھی اپنی نگاہیں میرے بکس پر سے نہ ہٹائیں اور اگر اسوقت کوئی اس سے پوچھتا۔ کہ اسٹیج پر کیا ہو رہا ہے۔ تو میں یقین سے کہتا ہوں کہ وہ کچھ نہ بتا سکتی۔ مجھے معلوم تھا کہ اسکے اسقدر حیران کر دینے والے رویے کی غرض کو سمجھنے کیلئے منطق سے استدلال کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ وہ میری محبت میں بیخود ہو رہی ہے۔ میں نے اپنے دل میں کہا۔ "آپ کا تابعدار غلام آپ سے ضرور ملیگا۔"

کھیل کے خاتمہ پر میں اس گیلری کی طرف گیا۔ جہاں سے اسے گذرنا تھا۔ میری حسین دیوی نے مجھے

زیادہ منتظر نہ رکھا اور وہ بہت جلد آگئی، آہ قریب سے وہ اور بھی حسین اور دلربا معلوم ہوتی تھی۔ میں نسوانی حسن کو دیکھ کر وجد میں آجانے کا قائل نہیں۔ کیونکہ میں بخوبی جانتا ہوں۔ کہ غازہ عورتوں کی شکل و شباہت پر کیا اثر ڈالتا ہے۔ اور مجھے یہ بھی اچھی طرح معلوم ہے۔ کہ کس طرح زیور اور جواہرات عورتوں کے حسن کی قیمت بڑھا دیتے ہیں۔ لیکن وہ ان باتوں کے باوجود حسین تھی۔ اسقدر حسین کہ شاعر بھی تصوّر نہ کر سکیں۔

جب وہ میرے پاس سے ہو کر گذری۔ تو مجھے ایسا معلوم ہوا کہ کوئی میرے ہاتھ کو چھو رہا ہے۔ لیکن اس سے پہلے کہ میری حیرت دُور ہو۔ میں نے اپنے ہاتھ میں ایک تعارفی رقعہ پایا۔ جو ایک قیمتی انگوٹھی کے ساتھ بندھا ہوا تھا۔ اُس نے یہ میرے ہاتھ میں دے دیا تھا۔ لیکن اس کے خیرہ کن حسن اور اس کے ہاتھ کے لمس نے مجھے اس قدر حواس باختہ کر دیا۔ کہ میں یہ معلوم نہ کر سکا کہ اس کے بعد کیا ہوا اور وہ کہاں چلی گئی۔ تعارفی رقعہ پر "مارگریٹ ۴ بولورڈ سٹریٹ" چھپا تھا۔ اور اسکے نیچے باریک حروف میں لکھا تھا۔ "۱۲ بجے"۔

وہ انگوٹھی جس میں تعارفی رقعہ لپٹا تھا۔ بڑی قیمتی تھی۔ جوہری کے کہنے کے مطابق چھ سو فرانک کی مالیت کی تھی۔

یہ ہے قسمت کا نادر موقعہ! میں نے خیال کیا۔ کہ یہ کوئی ادنےٰ عورت نہیں ہو سکتی جو اپنا عاشقانہ پیغام چھ سو فرانک کی ایک قیمتی انگوٹھی کے ساتھ بھیجتی ہے۔ وہ ضرور ایک اعلےٰ خاندان کی عورت ہے۔ اور یہ اس کے مذاق سلیم کا بہترین ثبوت ہے۔ کہ اس نے ایک قیمتی انگوٹھی ایک ایسے اجنبی پر بھروسہ کر کے دے دی جسے اس نے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ اس نے ضرور مجھے ایک جرمن نوجوان سمجھ کر میری قدر افزائی کی تھی۔

یہ واقعہ مجھے از حد دل خوش کن اور تسلی بخش معلوم ہوتا تھا۔ دوسرے روز میں مشکل سے بارہ بجے

تک انتظار کرسکا میں نے لباس زیب تن کیا اور گاڑی میں بیٹھ کر اسکے مکان کی طرف روانہ ہو گیا۔ کوچبان اس مکان کو بخوبی جانتا تھا۔ اس لئے وہ بلا تامل مجھے وہاں لے گیا۔ کون نہیں جانتا کہ پریوش مارگریٹ کہاں رہتی ہے۔ وہاں ملاقاتیوں کی ایک کافی تعداد موجود تھی لیکن مجھے یقین تھا کہ جب میں تعارفی رقعہ اور انگوٹھی دکھاؤنگا۔ تو یہ بیٹھے رہ جائیں گے۔ اور میں فوراً اندر بلا لیا جاؤنگا۔

ایک طویل القامت دربان میری جانب بڑھا۔ اس کا چہرہ تند اور قاتلانہ تھا۔ لیکن جونہی اُس نے وہ انگوٹھی دیکھی۔ اُس کی صورت شریفانہ ہو گئی۔ اور وُہ مسکرانے لگا۔ اس نے ایک گھنٹی بجائی ایک اور خادم آیا۔ جو بڑا شاندار لباس پہنے تھا اور مجھے متعدد حیرت افزا برآمدوں اور کمروں سے لیکر گذرا۔ جو شاہانہ طور پر آراستہ تھے۔ اور ان کی چمک دمک سے میری بینائی کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا

میں نے بہت شاندار مکانات اور شاہانہ محلات دیکھے ہیں لیکن یہاں مجھے خیال آیا۔ کہ اس کے مقابلے میں وہ سب ہیچ ہیں اور میں نے آج تک اسقدر شاندار تصاویر۔ آئینے اور قالین کہیں نہیں دیکھے جو یہاں مارگریٹ کے محل میں تھے۔

آخر ہم ایک ایسے کمرہ میں داخل ہوئے۔ جو ایک گول تھئیٹر کی مانند تھا۔ اور جس کی آرائش اور اہتمام سب پر سبقت لے گئے تھے۔ مرمریں مجسمے۔ رنگا رنگ کے پھول۔ ریشمی منقش پردے اور قالین غرضیکہ ہر چیز ایک دوسری سے بڑھ چڑھ کر تھی۔ دیواروں پر دلکش تصاویر آویزاں تھیں۔ جو میرے خیال میں بڑے بڑے استادان فن نے تیار کی تھیں۔

چھت کے عین نیچے ہر تصویر کے فریم کے اُوپر میری ہتھیلی کے برابر اکسٹھ ستارے تھے جن میں سیاہ شیشہ عجب شان سے چمکتا تھا اور یہ واقعی ایک بے مثل خیالی تھا۔

لیکن مجھے ان حیرت انگیز ستاروں کو دیکھنے کا بہت کم موقع ملا۔ کیونکہ دروازہ کھلا اور میری لیڈی چپ چاپ داخل ہوئی۔

وہ کل رات سے زیادہ حسین تھی۔ اسکی بڑی بڑی پیاری شرمیلی آنکھیں اور نازک ہونٹ غضب کے تھے اور اسکی حرکات شریفانہ تھیں۔ اس نے اپنا ملائم اور نازک ہاتھ آگے بڑھایا اور مجھے اپنے قریب ایک نرم صوفے پر بیٹھنے کو کہا۔ اس نے شرم سے اپنی نگاہیں نیچی کر لیں۔ اور التجا کی۔ کہ میں کل رات کی عجلت کو اسکی محبت کے سوا کچھ خیال نہ کروں جس پر اسے قابو نہ تھا میں گھٹنوں کے بل اسکے سامنے بیٹھ گیا اور ظاہر کر دیا کہ مجھے اس سے محبت ہے۔ وہ میری محبت بھری التجا سے خوفزدہ ہو کر اٹھی اور میری طرف پرخوف نگاہوں سے ٹکٹکی لگاتے ذرا پرے ہٹ گئی ہیں اسے اپنے نزدیک بٹھانے میں کامیاب ہو گیا۔ اور اس سے اپنی غلطی کی معافی چاہی۔ جو بڑی خندہ پیشانی سے دے دی گئی پھر اس نے رونا شروع کر دیا اور مجھے بتایا کہ اس سے پہلے کسی نے اسے اچھی طرح نہیں سمجھا میں نے اسے یقین دلایا کہ میں ایسا شخص ثابت ہونگا۔ جو اسکی روح کی گہرائیوں تک سمجھ جاؤنگا۔ اور پھر میں نے اپنے اشعار سنانے شروع کر دیئے اس نے اپنے آنسو پونچھ ڈالے اور مسکرانے لگی۔ اس نے آگے جھک کر مشفقانہ او اسے میری پیشانی پر بوسہ دیا۔ تب میں نے اسکی سوسن سی انگلیوں کو اپنے دل کے ساتھ دبایا اور اسکے لبوں پر محبت کا ایسا بوسہ دیا کہ وہ بے دم ہو گئی۔ اور مجھے ملامت آمیز نگاہوں سے دیکھنے لگی اس نے مجھے اپنا "رومیو" کہا۔ اور میں نے اسے اپنی "جولیٹ" اور اسطرح ہم نے "رومیو جولیٹ" کا پہلا منظر ادا کیا۔ جہاں لوگ صرف وعدہ کرتے ہیں کہ وہ آئندہ ایک دوسرے سے از حد محبت کرینگے۔

پھر ہم نے ایک دوسرے کو الوداع کہا اور جب میں جانے لگا تو میری دیوی نے میرے کان میں آہستہ سے کہا "کل دوپہر کو پھر آنا۔"

وہ ایک الوداعی بوسہ کے خوف سے پرے ہٹ گئی۔ اور کمرے کے اس سرے سے اپنا ہاتھ ہلا کر کہنے لگی "میرے رومیو"۔

"میری جولیٹ۔ میری پیاری جولیٹ" میں نے رک رک کر کہا اور کمرے سے باہر نکل آیا۔

میں یقیناً اپنے صبر و استقلال سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔ میں نے یہ معلوم کرنا چاہا کہ یہ کون ہے اور کہاں سے آئی ہے۔ اور اسکے یہ ملاقاتی کون ہیں۔ یہ یقینی تھا کہ وُہ کوئی معمولی عورت نہیں۔ اسے مجھ سے محبت تھی۔ میں نے آج تک ایسی محبت والی عورت نہ دیکھی تھی۔ اس نے مجھے گھائل کر دیا اور میری رُوح کو مکمل طور پر بدل دیا۔ میں نے خیال کیا۔ کہ اب مجھے اسے دوبارہ ملنے کے لئے پورا ایک گھنٹہ منتظر رہنا پڑیگا میں کل دوپہر تک منٹ شمار کرتا رہونگا۔ میں سوچنے لگا۔ کیا میں اس فہم فراست کو برقرار رکھنے کے قابل رہونگا جو میں اپنے وطن سے ساتھ لایا ہوں۔

شام کے قریب وقت گذارنے اور اس اُمید پر کہ شاید پھر اس ماہ رو کی جھلک دیکھ پاؤں میں گرینڈ تھیٹر کی طرف چل پڑا۔ راستہ میں مجھے وطن کا ایک بوڑھا دوست ملا۔ جو کئی سال سے پیرس میں مقیم تھا۔ ہم باہم مل کر بہت خوش ہوئے اور گرمجوشی سے بغلگیر ہوئے۔ رسمی الفاظ کے بعد ہم نے آج کی شام اکٹھے گذارنے پر گفتگو شروع کر دی۔ میں نے تھیٹر جانا تجویز کیا۔

اس نے اعتراض کیا۔ "ارے میاں آجکل کون بھلا مانس تھیٹر جاتا ہے۔ یہ ایک فضول چیز ہے۔ جہاں لوگ گاتے ہیں۔ اور اُس محبت کے متعلق گفتگو کرتے ہیں جو وہ محسوس نہیں کرتے اور جعلی باتیں بناتے ہیں۔ وہاں تو بد گمانی بھی بناوٹ ہے اور ایکٹر تمہارے سامنے اتنا جھوٹ بولتے ہیں جسقدر ان کا پارٹ ان سے مطالبہ کرتا ہے۔ آؤ میرے ساتھ ایک ایسی جگہ چلو۔ جہاں ہر بات اصلی ہے۔ وہاں یقین ہو جاتا ہے۔ کہ ایکٹر زندگی اور اصلی باتوں کا پارٹ ادا کر رہا ہے۔ وہاں ایک شخص بیچ ڈرامے دیکھ سکتا ہے۔ آج رات ہم وہاں "اتھیلو" کا تماشہ دیکھیں گے اور وقت اچھی طرح گذار سکیں گے۔"

میں نے اجازت دیدی کہ وہ جہاں چاہے مجھے لے چلے۔ وہاں کا ٹکٹ پچاس فرانک تھا لیکن مجھے اسکی کیا پروا تھی۔ ہم بہت سے غیر معروف بازاروں میں سے ہوتے ہوئے ایک تاریک احاطہ میں پہنچے اور چند سیڑھیاں چڑھکر ٹکٹ گھر کے سامنے پہنچ گئے۔ وہاں ہم نے پچاس پچاس فرانک دیئے۔ پھر ایک

ملازم نے ہمیں ایک کمرے میں داخل کر دیا جو اسقدر چھوٹا تھا۔ کہ وہاں ایک آدمی مشکل سے بیٹھ سکتا تھا اندر تاریکی تھی۔ صرف ایک شیشہ کے مربع سے جو دیوار میں تھا۔ روشنی اندر آ رہی تھی ہیں نے اسکے ساتھ اپنی آنکھیں لگا کر دیکھا۔

میری حیرت کی کچھ انتہا نہ رہی کیونکہ میں اُسی کمرے کو دیکھ رہا تھا۔ جہاں صبح میں خود موجود تھا۔ میری دیوی ایک انگریز نوجوان کے پہلو میں ایک صوفہ پر بیٹھی تھی۔ وہی تصاویر اور اکسٹھ ستارے جن میں سے ہر ایک کے پیچھے زندہ اور اصلی ڈرامہ دیکھنے کی تمنائی آنکھوں کا ایک ایک جوڑا تھا۔ وہ اب اس نوجوان کے ساتھ "اتھیلو" کا ڈرامہ کھیل رہی تھی۔ بالکل اسی طرح جیسے اُس نے میرے ساتھ "رومیو جولیٹ" کھیلا تھا۔ بیچارے احمق کے ساتھ بہت بُرا سلوک کیا گیا۔ لیکن میں مانتا ہوں کہ میری پری پیکر معشوقہ نے یہ پارٹ بھی نہایت خوش اسلوبی سے ادا کیا۔ وہ رو رہی تھی۔ اور اتھیلو کی معشوقہ کا پارٹ ادا کر رہی تھی۔ بالکل جسطرح اس نے "جولیٹ" کا ادا کیا۔ یہ کومیڈی پچاس فرانک میں سستی تھی۔

یہ یقینی تھا۔ کہ اب میں دوسرے روز سے مل کر اس اکسٹھ ستاروں والے کمرے میں جھانکتی ہوئی آنکھوں کے سامنے "رومیو جولیٹ" کا دوسرا منظر ادا نہ کروں میں ٹرین میں سوار ہو کر چپکے سے پیرس سے کھسک گیا۔ مجھے ڈر تھا کہ مبادا کوئی مہربان یہ معذرت کرنے نہ آپہنچے۔ کہ اس نے مجھے "رومیو" کے پارٹ پر کافی داد نہیں دی۔ اور اب اسکی تلافی کے لئے آیا ہے۔

دو بچّے

اُن میں سے ایک عرب تھا۔ اور دوسرا ترک۔ مجھے اُن دونوں سے محبت تھی۔ وہ دونوں تمام رحیں لیکر پیدا ہوئے تھے۔ اُن کے لئے میرے قلب میں دوستی اور عزّت کا جذبہ ہے۔

ایک سے میں جنگ کے پہلے برس ہی۔ سردی کا موسم تھا۔ چار بج چکے تھے۔ ہر طرف تاریکی چھائی تھی ور میں ٹرام میں سے اُتر کر اس فکر میں کھڑی تھی۔ کہ پھل کے ان ڈبوں کو مکان تک کیونکر پہنچاؤں کہ معاً میری نگاہ موٹر سے اُترنے والے ہجوم کے درمیان دو ننگے قدموں پر پڑی۔ جو ایک بچے کی ہتھیلیوں کی طرح نازک تھے۔ ایک باریک سی آواز آئی "ترجمان" کوئی اخبار فروش لڑکا اخبار فروخت کر رہا تھا۔

یکایک گزرنے والی موٹر کی تیز روشنی اور ارد گرد کے بازاروں کی تاریکی کے درمیان مجھے آواز دینے والا نظر آگیا۔ یہ ایک چھوٹا سا لڑکا تھا۔ جس کا چہرہ دُبلا اور منہ گول تھا۔ اور جو چُپ رہنے پر چلاتا معلوم ہوتا تھا۔ جب میں نے اُسے کندھے سے پکڑا۔ تو میرے قلب کے اندر ایک غیر معمولی شفقت اور ہمدردی

پیدا ہو گئی۔

"کیا تم میرا سامان اُٹھاؤ گے"؟

"مجھے اخبار بیچنا ہے"۔

میں نے اُسے یقین دلایا، کہ میرا کام کرنے سے اُسے ضرور فائدہ ہوگا۔ اس پر اُس نے اخبار بغل میں داب لئے اور اپنے دُبلے پتلے ہاتھوں سے ڈبوں کو اکٹھا کرنے کی کوشش نے مجھے اُسکی مدد کرنے پر مجبور کر دیا۔ ہم دونوں نے مل کر ڈبے اُٹھا لئے۔ وہ آگے جا رہا تھا اور میں اُس پر جھکی ہوئی پیچھے پیچھے چلتی جب ہم بلدیہ کی روشنی سے بقعۂ نور بنی ہوئی عمارت سے گزر کر تاریک پیچ دار بازار میں آئے۔ تو میں نے سوچا کہ اس سے تو یہی اچھا تھا۔ کہ میں ان ڈبوں کو خود اُٹھا لیتی۔ تاہم جب اُسکا ننھا سا سر میری چھاتی سے لگا اور جب میں نے اُسکے ننھے ننھے قدموں کو بازار کے تنگ پتھروں پر پھسلتے دیکھا۔ تو میرے دل میں ایک مادری جذبہ بھڑک اُٹھا۔ ایسا جذبہ جس میں مسرت اور درد دونوں موجود تھے۔

"تمہارا نام کیا ہے"؟

"رستم"

"تمہارا مکان کہاں ہے"؟

"شہزادہ باشی میں"۔

"کیا تمہاری ماں ہے"؟

"ہاں"۔

"بہن بھائی"؟

وہ رُک گیا۔ اور بلند آواز سے گننے لگا "ایک، دو، تین"۔

"کوئی بڑا بھائی"؟

اُس نے سر ہلا کر کہا۔"سب چھوٹے ہیں ہیں سب سے بڑا ہوں۔ اور سب لڑکیاں ہیں۔ ایک تو ابھی تک دودھ پیتی ہے"۔

"کیا تمہارا والد زندہ ہے"؟

"وہ پچھلے سال جنگ پر گئے تھے لیکن پھر ہمیں انکی کوئی خبر نہیں ملی"۔

"کیا تمہاری اماں کوئی کام کاج کرتی ہے"؟

"وہ کس طرح کام کر سکتی ہے۔ بیمار ہے بیچاری"۔

تو پھر اُسکی دیکھ بھال کون کرتا ہے؟ میرا مطلب ہے تم سب کی دیکھ بھال"؟

اس مرتبہ اُسکے پاؤں زور سے سرد پتھروں کے ساتھ ٹکرائے۔ وہ ٹھہر گیا۔ حیران اور زخمی بھری اپنی آواز بلند کر کے ایک حیرت انگیز غرور سے کہنے لگا"کیا میں اپنی اماں کی دیکھ بھال نہیں کرتا"؟

اسکی آواز نے میرے قلب میں ایک ہیجان پیدا کر دیا اور گو میری آنکھیں پُرنم ہو گئیں لیکن میں نے لہجہ بدل کر کہا"مجھے بتاؤ تم کس طرح اس کی دیکھ بھال کرتے ہو"؟

اس نے مجھے بتایا۔ کہ میں صبح کو"اقدام"اور"تصویر"بیچتا ہوں جس سے مجھے پانچ پیاسٹر نفع ہو جاتا ہے"۔

اس عجیب حقیقت کا اثر معلوم کرنے کے لئے اُس نے میرے چہرے کی طرف دیکھا اور پھر بولا"میں دوپہر کو مسافروں کا سامان اُٹھا کر سات پیاسٹر کما لیتا ہوں۔ اور شام کے وقت"ترجمان"بیچتا ہوں۔ گویا اسکی روزانہ آمدنی پندرہ سے بیس پیاسٹر تک تھی۔ اُن دنوں روٹی کی قیمت تین پیاسٹر سے زیادہ نہ تھی۔ اسلئے یہ بیان تسلی بخش معلوم ہوتا تھا۔

یہ کہتے وقت اُسکا ننھا سا سر اپنے تئیں مجھ سے یا ؤ بلند سطح پر محسوس کر رہا تھا۔

سرد پتھروں پر اسکے پاؤں کی ٹھوکروں سے میں از حد بے چین تھی۔ میں نے پوچھا"تمہارے پاس جوتے

ہیں رستم؟"

وہ ظریفانہ انداز میں ہنسا۔ اُس نے ایک بوڑھے انسان کی طرح زندگی پر ہنسنا سیکھ لیا تھا۔ پھر کہنے لگا۔"بہر حال جُوتے کوئی ضروری چیز نہیں۔ میرے پڑوسی نے اپنے جوتے مجھے مستعار دیئے ہیں لیکن میں اُنہیں پہن کر دوڑ نہیں سکتا۔ پھر یہ بھی فکر رہتی ہے کہ کہیں خراب نہ ہو جائیں۔ اسلئے میں نے اُنہیں اپنی پیٹی میں رکھ چھوڑا ہے"۔

میں اُن مستعار لئے ہوئے جوتوں کو دیکھنے کی از حد مشتاق تھی جنہیں وہ خراب کرنا نہ چاہتا تھا۔ میں نے جھک کر اُسکی پیٹی دیکھی۔ دو لمبے چوبی جوتے پیٹی میں دو پستولوں کیطرح رکھے تھے۔ وہ میری جانب دیکھ کر ہنسنے لگا اور اس ہنسی نے اُسکے چہرے کو حسین بنا دیا۔

ہم گھر پہنچ گئے۔ میں نے اُس سے اپنے لڑکوں کا ذکر کیا۔ اور کہا۔ کہ اندر آکر اُن سے ملو۔

اُس نے لمحہ بھر کے بعد اپنا سر ہلایا۔"نہیں میں لوگوں سے کبھی نہیں ملا کرتا۔ اسکے علاوہ آج رات میں فارغ بھی نہیں ہوں۔ البتہ کسی اور روز آسکتا ہوں"۔

وہ اپنا وعدہ ضرور پورا کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ میں نے معلوم کر لیا۔ کہ اسکی آنکھیں مکان کو پہچاننے کے لئے بازار کا جائزہ لے رہی تھیں میں نے جُدا ہوتے وقت اُسکے سر پر پیار دیا۔ اور اُس نے آہستگی سے کہا۔"الوداع"

"ترجمان۔ ترجمان"! کی ننھی تیز آواز فاصلہ پر مدھم ہوتی گئی۔

میں مدت تک رستم سے ملاقات کرنے کی منتظر رہی لیکن دن گزرتے گئے اور وہ نہ آیا۔ روٹی کی قیمت زیادہ ہو گئی تھی۔ اسلئے جب وہ یاد آتا تھا تو مجھے دُکھ ہوتا تھا۔

۲

قیامِ شام کے دوران میں غربت اور قحط کے روح فرسا نظارے نے میرے دل میں رستم کی ملاقات

کی یاد تازہ کر دی ۔ وہ بمشکل نو سال کا تھا اور ان خوفناک ایّام میں چار ہستیوں کا پیٹ پال رہا تھا میں نے خیال کیا ۔ شاید اسوقت اُس نے کسی قبرستان میں اپنی خوبصورت بھوری آنکھیں اور دلبرانہ چہرے کے ساتھ آسمان کی طرف ٹکٹکی باندھی ہو لیکن کیا جبکہ اُسکی ماں اور بہنیں بھوکوں مر رہی ہیں اسکا عظیم الشان قلب خاک میں مل سکتا ہے ؟

رستم مجھے اپنے ننھے دوستوں میں سب سے زیادہ پیارا تھا لیکن شام میں ایک عرب لڑکی نے میرے دل پر رستم کے پہلو بہ پہلو جگہ پیدا کر لی ۔

جنگ کے آخری سال کا ذکر ہے ۔ میں پہاڑوں سے واپس آ رہی تھی ۔ لوگ بہ تعداد کثیر ملک چھوڑ رہے تھے ۔ وبا اور قحط ہر طرف مسلط تھے ۔ بچّوں کے گروہ اپنی گہری آنکھوں اور زرد زرد چہروں کے ساتھ اِدھر اُدھر پھیر رہے تھے اور ہم آہنگ ہو کر "میں بھوکا ہوں" کی دلدوز صدا لگاتے تھے ۔ وہ یہ صدا اس تلخ انداز سے لگاتے تھے ۔ کہ میں انسانیت کا خیال کر کے شرم سے پانی پانی ہو جاتی تھی ۔

پہاڑوں کی صاف اور خالص ہوا میں لیموں اور سنگترے کے غنچوں نے میرے حواس کو اپنی خوشبو سے مخمور کر دیا تھا ۔ آسمان ۔ ہوا اور درختوں نے اپنی شاندار رنگینیوں اور خوشبو سے مجھے مسحور کر لیا تھا ۔ لیکن صنوبر کے درختوں کے درمیان ننگے بچّوں ۔ خمیدہ پشت ۔ پریشان بالوں والے اور موت کے منتظر بچوں کے نظارے نے میرے دل میں خیال پیدا کر دیا ۔ کہ فطرت کا حسن حواس کا ایک تمسخر ہے ۔

بیروت میں میں ایک درد بھرے دل کے ساتھ داخل ہوئی ۔ میں نے ایک عزت کی زندگی کا خیال ترک کر دیا ۔ اور اس تکلیف زدہ ہجوم میں کسی نہ کسی طرح مل کر اسمیں کھو گئی ۔

اچانک بازار میں میری گاڑی رُکی میں نے خیال کیا ۔ شاید گھوڑے بھوک کے مارے ٹھہر گئے ہیں لیکن جب میں نے کوچبان کو باگ کھینچتے دیکھا ۔ تو میں باہر کود پڑی

ایک عورت گاڑی کے آگے لیٹی تھی۔ سب سے پہلی نظر میری اُسکے سُرخ پاؤں پر پڑی۔ پھر میں نے اُس کا عجیب و غریب چہرہ دیکھا۔ آنکھیں بند تھیں۔ اور اُسکی ٹانگوں پر ننھے ننھے نوزائیدہ چوزوں کی طرح بیٹھے تھے۔ ایک بچہ ایک سال کا تھا۔ اور دوسرا تین سال سے زیادہ نہ تھا۔ اُنکے چہرے بندر کے بچوں کے سے تھے۔ اور وہ ٹکٹکی باندھے دیکھ رہے تھے۔ پاس ہی ایک پانچ برس کی ننھی بچی اپنے سر سے ایک سرخ رُومال باندھے اور دُبلے پتلے جسم پر ایک پھٹا پُرانا سایہ پہنے عورت پر جُھکی کھڑی تھی اور اُسکے ہاتھ مل رہی تھی۔

بازار کے دونوں طرف موٹے تازے دکاندار آرام سے بیٹھے دیکھ رہے تھے۔ میں فوراً بازار میں ایک نانبائی کی دکان تلاش کرنے لگی میں نے خیال کیا۔ کہ یقیناً یہ عورت بھوک کی وجہ سے مر رہی ہے شہر میں عام طور پر ایسے نظارے دیکھنے میں آتے تھے۔ واپس آکر وہ روٹیاں میں نے ننھی لڑکی کی طرف بڑھا دیں میں نے دیکھا کہ گری ہوئی عورت کے چہرے پر بھوک پیاس کے آثار نہیں۔ اس سرخ رُومال والی لڑکی نے پہلے میری طرف پھر روٹیوں کی طرف دیکھا۔ اور تیز آواز میں باتیں کرنے لگی۔ جو بچوں کی سی نہ تھیں جس زبان میں وہ باتیں کر رہی تھیں میرے لئے اجنبی تھی۔ اس عرصہ میں وہ بدستور اپنی ماں کی کنپٹیاں اور ہاتھ مل رہی تھی۔ اسکی آواز سے سنجیدگی اور باخبری ترشح ہوتی تھی دفعتاً ایک مرد کی آواز نے مجھے فرنچ میں مخاطب کیا۔ ”زیادہ فکر نہ کریں۔ عورت دورے کی حالت میں ہے۔

میں نے پلٹ کر دیکھا۔ یہ موٹے تازے دکانداروں میں سے ایک تھا۔ اُس نے میرے ہاتھ سے روٹیاں لے لیں۔ اور کہا۔ رات سے یہ عورت مرگی کے مرض میں مبتلا ہے۔ وہ اکثر یونہی گر پڑتی ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ مر گئی ہے۔ اور حقیقت یہ ہے۔ کہ اگر یہ لڑکی نہ ہوتی۔ تو یہ کبھی کی مر گئی ہوتی۔ یہاں سب کی دیکھ بھال کرتی ہے۔ روٹیاں مجھے دیدیں جب اِسکے دورے کا اثر دُور ہو جائیگا۔ یہ ننھی لڑکی اُسے کھلا دیگی“

پھر وُہ ایک لڑکے کیطرف پلٹ کر کہنے لگا۔ ”احمد تھوڑا سا پانی لاؤ!“

ننھی لڑکی نے میری طرف دیکھا۔ اور سر ہلایا۔ گویا وہ دکاندار کے الفاظ کی تصدیق کر رہی ہے۔ اُسکی سیاہ آنکھیں میری آنکھوں سے ملیں اور میں نے اُس بیمار بچّے کی رُوح کو عریاں دیکھ لیا۔

اُس رات میں خانقاہ کے کھلے برآمدہ میں بیٹھی پہاڑوں کی برف سے ڈھکی ہوئی چوٹیاں دیکھتی رہی جو کھجور کے خوبصورت درختوں سے اُوپر اُٹھی ہوئی تھیں۔ اور نیلگوں بحیرہ روم اور آسمان افق پر ایک دوسرے سے بغلگیر ہو رہے تھے۔

شام کا تاروں بھرا آسمان عجب بہار دے رہا تھا۔ دو راہبہ عورتیں سیاہ لباس پہنے برآمدہ میں سے گذریں۔ اسوقت میرا غم سے بُرا حال ہو رہا تھا۔

ایک دمشقی لڑکی نے لمبے سروں میں "اے چاند" گانا شروع کیا۔ اُس کی آواز تیرہ بن کر دل میں پیوست ہوئی جا رہی تھی۔ اسوقت میں نے غربت کی لاعلاج لعنت سے جو زندگی کا ایک جزو ہے اپنا رشتہ توڑ ڈالا۔

میں نے اپنے دل سے کہا "موت ان سب مصائب کا علاج کر دیگی"۔ میرے قلب کے اندر کوئی زبردست گرہ کھُل گئی۔ اس نئے خیال نے میرے دکھیا دل کو مطمئن کر دیا۔ میں نے خیال کیا۔ کہ کبھی اس آسمان کی دوسری طرف رستم اور وہ ننھی عرب لڑکی ہاتھ میں ہاتھ ڈالے چل رہے ہونگے۔ اسوقت ان کی ماؤں بہنوں کو ان کی مدد کی ضرورت نہ ہوگی۔

بنی فہر کی عورت

پانچ منزل نیچے بیرونی دروازہ پر دستک کی آواز نے دوسری مرتبہ گہرسکوت کو توڑا۔ خوف نے دونوں کے اوسان خطا کر دیئے۔ ایک ایسے خوف نے جیسے رات کی تاریک چادر نے گھرا کر دیا تھا۔

آج سے ایک ہفتہ پہلے منصور الاندلسی اور اس کی بیوی سلطے رات کے وقت سایوں میں چھپتے اور چاندنی سے منور بازاروں میں سے بھوت پریت کی طرح بھاگتے ہوئے الجبیرا میں وارد ہوئے تھے اور اس ویران مکان میں پناہ لی تھی۔ انہیں آج تک اتنی بھی جرأت نہیں ہوئی تھی، کہ بوتل میں موم بتی لگا کر روشنی کر لیں۔

پہلے پہل یہ مکان صحرائے اعظم کے تجار کی کارواں سرائے تھا لیکن جب سے ریلوے نے کارواں کا بازار ٹھنڈا کیا۔ یہ بھی ویران پڑا تھا۔ یہ شہر کے کثیف بازاروں کے شور و غل اور مسلمانوں کے قبرستان کی پُر امن خاموشی کے درمیان واقع تھا۔ ایک مہیب مقام تھا جس میں ٹوٹا پھوٹا سامان بکھرا پڑا تھا۔ کوڑا

میں پھٹے پرانے کپڑوں کے انبار لگے تھے۔

گندی اور سیاہ چھتوں میں چمگادڑیں لٹکی ہوتی تھیں۔ اِدھر اُدھر سوراخوں میں سے سانپوں اور بچھوؤں کی آوازیں آتی تھیں۔ اور غلاظت کے ڈھیروں پر مکھیاں بھنبھناتی تھیں۔

عورت بولی "نیستی کی قیامگاہ!"

اُسکے خاوند نے جواب دیا "لیکن بنی حسین کے رحم سے زیادہ محفوظ! وہ ہمارے سروں کو ایک عیسائی قصاب کی مانند خوشی خوشی فرانسیسیوں کے ہاتھ بیچ ڈالیں گے۔"

پھر کہنے لگا۔ "اندر آؤ میں سخت پریشان ہوں اور بھوک سے مرا جاتا ہوں۔"

اُس نے مراکشی سرحد عبور کرنے اور اپنے قرابت داروں کے پاس جو بکریاں چرانے اور پہاڑوں میں غلّہ جمع کرتے تھے۔ بھاگ جانے کے بجائے شہر کے اس کثیف حصّہ میں پناہ لینے کا سبب بیان نہ کیا تھا اُسکی بیوی میں اخفائے راز کا مادہ نہ تھا۔

بیوی کہنے لگی "بچّہ کا خیال رکھنا چاہئے۔ وہ بچہ جو میرے ہاں پیدا ہونے کو ہے۔"

"خدا کرے لڑکا پیدا ہو۔ ایک لڑکا جس سے ہماری نسل باقی رہے۔

اور جو بنی حسین اور فرانسیسیوں کے خلاف نفرت اور جنگ کا سلسلہ جاری رکھے۔ خدا ان دونوں پر عذاب نازل کرے۔"

اُس کا خاوند بنی فہر میں سے تھا۔ اور وہ بھی اسی قبیلہ کی ایک شاخ میں سے تھی جس کی عورتیں بادیہ نشینوں کے قول کے مطابق اتنی نازک اندام تھیں۔ کہ اپنے لباس کا بار بھی بصد مشکل برداشت کر سکتی تھیں۔ خود سر اتنی۔ کہ خود اپنے خیالات سے متفق نہ ہوتی تھیں۔ خود پسند اتنی۔ کہ اپنی سوتی شلواروں کے دھاگے کو ایک پاشا کی ریش کے برابر سمجھتی تھیں۔

آج سے چند ماہ پہلے پانی اور چراگاہ کے حقوق پر ایک تنازعہ ہوا تھا اور سلیمان نے منصور سے

نوجوانوں کے ساتھ جنگی سانڈنیوں پر سوار ہو کر فرانسیسیوں سے جنگ کرنے کو کہا تھا۔ منصور بقول خود خونریزی سے متنفر تھا۔ مگر بیوی کی خواہش سے متاثر ہو کر چل پڑا۔

پہلے پہل تو بنی فہر کامیاب رہے۔ انہوں نے ایک نخلستان کے قریب فرانسیسیوں کے ایک دستہ پر کامیاب چھاپا مارا۔ اور کپتان کے سر کو بکری اور لگڑ بگڑ کے سروں کے ساتھ ایک تھیلے میں سر بمہر کر کے فرانسیسی معسکر میں بھیجدیا جس کے جواب میں فرانسیسیوں نے صحرا کو سیاہ و سفید پیدل اور سوار عساکر سے بھر دیا۔ بدوؤں کے ایک قبیلہ بنی حسین نے فرانسیسیوں کی مدد کی۔ یہ قبیلہ صرف فرانس کا تابع ہی نہیں تھا۔ بلکہ پانچ سو سال سے زیادہ عرصے سے اسمیں اور بنی فہر میں دشمنی چلی آتی تھی۔

بنی حسین فرانسیسیوں کے پیچھے پیچھے آئے تھے جس طرح ایک گیدڑ شکاری شیرنی کے پیچھے پیچھے آتا ہے۔ انہوں نے بنی فہر کے دیہات میں اچھی طرح قتل و غارت کا بازار گرم کیا اور جی بھر کر دل کے حوصلے نکالے۔ وہ اپنے پیچھے جلے ہوئے مکانات اور نعشیں چھوڑ گئے تھے۔ جو دھوپ میں پڑی سڑتی رہیں۔

بچے کھچے بنی فہر ادھر ادھر فرار ہو گئے۔ بعض نے عبادت گاہوں میں پناہ لی۔ بعض صحرا میں سینکڑوں میلوں کا سفر کر کے سوڈان میں جہاں سلطانوی عملداری ہے چلے گئے۔

فرانسیسیوں نے شیخ کو باغی قرار دے دیا۔

جنگ کے اختتام اور قبیلہ کی تباہی و بربادی کے بعد منصور اپنی بیوی کو اپنے پیچھے سوار کر کے چھپا کر نکلا۔ لیکن اثنائے راہ میں اونٹ کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ اب یہ بے بس جوڑا راتوں کو پیدل چلتا اور دن کو کہیں چھپ جاتا۔ یونہی وہ شمال کی طرف سفر کرنے لگے اور الجیریا میں آن پہنچے اور اب پہاڑوں کی طرف جانے کا ارادہ رکھتے تھے۔

منصور نے پیدا ہونے والے بچے کا خیال کر کے کہا " فی الحال الجیریا محفوظ ترین مقام ہے ہزار دو

قبیلوں کے لوگ بازاروں میں پھرتے ہیں۔ کون ہے۔ جو صحرا کے ذرات میں تمیز کر سکے ؛ فرانسیسیوں کو سب یکساں نظر آتے ہیں"۔

ریلوے نے شہر کو مراکشی سرحد سے ملا دیا تھا۔ اسلئے ان کا ارادہ تھا۔ کہ وہ مراکشی قبائل کے اُن لوگوں میں مل کر جو ہر سال غلے سے انگور اور زیتون کے کاشتکاروں کی مدد کرنے کے لئے سفر کرتے ہیں بسراغ لگے بغیر بچ کر نکل جائیں۔ اور اُن کے آنے تک اسی ویران کارواں سرائے میں چھپے رہیں؛

بیرونی دروازہ پر دستک کی آواز نے انہیں حیران کر دیا تھا۔ اسکا مطلب یہ تھا کہ ان کی پوشیدہ نقل و حرکت کا پتہ چل گیا ہے کسی شخص نے تین ہزار فرانک کا انعام حاصل کرنیکے لئے جو فرانس نے منصور کے سر کے لئے مقرر کیا تھا۔ انہیں دھوکا دیا ہے۔

اُنہوں نے سُنا۔ بازار میں فوجی احکام نافذ ہو رہے ہیں"۔ کون جا رہا ہے ؛ ٹھہر جاؤ"۔

"جلدی! جلدی!"

سپاہی تماشائیوں کو جو ادھر اُدھر گندی گلیوں سے نکل کر اکٹھے ہو گئے تھے ہٹانے لگے۔

دونوں میاں بیوی پلنگ کے قریب زمین پر آلتی پالتی مارے بیٹھے تھے۔ نیچے سے آنے والی آوازوں سے خون خشک ہو گیا۔ آواز بتدریج بڑھتی گئی اور دستک کی آواز اب دروازہ ٹوٹنے کی صدائیں تبدیل ہو گئی۔

"خدایا میرے مالک پر رحم کر"۔

دیوار میں ایک آہنی کھڑکی تھی جس میں سے چاندنی اندر آ رہی تھی۔ منصور اُٹھا اور روشنی میں آیا اس کا قد درمیانہ تھا۔ اور اُس نے اونٹ کے بالوں کا لباس پہن رکھا تھا۔ اس کے باریش چہرے سے ایک دلیرانہ بے چینی عیاں تھی۔

شباب کا زمانہ اُس نے ایک اسلامی مدرسے میں جو قرآنی تعلیم کے لئے مشہور تھا گزارا تھا۔ اگر

وہ فطری رحجان طبیعت کا کہا مانتا تو ہاتھ میں دف لئے اشعار گاتا ہوا آوارہ گردی کرتا لیکن اس کے والد کی اچانک موت نے اُسے بنی فہر کا شیخ بنا دیا سلمےٰ سے شادی ہوگئی اور اُس کی خواہش پوری نہ ہو سکی۔

سلمےٰ از حد حسین تھی۔ اور وہ دل و جان سے اُس پر فریفتہ تھا۔ ان حادثات نے اسے ایک چوہے کی طرح پنجرے میں بند کر دیا تھا۔ اُس نے کبھی اپنی بیوی کا الزام نہ دیا اب بھی اُس نے کوئی شکایت نہ کی تھی۔ وہ نہایت ملائم آواز میں کہنے لگا: "خدائے ذوالجلال نے اپنے رحم کے دروازے مجھ پر بند کر دیئے ہیں۔ عظمت والی ہے وہ ذات! میں اب بھی لڑ کر مرنے کو ترجیح دیتا ہوں۔

سلمےٰ سر کو ایک غمزدہ انداز میں جھکا کر کہنے لگی۔ "یہ خواہش خانہ بدوشوں کی روایات کے مطابق ہے۔

بندوق کے کندے سے کھڑکیوں کے شیشوں کے ٹوٹنے کی کرخت آوازیں اُن کے کان میں پہنچیں۔ عورت نے پریشانی میں اپنا منہ دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ لیا۔ اور سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔ "میرے آقا مجھے معاف کر دو۔"

منصور ہنسا۔ اُس کی ہنسی محبت سے لبریز تھی۔ اُس کی قسمت کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ وہ کہنے لگا۔ "میرے اللہ! معجزات کی رات! آج سے پہلے میں نے تمہیں کبھی معافی مانگتے نہیں سُنا!

"آہ تم مجھے تنگ کرتے ہو۔ یہ میرا ہی قصور تھا۔ یہ میں ہی تھی جس نے ....."

"کون ہے جو اس انجام سے بچے جو کاتب تقدیر نے اُسکی پیشانی پر لکھ دیا ہے"؟

وہ پھر بولی۔ "یہ میرا قصور ہے۔ آہ میرا غرور ہی میری مصیبت کا باعث ہے۔"

گو اُس نے اپنے تئیں موردِ الزام ٹھہرایا۔ لیکن اُس کے الفاظ ہی اُسکی معذرت تھے۔ وہ

کہنے لگی۔ اُدھر آؤ۔ وہ تعداد میں تم سے بہت زیادہ ہیں تمہیں چھپ جانا چاہئے"۔

وہ ہنسا۔ "کہاں چھپوں"؟

اُس نے ایک گندے دروازے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ کوٹھڑیاں ہیں..... یہ تمہارے پیچھے والی بہت بڑی ہے۔ کپڑوں میں چھپ جاؤ"۔

"بے فائدہ! اس میں اتنی جگہ بھی تو نہیں۔ کہ کسی پر وار کیا جا سکے۔ میری داڑھی کی ہتک ہوگی میں لڑتے ہوئے جان دونگا۔ اور ایک دشمن کو اپنے ساتھ ملک عدم کو لے جاؤنگا۔

اُس نے دروازے کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔ "جاؤ۔ جاؤ۔ سپاہی سر پر آن پہنچے ہیں اُن کی آوازیں سُنو۔ وہ ہماری باتیں سُن لیں گے۔ وُہ ہمارا ہی گوشت پوست ہیں۔ ہم اور وہ ایک ہی مذہب سے تعلق رکھتے ہیں ان کے کان میں سرگوشی......"

"انہوں نے فرانسیسیوں کا نمک کھایا ہے۔ وُہ فرانس کے ملازم ہیں....."

یہ مجھ پر چھوڑ دو۔ تمہارے لئے یہی ایک موقع ہے"؟

زندگی میں وہ اُس کی ہر بات مانتا رہا تھا۔ تو پھر کیا وجہ ہے۔ کہ موت کی گھڑی میں اُس کا کہا نہ مانے؟

"تم زندہ رہوگے۔ میرے آقا! میں یہ جانتی ہوں۔ خدا را جلدی کرو"!

دروازے کے باہر سے آوازیں آئیں۔ دروازے پر ایک گھونسا پڑا جس کے ساتھ ہی عربی میں کسی نے کہا۔ دروازہ کھولو! تم کون ہو؟ دروازہ کھولو!"

سلمٰے نے منصور کو تاریکی میں دھکیلتے ہوئے وفور محبت سے اس کا بوسہ لیا۔ اور کہا۔ "اللہ تمہاری مدد کرے"۔

اس نے کوٹھڑی کا دروازہ بند کر دیا اور ساتھ ہی منہ کو نقاب سے چھپا لیا۔

"کھولو! کھولو! جمہوریت کے نام پر دروازہ کھول دو!"

دروازہ کُھل گیا۔ ایک شخص نے لیمپ اُونچا کیا۔ روشنی میں بادبیش چہرے۔ وردیاں اور تنی ہوئی بندوقوں کے سیاہ دہانے نظر آئے۔

"ہالٹ!"

"اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دو!"

ایک معمر فرانسیسی آگے بڑھا۔ اُس نے اپنے رُوبرو ایک عورت کو ڈھیلے ڈھالے بنفشی لبادے میں کھڑا پایا۔ اُس کے چہرے کے نقاب اور سر کے رُومال میں سے صرف پیشانی نظر آتی تھی جس پر بنی مہر کا نشان بنا ہوا تھا۔

اُس نے جھک کر اپنا تعارف مسٹر سیویر مجسٹریٹ کے نام سے کرایا۔ اسکے پاس منصور کی گرفتاری کا وارنٹ تھا جس میں اس پر غداری اور بغاوت کا الزام لگایا گیا تھا۔

"میرا خاوند یہاں نہیں ہے۔ مہربانی کر کے یہاں سے چلے جائیں"۔

"تم جھوٹ بول رہی ہو، ابھی آدھ گھنٹہ ہوا۔ اُسے اس مکان میں داخل ہوتے دیکھا گیا ہے۔"

سلمیٰ نے کہا۔ "وہ یہاں نہیں۔ میں رسول اللہؐ کی قسم کھا کر کہتی ہوں۔ کہ وُہ یہاں نہیں ہے"۔

میں عربوں کو جانتا ہوں۔ اُن کے لئے عیسائیوں کے سامنے قسم کھانا کوئی اہمیت نہیں رکھتا دوسرے میں نے دروازے کے باہر کھڑے ہو کر آوازیں سنی ہیں۔ اس لئے....."

اُس نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا "میں خدا سے فریاد کر رہی تھی"۔

"اچھا!"

"میں فرانسیسیوں پر لعنت بھیج رہی تھی۔ میں خدا سے درخواست کر رہی تھی کہ ان کا خون پانی کی طرح بہائے۔ اور اُن کی عورتوں کو خچروں کی طرح بانجھ کر دے"۔

عربی سپاہیوں کی ایک خفیف ہنسی نے اُس کی ہمت بڑھا دی۔ اس نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا "للہ یہاں سے چلے جائیں۔ یہ جرم ہے۔ ایک مرد کے لئے زیبا نہیں۔ کہ یہاں بلند آواز سے بولے اور ایک عورت سے جھگڑے۔"

"لیکن دیکھو"

"جناب مجھے جو کچھ کہنا تھا۔ کہہ چکی۔ اب میں کچھ نہ کہونگی۔"

وہ بڑے سکون سے مُڑی۔ اور اُس کوٹھری کے دروازے سے پیٹھ لگا کر کھڑی ہو گئی جس میں اُس کا خاوند پوشیدہ تھا۔

فرانسیسی مجسٹریٹ نے آہ بھری۔ وُہ دل ہی دل میں اس نڈر عورت کی تعریف کر رہا تھا۔ وہ لفٹننٹ کی طرف متوجہ ہوا۔ اور اُسے تلاش جاری رکھنے کو کہا۔

چند سپاہی مجسٹریٹ کے پیچھے ہو لئے۔ اور مراکشی محرابوں میں تلاش کرنے لگے۔ مشعلیں روشن کی گئیں۔ ان کی روشنی نے تاریکی کے برقعہ کو چاک کر دیا اور اِدھر اُدھر بھاری بوٹوں کی آہٹ اور دروازوں کے کھلنے اور بند ہونے کی آوازیں آنے لگیں۔

ایک مرتبہ پھر لفٹننٹ وہلیر پر نمودار ہوا اور اُن تین سپاہیوں سے جو سلیمے کے پاس کھڑے تھے کہنے لگا "آگے بڑھو۔ یاد رکھو۔ اُس شخص کے لئے تین ہزار فرانک انعام ہے۔ جو منصور کو گرفتار کرے۔ زندہ یا مُردہ۔"

سپاہیوں نے سلام کیا۔ وہ پلنگ کے نیچے خستہ و خراب میزوں کے پیچھے۔ اور بڑے بڑے منقش صندوقوں کے اندر دیکھنے میں مشغول ہو گئے تیسرا سلیمے کے پاس پہنچا۔

جب وہ آگے بڑھا۔ تو سلیمے نے اُسے ایک ایسی آواز میں جو دوسرے نہ سُن سکتے تھے مخاطب کر کے کہا "فرانسیسی ایک مسلم کے سر کے لئے تین ہزار فرانک دیتے ہیں لیکن ایک ہی سر زمین

کے فرزندوں کے نزدیک بنین یا تین ہزار فرانک کیا حقیقت رکھتے ہیں"؟

اور اُس نے اُس کی آستین کو اس طرح چھُوا جس طرح ایک بدّو دوسرے کے خیمہ کی رسی کو اماں طلب کرتے وقت چھوتا ہے۔

"دیکھو میں تمہارے خیمہ میں آگئی ہوں۔ اے ابن آدم"

جواب میں وہ شخص پست آواز میں ہنسا اور قریب پہنچکر اپنی پیشانی سے رُمال ہٹا دیا۔ سلمےٰ نے اُس پر بنی حسین کا نشان دیکھ لیا۔ اور ساتھ ہی اُس شخص کو پہچان بھی لیا۔

"زید ابن رشید!"

"ہاں زید ابن رشید! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں تم سے بچ نہیں سکتا۔ اے دلوں کو پامال کرنے والی! نہیں۔ نہیں تم بھی مجھ سے بچ نہیں سکتیں"

سلمےٰ کی نگاہیں اسکے چہرے پر گڑ گئیں لیکن دراصل وُہ گذشتہ واقعات کا مطالعہ کر رہی تھیں۔ اُسوقت اُسے ایک واقعہ یاد آگیا۔ جو اُس کی اور منصور کی شادی سے کچھ عرصہ پہلے پیش آیا تھا۔ چونکہ وہ والدین کی اکلوتی بیٹی تھی۔ اسلئے اپنے ریوڑ کو نخلستان میں لے جانے کا کام بھی اُسی کے سپرد تھا۔ ایک دن صبح کے وقت جب وہ چٹانوں میں سے گزر رہی تھی۔ ایک شخص آگے بڑھ کر اور اس کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ اور ایک بارعب آواز میں کہنے لگا "اے دلوں کو پامال کرنے والی"۔

اُس نے سلمےٰ کو کندھے سے پکڑ لیا۔ اُس نے اپنے تئیں چھڑانے کی بہت جدوجہد کی۔ وُہ کہنے لگا "تم بنی فہر میں سے ہو۔ اور میں بنی حسین میں سے ہوں! ایک تنازعہ کی کیا حقیقت ہے جب کہ دو حسین عرب یوں ہو کر ایک دوسرے کے بالمقابل کھڑا ہوں۔ اور محبت جواب دے رہی ہو"

پھر وہ اپنے قبیلہ کا ایک عروسی گیت گا کر اُسے اپنے خیمے کی طرف کھینچنے لگا۔ بنی فہر کے تین نوجوان چند گم شدہ اونٹوں کی تلاش سے واپس آ رہے تھے۔ اُنھوں نے گیت اور عورت کی چیخ پکار

کوسُن لیا۔ اور زید کو پکڑ کر خوب مارا۔ وُہ اسے گینڈے کی چھڑیوں سے مارتے جاتے تھے۔ اور سلمےٰ زمین پر پڑے ہوئے زید کے گرد رقص کرتی۔ اور اُسے اپنے ننھے ننھے پاؤں سے ٹھوکر مار کر پوچھتی جاتی تھی۔ "سناؤ اب تمہارے عروسی گیت کا کیا حال ہے" ؟

اس واقعہ کو سات سال کی طویل مدّت گزر چکی تھی۔ آج زید ابن رشید فرانسیسی لشکر میں سارجنٹ تھا۔ اُس نے ایک طنز آمیز ہنسی میں پھر آہستہ سے کہا۔ "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں تم سے بچ نہیں سکتا اور تم مجھ سے بچ نہیں سکتیں۔ اے دلوں کو پامال کرنے والی"۔

وہ پیچھے ہٹی اور اُسکی پیٹھ اُس دروازے کے ساتھ جا لگی جس کے پیچھے اُس کا خاوند پناہ گزین تھا۔ اُس نے بے اختیار ہو کر اپنے دونوں بازو دروازے کے ساتھ پھیلا دیئے۔

دونوں فرانسیسی افسر بے سود تلاش کے بعد واپس آتے۔ سپاہی اُنکے پیچھے پیچھے تھے۔ مجسٹریٹ بولا۔ "ہمارا پرندہ ہماری تدبیر کے باوجود قفس سے اُڑ گیا ہے"۔

پھر سپاہیوں سے کہنے لگا۔ "تم نے اچھی طرح دیکھا ہے" ؟

"ہاں حضور"۔

افسر نے زید ابن رشید کی طرف دیکھا اور سلمےٰ کی پشت پر جو دروازہ تھا۔ اُسکی طرف اشارہ کرکے پوچھا۔ "اس کوٹھڑی کو بھی دیکھا" ؟

وہ رک گیا۔ اُس نے سلمےٰ کی آنکھیں دیکھ لی تھیں۔ اور اُسے از حد افسوس تھا۔ پھر اس نے اپنے شانے ہلائے۔ وُہ بے بس تھا۔ کیونکہ وہ فرانس کا ملازم تھا۔

"سارجنٹ کیا تم نے یہ کوٹھڑی دیکھی ہے" ؟

"صرف یہی ایک ایسی جگہ ہے۔ جو میں نے نہیں دیکھی"۔

"تو پھر دیکھو۔ تم کس شیطان کے منتظر ہو" ؟

سپاہی ایک قطار میں کھڑے ہو گئے۔ ان کی بندوقیں دروازے کی طرف تن گئیں سلمےٰ کو مجبوراً ہٹنا پڑا۔ اسکی آنکھیں زید کی آنکھوں سے ملیں۔ وہ کہہ رہی تھیں "اے ابن آدم مجھے معاف کر دے اے انسان مجھ پر رحم کر! تجھے میرے پیٹ والے بچے کی زندگی کی قسم ـــــ رحم کر! کیا دونوں مسلمان اور عرب نہیں ہیں؟ دیکھ میری طرف دیکھ! خدا کے لئے۔ رسول صلعم کے لئے۔ عیسےٰ بن مریم کی محبت کے لئے مجھ پر رحم کر!"

لفٹننٹ بے صبری سے چلایا۔ سارجنٹ آگے بڑھو"۔

ایک سپاہی بولا۔ ذرا ہوشیار رہنا۔ کہیں باغی اندر نہ ہو۔ یہ خانہ بدوش عرب مکرو فریب کے پتلے ہوتے ہیں"۔

"میں خود مکر و فریب سے لبریز ہوں"۔

پھر اس نے سلمےٰ سے کہا۔ اللہ پر بھروسہ رکھو"۔

وہ کوٹھڑی کی تاریکی میں گھس گیا۔ سلمےٰ بے دم منتظر کھڑی رہی۔ اُسکے نازک قلب میں اُمید اور ناامیدی ایک دوسرے پر فتح پانے کے لئے برسر پیکار تھے۔

زید ابن رشید باہر آیا۔ وہ تنہا تھا۔ اس نے دروازہ بند کر کے لفٹننٹ سے کہا"۔ کوئی زندہ شے اندر نہیں ہے"۔

سلمےٰ مسرت سے جھومی۔ زید نے اس کا بازو چھو کر آہستہ سے کہا"۔ فرانسیسی تمہارے خاوند کے سر کے عوض تین ہزار فرانک دیتے ہیں۔ ایک ہی سرزمین کے فرزندوں کے لئے سونا کیا حقیقت رکھتا ہے۔ بنی فہر اور بنی حسین کے لئے؟"

سپاہی اپنے کیلوں والے بھاری بوٹوں کے ساتھ شکستہ سیڑھیوں سے اُتر گئے بیرونی دروازہ زور سے بند ہوا۔

وہ وفور شوق سے چلائی۔ "باہر آجاؤ میرے آقا! فرانسیسی چلے گئے ہیں"۔

کوئی جواب نہ آیا۔

اس نے ذرا بلند آواز سے کہا۔ "باہر آؤ!"

وہی خاموشی! اُسے کچھ تشویش ہوئی۔ وہ شمع کی طرف دوڑی۔ اُسے جلایا۔ اور کوٹھڑی کا دروازہ کھولا۔

زید ابن رشید نے سچ کہا تھا۔ کوئی زندہ شے اندر نہ تھی۔ وہاں ایک مُردہ انسان پڑا تھا۔ منصور الاندلسی! اُس کا گلا سنگین کی ضرب سے کٹا ہوا تھا۔

سلمیٰ چیخ کر زمین پر گر پڑی۔

لیکن وہ ایک مسلم عورت تھی۔ بدوی عورت! قسمت ایک اندھی اونٹنی ہے جو چُپ چاپ جرس کی آواز کے بغیر تاریکی میں آجاتی ہے۔ وہ کہنے لگی "قسمت کا لکھا اٹل ہے"!

آخر وہ اٹھی۔ اور کھڑکی کے پاس جا کر جنوب کی سمت صحرا کی طرف دیکھنے لگی۔

بنی فہر کی نسل ابھی بالکل ختم نہ ہوئی تھی۔ ابھی اسکی قسمت پر تباہی کی مہر نہ لگی تھی۔ ابھی ایک جان دنیا میں آنے والی تھی۔ اُسکے پیٹ میں بچہ تھا۔

وہ کہنے لگی۔ "اے خدائے رحیم۔ وہ جوان ہو۔ شہزور ہو۔ اپنے دشمنوں پر رحم نہ کرے۔ خدا کرے اُسے ایک طاقتور زوجہ نصیب ہو۔ اور اُسکی اولاد پھلے پھولے۔

عجلت کی کیا ضرورت تھی۔ صحرا کی قدامت میں وقت کی کوئی حیثیت نہیں مگر انتقام کا دن آئیگا۔ اور ضرور آئیگا۔ فرانسیسیوں سے انتقام لینے کا دن! بنی حسین سے انتقام لینے کا دن!

اُس نے منصور کی تلوار اٹھائی۔ وہ شمع کی روشنی میں چمکی۔ اگر اللہ نے چاہا تو اسکا بچہ ایک نہ ایک دن ضرور اُسے دشمنوں کے خلاف اُٹھائے گا۔

مسلمانوں کے اس شہر میں کسی نہ کسی جگہ ضرور کوئی رحمدل مسلم ہوگا۔ جو اُسکے خاوند کی تجہیز و تکفین کا انتظام کر دیگا۔ اور اُسے بچہ کی پیدائش تک جائے پناہ دیگا۔

آنسو پونچھ کر بنی فہر کی نڈر عورت بازار میں آئی۔ صبح کا وقت تھا۔ اور آفتاب طلوع ہو کر دنیا کو منور کر رہا تھا۔ اُس نے ایک سفید ریش معزز عرب کو جو راستہ میں سے گزر رہا تھا۔ روک لیا۔ اور بولی "یا سیدی میں آپ کی پناہ میں آنا چاہتی ہوں"

مقدس سانپ

۱

بوڑھے کتھک لوردون نے تالی بجا کر سازندوں کو اشارہ کیا، اور لڑکیوں کے طائفہ کی طرف دیکھ کر کہا "کلائیطیس شروع کرو۔"

ایک نازک حسین لڑکی جس نے آسمانی کُرتی اور سفید سایہ پہن رکھا تھا مُسکراتی اور اپنے سیاہ بالوں کو ہوا میں لہراتی ہوئی کمرے کے چمکدار فرش پر آگے بڑھی۔ اسکے سامنے شہزادہ مینوس بیٹھا تھا۔ جو اپنے مصاحبوں کے ساتھ بوڑھے لوردن کی رقاصہ لڑکیوں کی وہ تعلیم دیکھنے آیا تھا۔ جو وہ ماد تمام کے تیوہار کے لئے لے رہی تھیں۔

لوردن خود اسجگہ کھڑا تھا جہاں سے وہ کلائیطیس اور شہزادہ کو بخوبی دیکھ سکتا تھا۔ یہ لڑکی اُسکی منظورِ نظر تھی۔ وہ ایک پرندے کی مانند چالاک، حسین اور نازک تھی۔ اسکی آنکھیں دلکش اور

شرملی تھیں، اور اس کے چہرے سے شوخی عیاں تھی۔ بوڑھے لوروِن نے کہا۔ "ذرا خیال سے"۔

کلاِنطبس نے اس کا منہ بنایا۔ بانسریوں اور بربطوں نے رقص کے اداس سُر نکالے اور لڑکی اپنے ہاتھ اوپر اُٹھا کر پاؤں کے بل کھڑی ہوگئی۔ اس کی دونوں ٹانگیں ملی ہوئی تھیں اور وہ حالتِ وجد میں اِدھر اُدھر جھوم رہی تھی۔ لوروِن نے کہا۔ "شاباش"۔

اب اس نے اپنے پاؤں کے سفید تلووں کو چمکدار فرش پر مارتے ہوئے رقص کرنا شروع کیا، اور ایسا ناچی کہ سب نقشِ حیرت بن گئے۔ تھوڑی دیر بعد وہ ہانپ گئی اور پسینہ پسینہ ہوگئی۔ اس کے معطر جسم کی خوشبو پھولوں کی سی تھی۔ اسکی آنکھیں تھکی ہوئی اور شرارت آمیز تھیں۔

دوسری لڑکیاں اُسے بغور دیکھ رہی تھیں، اور ان میں بعض موسیقی کی لَے پر آہستہ آہستہ جھوم رہی تھیں کبھی کبھی ان میں سے کوئی ایک دل سوز باریک آہ بھرتی تھی۔ بانسریوں کی آواز اور رقاصہ کے جسم کی حرکات سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ محبت زندگی کی آغوش میں محوِ خواب ہے۔ یکایک بوڑھا کہنے لگا۔ "بس"۔

کلاِنطبس نے چکر لگایا اور کھڑی ہوگئی۔ وہ ہانپ رہی تھی اور مسرور تھی، اس کی آنکھیں شہزادے کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ شہزادہ مینوس مسکرایا۔ اس نے بہت سی تیتریاں اور پرندے دیکھے تھے۔ یہ لڑکی بھی ایک خوبصورت تیتری کی مانند تھی۔ شہزادے کے مصاحبوں نے اسکی بہت تعریف کی۔ کلاِنطبس لڑکیوں کے طائفہ کی طرف بھاگی۔ سارے جزیرۂ قریطش میں اُس جیسی کوئی رقاصہ نہ تھی مینوس نے لوروِن کو اشارے سے بلایا۔ وہ قریب آکر پوچھنے لگا۔ "میرے آقا کیا آپ خوش ہیں؟"

"ہاں لیکن اُس نئی رقاصہ کا کیا حال ہے جو جزیرہ تھرہ سے آئی ہے؟"

لوروِن نے کندھے ہلا کر کہا۔ "حضور دو دن ہوئے آپ نے اس کا رقص ملاحظہ فرمایا تھا"۔

"لوروِن اس میں کوئی کشش نہیں۔ تاہم ——"

"اس کی طبیعت کچھ ناسازسی ہے۔"

"لیکن وُہ تو غمزدہ بیٹھی اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے باہر دیکھ رہی ہے۔ ایک بیمار لڑکی کو تو اپنے کمرے میں رہنا چاہیئے۔"

"میرے آقا یہ کوئی جسمانی بیماری نہیں۔ شاید وہ کسی کی محبت میں گرفتار ہو۔ اُس آدمی کی محبت میں جسے وُہ پیچھے چھوڑ آئی ہے۔"

شہزادے نے کہا" اُسے رقص کا حکم دو میں فیصلہ کرونگا۔"

لوردن کمرے کے وسط میں پہنچا۔ اور اس لڑکی کی طرف دیکھنے لگا، جو باہر کی ایک چوکی پر بیٹھی تھی۔ یہ ایک نازک بدن لڑکی تھی۔ اُس کا چہرہ زردی مائل اور غمگین تھا۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ اور اسکے ہونٹ گلاب کی پتیوں کی مانند تھے۔ وہ باہر سمندر کی طرف ٹکٹکی لگائے دریائے یاس میں غرق تھی، اسکے سفید ہاتھ گھٹنوں پر پڑے تھے۔ اس کے کندھے ڈھیلے اور گول تھے، اس کا جسم ایک باریک قرمزی کرتی اور سفید انگیا میں کمزور اور مُردہ معلوم ہوتا تھا۔ اس کے گھٹنے آپس میں ملے ہوئے تھے۔ لوردن نے سخت لہجہ میں کہا۔" سادنیا"۔

لڑکی نے اسکی طرف پُر راز آنکھوں سے دیکھا، وُہ سیاہ اور نفرت سے لبریز تھیں! ان میں ایک دردِ نہاں تھا، لوردن نے کہا" ناچو"

وُہ اٹھی اور فرش کو دیکھتی ہوئی آہستہ سے آگے بڑھی۔ اس کے کمزور اور ڈھیلے ڈھالے جسم میں اب بھی خوبصورتی کی طرف اشارہ تھا، جو کملا گئی تھی لیکن مردہ نہ تھی۔ لوردن اس کے قریب آگیا۔ وہ مہربان تھا۔ حالانکہ اُس کی زبان بڑی سخت تھی۔ اُس نے کہا" میری بچی یہ شہزادہ کی خواہش ہے۔"

اُس نے جواب دیا" میں نہیں ناچ سکتی میرے جسم میں دل ہی نہیں جو میں ناچوں۔"

"تو تم ہمارے پاس عشق لے کر آئی ہو۔ شہزادہ کو خوش کرنا آسان بات نہیں، اُسے ضرور

خوش کرو۔"

وہ کہنے لگی۔"اچھا میں ناچتی ہوں، لیکن اُس راگ کے ساتھ جو میں خود منتخب کروں۔ اُس بانسری والے کو میرے پاس بھیج دو۔" لوردن نے اسے اشارے سے بلا کر کہا" لو اب اپنا راگ منتخب کرلو۔"

اُس نے پوچھا" بانسری والے کیا تو "مردہ چاند" کا راگ جانتا ہے۔"

اُس نے جواب دیا" ہاں میں جانتا ہوں۔"

" تو شروع کرو میں ناچونگی۔"

بانسری والے نے وہی راگ شروع کیا۔ سارنیا نے آنکھیں بند کرلیں اور ایک اندھی کی طرح ناچنے لگی جس کی رُوح عذاب میں مبتلا ہو۔ اُس کی حرکات عجیب تھیں۔ وُہ ایک نازک پتنے کی مانند اِدھر اُدھر اُڑتی پھرتی تھی۔ بعض دفعہ وہ ایک لمحہ کے لئے ٹھہر جاتی اور وجد میں آکر اس قدر جھومتی کہ دیکھنے والوں کو یہی گمان ہوتا کہ اب وہ گرا ہی چاہتی ہے۔ اس کا چہرہ زرد ہوتا جاتا تھا۔ اس کے ہونٹ سفید ہو گئے تھے۔ کلاتیس نے جو بدگمانی سے اُس کی طرف بغور دیکھ رہی تھی۔ اُس کی نقلیں اُتار کر ہنسنا شروع کیا۔ شہزادہ مینوس بھی پُرشوق نگاہوں سے سارنیا کو دیکھ رہا تھا۔ اس لئے وروں نے کہا" خاموش۔"

کسی نے شہزادے کے پاس سے کہا" یہ تو ایک بیمار پرندے کی مانند ہے۔"

شہزادے نے کہا" سرہیدن کیا تم اسکے ناچنے سے کسی نتیجہ پر نہیں پہنچے؟"

" حضور بالکل نہیں، سوائے اسکے کہ اسے شراب پی کر سونا اور اپنے تمام اعضا پر تیل ملنا چاہئے۔"

" تو پھر اسے بٹھا دینا چاہئے؟"

اُس نے لوردن کی طرف اشارہ کیا جس نے کہا" سارنیا بس" لڑکی نے آنکھیں کھولیں! وہ ایک بے معنی نگاہ سے اپنے اردگرد دیکھا۔ اور پھر کُرسی کی طرف چلی گئی جس پر وہ پہلے بیٹھی تھی

مینوس نے لوروں کو اپنے قریب بلا کر کہا "یہ لڑکی ایک قابل قدر رقاصہ ہے۔ اس کیلئے کوئی نیا عاشق پیدا کرو، اور پھر دیکھو یہ کیا غضب ڈھاتی ہے۔"

۲

نوجوان بہت پیاسا تھا۔ وہ بڑی دور سے آیا تھا۔ اُس کی چمڑے کی جوتیاں اور کتان کی پٹیاں جو اُس نے ٹانگوں سے لپیٹ رکھی تھیں۔ گرد سے اٹی ہوتی تھیں۔ وہ عمدہ کتان کا ایک کمربند اور کُرتا پہنے تھا۔ ایک بادامی فرغل اُس کے کندھے سے لٹکا رکھی تھی، اور اُس کے دائیں ہاتھ میں ایک برچھی تھی۔"

سرو کے درختوں کے ایک کنج کے سایہ میں ایک بوڑھی عورت بیٹھی تھی، جو اپنی بکریوں کی نگہداشت کر رہی تھی۔ اس کے پاس ہی زمین پر مٹی کا ایک گھڑا تھا۔ کیونکہ وہ گندمی رنگ والے، ملاحوں اور سیاہ بالوں والی لڑکیوں کو دودھ دے چکی تھی، جو ساحل سے شہر کو آتے ہوئے اس کے سامنے سے گزرے تھے۔ عورت بڑی بوڑھی تھی۔ اس کے چہرے پر جھریاں تھیں اور اس کی ٹھوڑی پر تھوڑے تھوڑے سے بال تھے۔ لیکن اس کی آنکھیں اس عورت کی مانند چمکیلی اور شرارت آمیز تھیں جو اپنے عالمِ شباب میں نازنین رہی ہو۔

نوجوان نے اس کے قریب جا کر کہا "اماں، میں پیاسا ہوں کیا تم مجھے دودھ کا ایک پیالہ مول دو گی؟"

اُس نے نوجوان کی طرف بغور دیکھا اور حیران ہوئی، کیونکہ وہ ایک اجنبی تھا، اور ایسا کوئی آدمی آج صبح وہاں سے نہ گذرا تھا۔ اس کا گندمی چہرہ چمک رہا تھا۔ وہ ایک سرو کی مانند لمبا اور حسین تھا۔ اس کی آنکھیں خوبصورت تھیں اور بال گھنے اور گھنگریالے تھے۔ بوڑھی نے اسکی طرف دیکھ کر کہا "لو بیٹا، میں ابھی دیتی ہوں۔"

وہ ایک پھولدار پیالہ اُٹھا لائی اور اس میں دودھ ڈال کر نوجوان کو دیا، اور کہا "بیٹا کیا تم نووارد ہو؟"

وُہ مسکرایا اور آدھا پیالہ چڑھا گیا۔ اس کے دانت دودھ کی مانند سفید تھے اس نے کہا "ہاں اماں میں نووارد ہوں اور یہی وجہ ہے کہ میں بہت پیاسا ہوں"۔

وہ کہنے لگی "آج نوواردوں کا دن ہے۔ ماہِ تمام کا دن ہے"۔

پھر کہنے لگی "کیا تم جہاز میں آئے ہو؟"

"ہاں جزیرہ ستھرہ سے"۔

بڑھیا نے پیالہ واپس لیکر اُسے دوبارہ بھرتے ہوئے کہا "ہاں تم ستھرہ کے رہنے والے ہو، اور شہزادہ مینوسس کے محل کو جا رہے ہو"۔

"اماں تم تو خوب پہچان لیتی ہو"۔

"بیٹا، میں جو کچھ دیکھتی ہوں، پہچان لیتی ہوں، میرے بچے جس راستے سے آئے ہو واپس چلے جاؤ اور اپنے خوبصورت سر کو شہزادے کے دروازے سے باہر رکھو"۔

نوجوان نے اسکی طرف نگاہ استفسار سے دیکھ کر کہا "کیوں؟"

"کیا تمہارے ہاں عورتیں نہیں ہیں؟"

"اماں بہت ہیں"۔

"تو پھر عورتوں نے تمہیں یہاں کیوں آنے دیا"۔

وہ اپنی برچھی زمین پر گاڑ کر بیٹھ گیا۔ پھر مسکرا کر کہنے لگا "میں بھاگ کر آیا ہوں، میرا نام الجیس ہے میں پہلوان ہوں اور چوری سے بھاگ کر آیا ہوں صرف ایک ۔۔۔"

اس نے بات کاٹ کر کہا "ایک عورت کے لئے"۔

"کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ تم خوب پہچان لیتی ہو"

بوڑھی عورت نے پھر اسے سمجھایا اور کہا۔ "او خوبصورت نوجوان شہر یہ۔ کاش میں جوان ہوتی شاید تمہیں ایک بڑھیا کے منہ سے اس کی جوانی کے حالات سننا ناگوار ہوں۔ اتم دونوں شمع و پروانہ ہو۔ ہاں تو لڑکی وہاں ہے!"

اُس نے پہاڑی کی طرف اشارہ کیا جس پر شہزادہ مینوس کا محل واقع تھا۔ ارکیس نے سر ہلا کر کہا "ہاں سارنیا زقاعمہ۔ اب جبکہ تمہیں سب کچھ معلوم ہو گیا ہے تو میں بھی تمہیں سارا واقعہ سنائے دیتا ہوں۔ میرے آقا والیئے ستھرہ نے اسے بطور خراج شہزادہ مینوس کی خدمت میں روانہ کیا۔ اور اُسے روانہ کرنے میں اس نے اپنے بہادر پہلوان ارکیس کو کھو دیا۔"

"اور اب اسی کی محبت میں تم بہار کے مہینہ میں ماہ تمام کے دن مینوس کے محل میں داخل ہو گے سانپوں کی دیوی کو بھی ایک سال سے کوئی عاشق نہیں ملا۔"

ارکیس نے اسکی طرف حیرت سے دیکھ کر پوچھا۔ "یہ تم نے کیا کہا؟"

اُس نے کہا "میرے بیٹے۔ یہاں کے مندر کی راہبہ گلافطس آج کے دن اس شخص کو منتخب کرتی ہے، جسے دیوی کا دولہا بننا ہوتا ہے۔ اگر میں گلافطس ہوتی تو ضرور تمہیں منتخب کرتی۔" ارکیس نے ہنسکر پوچھا۔ "پھر کیا ہوتا؟"

"تمہاری دعوت کی جاتی، تمہیں شراب پلائی جاتی، اور تمہیں بہت سی خوشبوئیں اور پھول دیئے جاتے، پھر تمہیں عبادت گاہ میں لے جایا جاتا، اور اے میرے بیٹے وہاں تمہیں مقدس سانپ ڈستے اور تم مر جاتے۔ مجھے اب بھی شک ہے کہ کہیں گلافطس تمہیں منتخب نہ کرے۔"

اسکے چہرے پر مُردنی چھا گئی۔ اس نے ترچھی نظر سے بڑھیا کی طرف دیکھا۔ "تم حیران تو ہوتے ہو گے کہ میں نے تمہیں سچ سچ کیوں بتلا دیا؟ میرے بیٹے جب تم یہاں آئے اور تم نے خود کو نوواردِ

ظاہر کیا، تو مجھے تمہاری جوانی پر بڑا ترس آیا"

وہ آگے جھکا اور اسکے گھٹنے پکڑ کر کہنے لگا "مگر میں اپنی محبوبہ سے ملے بغیر واپس چلا جاؤں. تو پھر تمہیں میری جوانی پر ترس آئیگا یا نہیں؟"

وہ اسکے سر پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگی "کاش میں جوان ہوتی! اور وہ عورت! ہاں وہ ایک شعلہ ہے جو تمہیں جلا رہا ہے! جاؤ میرے دیوانے! اور اسکے نازک سفید چہرے پر بوسہ دو!"

(۳)

سارنیا اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑی تھی۔ یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جس میں اسکے علاوہ دو اور رقاصہ لڑکیاں ارائیدن اور سپائر رہتی تھیں، اس کمرے کی کھڑکیوں اور دروازوں پر کتان کے قرمزی پردے پڑے تھے، جن سے سورج کی روشنی چھن چھن کر اندر آتی تھی، ارائیدن کہنے لگی "بوڑن ہمیں بلا رہا ہے"۔

سارنیا نے اپنے کمزور کندھے ہلا کر درشتی سے کہا "میں نہیں آتی، میں نے اس سے کہہ نہیں دیا کہ میں ان لوگوں میں سے کسی کے لیے کبھی نہ ناچونگی"۔

سپائر نے کہا۔ "پیاری بہن میں نے بوڑن کو تم سی لڑکیوں کی پیٹھ پر کوڑا استعمال کرتے دیکھا ہے"۔

"اسے کرنے دو مگر وہ ایک مرتبہ سے زیادہ نہ استعمال کر سکیگا"۔

ارائیدن دوڑتی ہوئی نیچے اتر گئی۔ سارنیا نے اپنی ہتھیلیاں سفید ٹھوڑی کے نیچے رکھ لیں اور بازار میں ہجوم کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا۔ اس کی عریاں کلائیاں جو ایک دوسری سے ملی تھیں۔ بہت پتلی تھیں لیکن سانچے میں ڈھلی تھیں۔ اُس عورت کی کلائیاں جو ایک شکاری باز کی مانند تیز اور شعلے کی مانند تند تھیں۔ اسکی بڑی بڑی دلربا آنکھیں برہم اور ناخوش تھیں۔ اس کا چہرہ

وبلاد کھائی دیتا تھا۔ اس نے کہا "میں کوئی وحشی درندہ تو نہیں کہ مجھے کوڑے سے ڈرایا دھمکایا جائے میرے پاس اس ہجوم کو بہلانے کے لئے کوئی نخرے نہیں"۔

اور یہ ہجوم کس قسم کا تھا، گندمی رنگ والی لڑکیوں، عورتوں، بچوں اور مردوں کا ہجوم جو شراب کے نشے، سورج کی روشنی اور بہار کی مسرت سے مخمور تھا۔ لوگ کنواروں کی مانند ادھر ادھر ناچتے تھے۔ ہنستے تھے اور دیوانہ وار پھول برساتے تھے۔ وہ ایک دوسرے کو دھکے دیتے چیختے چلاتے محبت ظاہر کرتے اور بوسہ بازی کرتے تھے۔ تمام ایوان اور پیشگاہیں ان سے پٹی پڑی تھیں، بعض باغوں میں پڑے تھے بعض سروکے تنوں کے گرد رقص کر رہے تھے۔ سارینا اپنے آپ سے کہنے لگی "میرا کوئی عاشق نہیں، اور میں نہ ناچونگی"۔

بوڑھا لوردن کمرے میں داخل ہوا، وہ سیڑھیوں پر چڑھتے چڑھتے بے دم ہو گیا تھا۔ وہ غضبناک ہو رہا تھا۔ اس نے سختی سے کہا۔ "ہاں تو تم ہمیں یوں تنگ کر رہی ہو، سارا جلوس انتظار کر رہا ہے"۔

اس نے جواب دیا "میں بیمار ہوں میں رقص نہیں کر سکتی"۔

لوردن نے اُسے طعنے دینا شروع کئے۔ یہ وہ ہتھیار تھا، جو وہ ایک ناراض عورت پر استعمال کیا کرتا تھا۔ اس نے کہنا شروع کیا "ہم سوچ رہے ہیں، کہ والئے متھرہ نے ہم سے دھوکا کیا ہے اس نے ایک بکری بھیجدی ہے اور سارینا جو اصل رقاصہ ہے اس نے اپنے پاس رکھ لی ہے"۔

اس نے جواب دیا "جو آپ کے جی میں آئے کہئے جناب"۔

"ایک گائے، ایک نوجوان بچھیا، کلائیٹیس اور ارائیدن کے مقابلے کے ناقابل"۔

سارینا نے اپنے کندھے ہلا کر کہا "یہ کہیں کہ میں بدصورت ہوں، میرے پاؤں ہاتھی کے سے ہیں! اس سے ہوگا کیا؟"

"آہ میں تمہیں اور کیونکر سمجھاؤں اسنو —— تم ——"

لیکن سارینا کسی اور طرف متوجہ تھی، اس کا چہرہ شگفتہ ہو رہا تھا وہ آگے جھک گئی۔ اس کے دونوں ہاتھ کھڑکی کی پتھریلی دہلیز پر پڑے تھے، اس کا سر پیچھے گرا تھا۔ اسکی آنکھیں کسی کی تلاش میں تھیں، اسکا سارا جسم کانپ رہا تھا، اسکا سانس تیزی سے آ رہا تھا اور ہر سانس پر اسکے خوبصورت نتھنے پھول جاتے تھے۔

لوروان حیرت زدہ کھڑا تھا۔ اس نے سارینا کو پاؤں کے بل کھڑے ہو کر آگے جھکتے دیکھا، اسکی چھاتی کھڑکی کی دہلیز سے ملی ہوئی تھی، اسکے سیاہ بال اسکی کرتی کی قرمزی آستینوں سے اور اسکے سفید بازوؤں پر پڑ رہے تھے۔ اس نے تیزی سے کہا "ٹھیرو۔"

اس نے ابھی ابھی ایک نوجوان کو دیکھا تھا۔ جو اپنا راستہ ہجوم میں سے بناتا ہوا اس سفید ستون کے سامنے کھڑا ہو گیا تھا۔ جو "ایوانِ عشاق" کے وسط میں تھا۔ تین چار شریر لڑکیاں اُسکے گرد جمع ہو گئیں، جو چڑیوں کی طرح چہچہاتی، تالیاں بجاتی اور اسکے چہرے پر پھول مارتی تھیں۔ وُہ بیچارہ ان کی طرف دیکھ کر مسکرا دیتا تھا اور سر ہلا دیتا تھا، لیکن اسکی آنکھیں تلاش میں مشغول تھیں اس عاشق کی آنکھوں کی مانند جو اپنی محبوبہ کی تلاش میں ہو۔

سارینا پلٹ کر دروازے کی طرف گئی اُسکی آنکھیں چمک رہی تھیں اور اسکے چہرے کا دبلا پن جاتا رہا تھا، وہ کہنے لگی۔ "لوروان میں تمہاری خاطر ناچونگی۔"

وہ دوڑتی ہوئی سیڑھیوں سے اُتری، اس کے بازو کھلے تھے اور وہ ایک وحشی ہرنی کی مانند کودتی جاتی تھی۔

—— (۴) ——

جب سارینا ایوانِ عشاق میں آئی۔ تو اور بھی بہت سی شریر لڑکیاں نوجوان کے گرد

جمع ہو چکی تھیں۔ بوڑھے لوروں کی رقاصہ لڑکیاں بھی شغل میں شامل ہو گئی تھیں۔ یہ نوجوان شخص خوبصورت تھا اور اپنا سر اس طریقہ سے اوپر اٹھائے تھا جو ایک عورت کو چیلنج دیتا تھا۔ وہ ہال اپنا کندھا سفید ستون کے ساتھ لگائے کھڑا تھا۔ اس کی آنکھیں حیران تھیں اور کسی کی تلاش میں مشغول"۔

کسی نے اسکے چہرے پر ایک پھول مارا، یہ مکارانہ سرخ چہرے والی فوبی تھی جو چلتے وقت اپنے نازک ہاتھوں سے ہوا کو کاٹتی تھی۔ نوجوان نے پھول پکڑ لیا، سونگھا، اور زمین پر پھینک کر مسکرا دیا۔ دوسری لڑکیوں نے چلانا اور فوبی کا خاکہ اڑانا شروع کر دیا۔ "فوبی! فوبی کو خوب جواب ملا"۔

"کیسی گستاخی ہے!"

"قابلِ محبت گستاخی!"

"کیوں صاحب کیا آپ ہمارے سب پھول یونہی زمین پر پھینکتے جائیں گے"؟

اس نے کوئی جواب نہ دیا، انہوں نے چھوٹے چھوٹے کنکر مارنے شروع کئے، وہ ہنسا اور اپنے مضبوط ہاتھوں سے چہرے کو ڈھانپ لیا، اونکیس جو اپنے نازک جسم، سیاہ آنکھوں اور پتلے ہونٹوں کے سبب مشہور تھی۔ اپنے دونوں بازو بے پرواہ دار پھیلائے کھڑی تھی۔ کلونس اسکی طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھی، ارکبیس بھی اس کی طرف دیکھ کر مسکراتا تھا جس طرح ایک لڑکا بلی کے شریر بچوں کو دیکھ کر مسکراتا ہے"۔

اچانک اس کی پریشانی کافور ہو گئی، اسکی نظر لڑکیوں کے طائفہ پر پڑی، اور اسکے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔ "سارینا"

اسوقت اُسے سوائے سارینا کے اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔ سارینا اپنے خوبصورت چہرے اور پرشوق آنکھوں سے، سارینا اپنے قرمزی لباس میں جلوہ آرا، سارینا جسکے سفید ہاتھ اور پاؤں

ناچتے وقت حیرت انگیز معلوم ہوتے تھے اس نے کلورس اور فوبی کو دھکا دے کر ایک طرف ہٹا دیا۔ رد کر دیا۔ اور کندھے مار مار کر ہجوم میں راستہ بنانے لگا جس طرح ایک تیراک سفید جھاگ میں سے نکل کر صاف پانی میں آتا ہو"۔

بوڑھے لوروان نے ان دونوں کو آپس میں ملتے دیکھا۔ اور ان کے شوقِ ملاقات سے وہ بہت محظوظ ہوا، یہ جوانی تھی جو خود کو جوانی میں کھو رہی تھی۔ آگ اور ہوا آپس میں مل رہے تھے!

وہ ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے حیرت زدہ نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ سارینا نے پوچھا "پیارے ارکیس تم سے ملے ایک سال ہوا یا ایک مہینہ"؟

"صرف سات دن"؟

"اس سے زیادہ نہیں"؟

پھر کہنے لگی، "میں نہیں ناچونگی، وہ مجھے زبردستی مجبور نہیں کر سکتے"۔

وہ جھک گیا اور سارینا کے دونوں ہاتھ پکڑ کر پہلے اس کی انگلیوں کو اور پھر گرم اور ملائم ہتھیلیوں کو چومنے لگا۔ سارینا نے بھی اپنے ہاتھ اسکے ہونٹوں سے لگے رہنے دیئے۔ اس کا چہرہ تبدیل ہو گیا تھا۔ اور وہ مسرت سے جھوم رہی تھی۔ اس نے کہا "پیارے ارکیس! لیکن یہ تو بتاؤ تم کیونکر آئے"؟

وہ سیدھا کھڑا ہو گیا، اس کی آنکھیں شرابِ محبت سے لبریز تھیں، وہ کہنے لگا "میں جہاز میں سوار ہو کر یہاں بھاگ آیا ہوں"۔

وہ کہنے لگی۔ "اچھا میں آج تمہاری خاطر رقص کرونگی، اور ایسا کہ آج تک میں نہیں ناچی، میں شہزادے اور تمام لوگوں کے دلوں کو موہ لونگی۔ آہ آج کیسا بہترین دن ہے"!

اس نے سارینا کو آغوش میں لے لیا۔ اور کہنے لگا "میں بھی تمہاری محبت کے لئے لوگوں کو ٹپک ٹپک کر میدان مار لونگا۔ سارینا سارے قریطش میں کوئی آدمی میرے مقابلے کے لائق نہیں"!

بوڑھا لوردان ایک سُر گنگناتا ہوا عشاق کی جانب آہستہ آہستہ آرہا تھا۔ اس نے کہا "میرے بچو ناراض نہ ہونا، ناچ ابھی شروع ہونے والا ہے۔"

اُس نے تالی بجاکر اپنی لکڑی کی سیٹی سے ایک تیز آواز نکالی۔ تمام رقاصہ لڑکیاں دوڑتی ہوئی اس کے گرد جمع ہوگئیں۔ لوردان ان سب کو دیکھ کر مسکرایا اور کہنے لگا۔ "کلا ایطبس آج تم رقص پروانہ کرنا۔"

کلا ایطبیس اس فقرے سے ناخوش معلوم ہوتی تھی۔ وہ کہنے لگی۔ "اوہ رقص خاص" کون کرے گی؟ میں تو تھک جاؤنگی۔"

لوردان نے ظریفانہ لہجہ میں کہا "سارینا"

یہ سُن کر تمام لڑکیاں کہنے لگیں "سارینا! ضرور! اس نے ہمیں کیا کرکے دکھایا ہے؟"

لوردان نے کہا۔ "وہ اس رقص کو چار چاند لگادے گی۔"

سارینا ایک طرف کھڑی حقارت سے مسکرا رہی تھی۔ اُس نے ارکیس کی طرف تیز نگاہوں سے دیکھا۔ اور ہاتھ سے کچھ اشارہ کیا جس کا مطلب تھا کہ خاموش رہو۔ اس نے اپنے رخسار اسکے کندھے سے لگاکر کہا۔ "وہ بدگمان ہو جائیں گے، لیکن وہ زبان سے ایک لفظ بھی نہیں نکال سکتے۔ تم میری طرف دیکھتے رہنا، اور میں ناچونگی، تم ایوانِ رسوم میں قربانگاہ کے نزدیک ٹھہرنا۔ اگر دربان تم سے پوچھیں کہ تم ایوان میں کیوں کھڑے ہو، تو تم جواب دینا کہ "میں میلو پہلوان سے کشتی لڑنے اور اسکا تاج چھیننے آیا ہوں۔"

اس نے اسکے سیاہ بال چوم کر کہا "اور وہ تاج تم پہننا۔"

لوردان زور سے اپنی سیٹی بجاکر اپنا دایاں بازو ہلا رہا تھا۔ اس نے کہا۔ "بس اپنی اپنی جگہ پر چلی جاؤ جلوس شیریوں کے احاطے میں تیار ہو رہا ہے۔"

رقاصہ لڑکیوں میں سے بعض نے کہا۔ "ہم سارینا کے ساتھ مل کر ناچنے کو تیار نہیں۔"

لوردون نے جواب دیا تو وہ اکیلی ناچیگی! اگر سارینا ناچی اور لوگوں نے اسکے رقص میں دلچسپی نہ لی۔ تو کیا کلا ئیطیس اور فوبی اُس کی جگہ نہ ناچیں گی، بیوقوفو اپنے دل کو بدگمانی کی آگ سے کیوں جلاتی ہو۔"

اس نے سارینا کو اشارے سے بلا کر کہا۔ "ادھر آؤ ——— تم سب سے آگے چلو۔"

اس نے ارکیس کا کندھا چوم کر کہا۔ "میرا پیارا مجھے مل گیا ہے۔ میں اب ضرور بالضرور ناچونگی"

۵

"ایوانِ سوم" ایک وسیع جگہ تھی جسکے چاروں طرف سنگ مرمر کی دیواریں تھیں اس میں ایک قربان گاہ اور ایک اکھاڑا تھا جس میں پہلوان کشتی لڑتے تھے، اکھاڑہ کے پاس ہی ایک چھوٹا سا احاطہ تھا جس میں سانڈ کی لڑائی ہوتی تھی۔ قربان گاہ کے گرد چمکدار پتھر کا فرش تھا۔ اور یہی وہ جگہ تھی جہاں رقص ہوتا تھا۔ جہاں لوردون کی رقاصہ لڑکیوں کے نازک قدم پڑتے تھے۔ ان دیواروں کے ساتھ ساتھ لکڑی کی نشستیں بنی تھیں جن پر اسقدر لوگ بیٹھے تھے کہ تل رکھنے کو جگہ نہ تھی۔ ان کے قریب ہی پتھر کی نشستوں کی دو قطاریں تھیں جو قرطیش کے امرا کے لئے مخصوص تھیں اور جن پر سفید گدیلے رکھے تھے۔ ان کے درمیان ایک برج کی مانند شاہی نشست تھی، اس پر ایک ارغوانی شامیانہ تھا۔ اس سے اوپر لکڑی کی ایک خوبصورت عمارت تھی۔ جو ایک عبادت گاہ کی مانند نظر آتی تھی۔

ارکیس کو دروازے پر روک لیا گیا۔ وہاں "میر سوم" اپنے محافظوں کے ساتھ کھڑا تھا جو ایک سانولا، خوبصورت ضعیف آدمی تھا، اور جو امیرانہ پوشاک پہنے ہوئے تھا۔ اس نے ارکیس کو پیچھے ہٹا کر پوچھا۔ "دوست تم کون ہو؟"

"ارکیس پہلوان"

"میر سوم" نے اسکی طرف بغور دیکھ کر کہا۔ "ہم نے تمہاری شہرت تو سُنی ہے، کیا تم جزیرہ ستھرہ

سے آئے ہو؟"

ارکیس اسکی طرف دیکھ کر مسکرایا اور کہنے لگا "ہاں جناب مجھے مشہور پہلوان میلو کے ساتھ چھوڑیں اور میں آپ کو نا امید نہ کروں گا۔"

مہر رسوم نے کہا "تم خواہشمند ہو؟"

پھر اپنی کاپی پر کچھ لکھ کر کہنے لگا "ارکیس گزر جاؤ، ٹھیرو۔ اسے لنگوٹ دے دو۔ قربانگاہ کے پاس انتظار کرو۔ وہاں میلو بھی بیٹھا ہو گا۔"

ایک سانڈ احاطے میں چھوڑا گیا، اور ہجوم اپنی نشستوں پر کھڑے ہو کر اسکی لڑائی دیکھنے لگا۔ یہ ایک ایسا ہجوم تھا۔ جو ہنستا تھا، زندہ دل تھا۔ ایک بانسری کی آواز بار رقاصہ کے جسم کی حرکات کو اور اچھے پہلوانوں کو اور لوگوں کے حسن کو پسند کرتا تھا۔ لوگ لڑائی دیکھ رہے تھے۔ بازیگر اس سدھائے ہوئے حیوان کی پیٹھ پر کودتے۔ قلابازیاں لگاتے اور اسکے سینگوں سے لٹک جاتے تھے۔

ارکیس بھی ایک طرف کھڑا ان کھیلوں کو دیکھ رہا تھا۔ لیکن اسکی آنکھیں سارینا کی تلاش میں مشغول تھیں۔ ہجوم نے چلا کر کہنا شروع کیا "بس، بس، اب ہمیں میلو کی کشتی یا لڑکیوں کا رقص دکھاؤ۔"

ارکیس قربان گاہ کی جانب بڑھا، عورتیں اسکی طرف پرشوق نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں اور اسکی طرف انگلیاں اٹھاتی تھیں۔ کیونکہ اس کا جسم بڑا مضبوط اور بہت خوبصورت تھا لیکن وہ ایسے ہجوموں کی کچھ پروا نہ کرتا تھا۔ وہ ان باتوں سے بخوبی واقف تھا۔

اس نے "ایوان رسوم" کے اس سرے پر سارینا کے قرمزی لباس کی جھلک دیکھی۔ لوون کی رقاصہ لڑکیاں شہزادہ مینوس کے بالاخانے کے نیچے جمع تھیں۔ سازندے اپنے ساز ملا رہے تھے۔ اور چند لڑکیاں اپنے جسم کو کھول لینے کے لئے ادھر ادھر ناچتی اور کودتی پھرتی تھیں۔ کلاتیس اور فوبی ایک طرف منہ بنائے کھڑی تھیں۔ سارینا بھی ایک طرف بے حس و حرکت کھڑی تھی۔ آج وہ غیر معمولی خوبصورت

معلوم ہوتی تھی۔ اسکا چہرہ سُرخ اور اسکی آنکھوں میں ایک قسم کی چمک تھی"۔

وہ اربکیس کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔ اس نے دونوں باہیں اس کی طرف پھیلا دیں۔ اربکیس قربانگاہ کی طرف ہٹ گیا۔ وہاں ایک کرسی پر ایک بھدا سا آدمی بیٹھا تھا۔ ایک موٹا تازہ سنگین سر والا انسان جسکے کندھوں پر چیتے کی کھال تھی، اسکا منہ بدنما اور ناک چپٹی تھی، چوڑے نتھنے اور مہیب آنکھیں تھیں یہ میلو پہلوان تھا۔

اس نے آہستہ سے اربکیس کو ظریفانہ طریق سے سر سے پاؤں تک دیکھا اور بڑے غرور سے کہنے لگا۔ "گندمی رنگ والے تسلیم"۔

"تسلیم چیتے کی کھال والے، کیا بات ہے کہ ہم یہاں اکیلے نظر آتے ہیں؟"

میلو نے کہا۔ "بچے اس کا بھی ایک سبب ہے۔ میں ہر دلعزیز نہیں ہوں۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میلو کو آج کوئی خوراک نہیں ملے گی"۔

اربکیس نے اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اور اپنی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "یہ خوراک مضبوط ہے۔ گو نوجوان ہے"۔

میلو نے گھور کر کہا "مضبوط خوراک کو زد و کوب کرنے کی ضرورت ہے، تاکہ وہ نرم اور ملائم ہو جائے"۔

بانسریاں بج رہی تھیں، اور لوردن اپنی رقاصہ لڑکیوں کو آراستہ کر رہا تھا۔ سینکڑوں نگاہیں ساربنا پر لگی تھیں۔ مرد و زن ایک دوسرے کیطرف اشارہ کر کے بتاتے تھے، اور اسکی شہرت پر بحث کرتے اور اسکے عیوب نکالتے تھے"۔

"وہ دیکھو کلا ئطیس وہ سارے طائفہ میں سے بہترین ناچنے والی ہے۔"

"اور وہ ہے فوبی، بھئی وہ تو مجھے دے دو"۔

ایک دُبلے پتلے ملّاح نے کہا "میں ہمیشہ اونکیس کی محبت میں گرفتار رہا ہوں"۔

"ارے وہ تو بہت موٹی ہے"؟

ملّاح نے کہا "میرے لئے نہیں لیکن وہ قرمزی لباس والی لڑکی کون ہے۔ وہ لڑکی جو ایک شیرنی کی مانند پنجہ مارتی معلوم ہوتی ہے"؟

"ساربنا نئی رقاصہ جو جزیرہ ستھرہ سے آئی ہے"۔

بہت سے مرد ساربنا کو تاڑ رہے تھے۔ اسکی خاموشی، اسکا علیحدہ کھڑا ہونا، اسکا دلکش حسن، اسکی بڑی بڑی ہوشربا آنکھیں انہیں حیرت میں ڈال رہی تھیں حتیٰ کہ میوس بھی اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ گویا اُسے اور کسی رقاصہ کی پروا نہیں میلو نے اپنا باریک ہونٹ چاٹتے ہوئے کہا۔ "واہ! وُہ شعلہ ہے! ایک مرد کو جلا دینے والا شعلہ"!

اریکیس نے غضبناک نگاہوں سے اسکی طرف دیکھ کر کہا "ہاں ایک مقدس شعلہ اور تمہارے جیسے ہاتھوں سے چھُوئے جانے کے ناقابل"!

بانسریوں نے ایک عجیب اور لطیف ترانہ شروع کیا۔ اور بوڑھے لوردن نے تالی بجا کر کہا "کلائیطیس"۔

یہ "رقص پروانہ" تھا اور کلائیطیس اپنے آسمانی لباس میں پھڑپھڑا رہی تھی لیکن وُہ بہت بدمزاج ہو رہی تھی، اور اس میں ایک رقاصہ کی سی سرگرمی نہ تھی۔ وہ اس رقص میں کوئی مسرت و دلچسپی نہیں لے رہی تھی۔

لوردن نے اس حقیقت کو تاڑ لیا اور کہا "بس"

پھر اپنے کندھے ہلا کر شہزادہ کی طرف دیکھنے لگا جس نے ساربنا کی طرف اشارہ کیا، لوردن نے ہاتھ ہلائے، اور سازندوں نے جو اسے بغور دیکھ رہے تھے۔ "رقص خاص" کا راگ شروع کیا، ایک

لمحہ کے لئے سارینا بالکل بے حس و حرکت کھڑی رہی، اسکی باہیں کھلی تھیں اور وہ محبت بھری نگاہوں سے ارکیس کی طرف دیکھ رہی، موسیقی دلکش، مدہم اور غمگین تھی، اس میں ابھی تک کوئی سرگرمی نہ تھی۔

اچانک سارینا نے اپنے جسم کو جھٹکا دے کر رقص کرنا شروع کیا۔ وہ ایک چھوٹے سے لکہ ابر یا شعلے کی مانند حرکت کر رہی تھی۔ اس کی آنکھیں نیم وا اور اسکا سر اسقدر پیچھے گرا ہوا تھا۔ کہ اسکا سفید براق گلا صاف دکھائی دیتا تھا۔ وہ عورت کے بھیس میں مسرت تھی۔

لوگ اسے بغور دیکھ رہے تھے اور خاموش تھے۔ لورڈن مسکرا رہا تھا اور اس کی ہر حرکت پر تڑپ جاتا تھا۔ سارینا کے پہلو میں اس وقت ایک عورت کا دل تھا۔ جو مسرت سے اچھل رہا تھا۔ وہ اپنے اعضاء اور اپنے جسم کی حرکات پر اور پرُمعنی چہرے کے حسن سے ایک عورت کی ساری واردات قلب بتا رہی تھی۔

موسیقی کی لے کے ساتھ وہ بھی تیز ہو گئی تھی اور حیرت انگیز سرعت سے ناچ رہی تھی، وہ جھومتی تھی، مسرور تھی اور خوشی کی دلکش حرکات سے ہوا پر لیٹتی ہوئی دکھائی دیتی تھی۔ اس کی بڑی بڑی آنکھیں، اس کے جسم کا ہر عضو، محبت اور شوق سے لبریز تھا۔ اس کے بازوؤں کی سانپ جیسی حرکت میں، اس کے نازک ہاتھوں میں، اس کے خوبصورت سینہ میں، اس کے سفید گلے میں محبت ہی محبت تھی۔ وہ ارکیس کی طرف دیکھ رہی تھی، وہ ارکیس جو اسکے دل و جان کا مالک تھا وہ ارکیس جسکے لئے وہ رقص کر رہی تھی۔

سازندوں نے ایک آخری سُر نکالا، سارینا نے ایک چکر لگایا، اور خاموش کھڑی ہو گئی، اس کی باہیں کھلی اور اسکا چہرہ سیب کے مانند سرخ تھا۔ وہ اپنی کامیابی کی خوشی سے کانپ رہی تھی۔ لوگ سمندر کی موجوں کی طرح اُٹھے، اور چلا چلا کر اس پر پھولوں کی بارش کرنے لگے، سارینا

نے ان کا دل موہ لیا تھا۔

ارکیس قربانگاہ کے پاس گھٹنوں کے بل بیٹھا سارنیا کو سلام کر رہا تھا۔ گویا وہ ایک دیوی تھی جس کی وہ پرستش کر رہا تھا۔ وہ ابھی تک بیٹھا ہی تھا، کہ اس نے ایک آدمی کو سارنیا کی طرف بے تحاشا دوڑتے دیکھا جس نے چیتے کی کھال پہن رکھی تھی۔ یہ میلو پہلوان تھا، وہ سارنیا پر جھپٹا، اور اپنے بازو اسکے جسم کے گرد لپیٹ دیئے اور اُسے اُٹھا کر سر سے بلند کر لیا۔ سارنیا کا چہرہ آسمان کی طرف تھا اور سیاہ بال ہوا میں لہرا رہے تھے میلو نے چلا کر کہا۔ "انعام! شہزادہ صاحب ایک انعام! میں اس کا دعویدار ہوں!"

۶

ہجوم نے چلانا شروع کیا "میلو! میلو! وہ میلو کی رفیقہ ہے!"

ہر طرف خاموشی چھا گئی۔ ایک نوجوان کود کر آگے بڑھا اور ایک غضبناک دیوتا کی مانند میلو پر جھپٹا۔ یہ ارکیس تھا۔ اس نے میلو کو گلے سے پکڑ لیا اور جونہی میلو کے بازو ڈھیلے ہوئے اور کمزور ہوئے اس نے سارنیا کو ان کی گرفت سے علیحدہ کر کے ایک طرف ہٹا دیا اور کہا "مجھے اس سے محبت ہے اور یہ میری ہے۔"

سارینا نے کہا۔ "اسے نیچا دکھاؤ۔ ورنہ میں مر جاؤنگی۔"

ارکیس فوراً پلٹ کر میلو کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ وہ میلو جسکا کسی نے بھی ایسی دلیری سے مقابلہ نہ کیا تھا۔ ارکیس نے کہا "او چربی کے پہاڑ، یہ میری ہے۔"

میلو ہنسا۔ ہجوم نے چلا کر کہا۔ "انہیں اسکے لئے لڑنے دو۔"

عورتوں نے ایک دوسرے سے جھپٹ کر اور دونوں طرف اشارہ کر کے چلانا شروع کیا۔

"انہیں لڑنے دو۔ انہیں لڑنے دو!"

لیکن وہ اسوقت بھی لڑ رہے تھے۔ جب عورتیں چلا رہی تھیں۔ نہ تو انہوں نے رسم کا انتظار کیا، نہ شہزادے سے اجازت لی، اور نہ "میر رسوم" کی آواز ہی سُنی، وہ پتھر کے اس چمکدار پتھر پر لڑ رہے تھے۔ جہاں سارینا ناچی تھی، وہ سارینا جسے حاصل کرنے کے لئے دونوں لڑ رہے تھے۔

ہجوم خاموش تھا۔ یہ ایک سانڈ اور چیتے کی لڑائی تھی، میلو جھجک گیا۔ اس نے اپنا سر اپنے کندھوں سے لگانا شروع کیا۔ وہ شیخی بگھارا کرتا تھا، کہ وہ ایک ہی گھونسے سے اپنے حریف کو لنگڑا کر دیتا ہے، وہ گھونسوں کی کچھ پروا نہیں کرتا، اور انہیں ایک چٹان کی طرح برداشت کرتا ہے۔

لیکن یہ نوجوان اسکے لئے ایک غیر معمولی انسان تھا۔ ایک چھپا ہوا شعلہ، ایک چیتا، ایک گندمی نوجوان جو بہت شہ زور اور چالاک تھا، ارکیس بالکل مطمئن تھا۔ وہ میلو جیسے کئی پہلوانوں سے لڑ چکا تھا جو مار کھاتے جاتے اور پیٹنے کا نام نہیں لیتے۔

ارکیس بڑی مکاری اور چالاکی سے وار کرتا تھا۔ وہ ایسے گھونسے رسید کر رہا تھا جو روکنے مشکل تھے۔ میلو نے غصے سے ارکیس کو گھونسہ رسید کیا۔ جو ہوا میں خالی گیا۔ جسکے ساتھ ہی ارکیس نے اُس کی پسلیوں میں ایک زبردست گھونسہ رسید کیا، وہ غضبناک ہو کر ارکیس کو کچلنے کے لئے آگے بڑھا، لیکن وہ کمال پھرتی سے بچ گیا۔ عورتوں نے چلا چلا کر کہنا شروع کیا۔ "وہ ایسا اچھا لڑتا ہے۔ جیسا سارینا ناچتی ہے"۔

ارکیس پھر جھپٹا، اور میلو کو حیرت انگیز طریقہ سے مارا، پھر پیچھے ہٹا اور ایک تیز جست سے اسکا گلا پکڑ لیا، میلو کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔

سارینا مسکرائی، اس کی آنکھوں سے خوف رخصت ہو چکا تھا میلو اور اسکی طاقت کا خوف۔ اگلے گھونسے سے میلو گر پڑا اور بُری طرح زخمی ہوا۔ وہ اُٹھ کر اپنی پوری طاقت سے ایک

بھیڑیے کی مانند جھپٹا لیکن ارکیس اس عمدگی سے بچا جس طرح دھواں شکنجے سے۔ لوگ کہنے لگے "وہ تو اسے چھو بھی نہیں سکتا۔"

"یہ تو ایسا ہے، جیسے ایک سانڈ کسی سایہ کو اچھالنے کی کوشش کرے۔"

اب ارکیس پھر جھپٹا، میلو کی طاقت جواب دے چکی تھی۔ وہ ایک بلند چٹان کی مانند کھڑا تھا کا سر نیچے گرا ہوا تھا۔ ارکیس پوری طاقت سے مار رہا تھا، وہ مار کھا رہا تھا اور جواب نہ دیتا تھا۔ یکایک چٹان لرزی اور میلو گر پڑا۔ ہجوم نے چلّانا شروع کیا۔ عورتوں کی آوازیں ارکیس کی جانب تھیں۔

"نوجوان ہی جیتا۔"

"سارینا اس کی ہے۔"

سارینا دوڑ کر گئی اور اپنی باہیں ارکیس کے گلے میں ڈالدیں دونوں لپٹ گئے اور مردوں نے ارکیس پر اور عورتوں نے سارینا پر رشک کیا۔

۵

فتح و مسرت کی اس مبارک گھڑی میں ایک قرنا کی آواز آئی اور عظیم الشان ہجوم خاموش ہو گیا۔ سب لوگوں پر موت کی سی خاموشی طاری ہو گئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی دیوتا نے انہیں پتھر بنا کر ان کے جوش و خروش کو خاموشی میں تبدیل کر دیا ہے، کوئی زن و مرد حرکت نہ کرتا تھا۔ یہاں تک کہ شہزادہ مینوس بھی اپنی کرسی پر خاموش بیٹھا تھا۔ رقاصہ لڑکیوں کا طائفہ تصویر بنا کھڑا تھا۔ میلو جہاں گرا تھا۔ وہیں پڑا تھا۔ اور ارکیس اور سارینا ایک دوسرے کی آغوش میں تھے۔

ایک دفعہ پھر قرنا کی آواز آئی، ابھی تک خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ بہار آگئی تھی، بزرگ

دلوی زمین پر اُتر آئی تھی۔ اسکی عبادت گاہ کے دروازے کھلے اور ان میں ایک عورت نمودار ہوئی جسکے سر پر سونے کی ٹوپی تھی۔ وہ ارغوانی رنگ کا ایک شاندار لباس پہنے تھی جس پر ایک پیٹی تھی جو قیمتی جواہرات سے مرصع تھی۔ ایک سانپ اسکے کندھے پر کنڈلی مارے بیٹھا تھا اور اس کا سر عورت کے سینہ کے درمیان لہرا رہا تھا۔

یہ راہبہ گلانطس تھی۔ ماہ تمام اور بہار کی بزرگ خاتون، ایک زرد آنکھوں اور خوبصورت لیکن شیطانی چہرہ والی عورت، اس کی آنکھیں پُر نفرت اور کسی چیز کی بھوکی معلوم ہوتی تھیں۔ اسکے نتھنے ہل رہے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا، کہ وہ تمام دنیا اور اسکے باشندوں کو اس حمکیدار اور بھوکی شیرنی کی طرح دیکھتی ہے جسکی آنکھیں کسی شکار کی تلاش میں ہوں۔

تمام لوگ اسکے روبرو جھک گئے، لیکن ذرا نفرت سے۔ کیونکہ وہ محبت والفت کی نگاہوں سے نہ دیکھی جاتی تھی۔ وہ بہت ظالم جابر پُر نفرت اور پُراسرار عورت تھی۔ جس کی روح تاریک تھی۔

سارینا نے اپنا سر ارکیس کے کندھے سے لگا دیا۔ دونوں عورتوں کی آنکھیں چار ہوئیں۔

سارینا کانپی، اور ارکیس سے چمٹ گئی اور کہنے لگی "میرے پیارے اپنا چہرہ چھپا لو"۔

اس نے سارینا کی طرف دیکھ کر کہا "تم کس چیز سے خوف کھا رہی ہو؟"

معاً اُسے بکریوں والی بڑھیا کے الفاظ یاد آئے اور اسے اپنے دل کی حرکت بند ہوتے دکھائی دی۔ گلانطس اپنی زرد آنکھوں سے اسکی طرف اس طرح دیکھ رہی تھی جس طرح شیرنی اپنے شکار کو تاڑتی ہے۔

وہ حیرت زدہ اور بے یار و مددگار کھڑا تھا۔ سارینا کا گرم جسم اس سے لپٹا تھا، کہ گلانطس نے چھڑی اُٹھا کر ارکیس کی طرف اشارہ کیا۔ سانپ جو اسکے کندھے پر بیٹھا تھا پھنکارنے لگا۔ وہ

کہنے لگی۔ "دیوی کے منظورِ نظر میری طرف دیکھ ——— دیوی کے دولہا!"

تمام لوگوں کی نگاہیں ارکیس اور سارینا کی طرف اُٹھ گئیں، عاشق و معشوق جدا ہو رہے تھے۔ عورتوں کے منہ سے رحم کے کلمات نکل رہے تھے۔ لوگوں نے بڑبڑانا شروع کیا۔ گلانطس کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے۔ اس نے چھڑی اُٹھا کر کہا۔ "کون ہے جو مقدس قربانی کے خلاف ایک لفظ بھی زبان سے نکالے؟ سپاہیو اسے لے چلو۔"

سارینا نے گلانطس کی طرف غضب آلود نگاہوں سے دیکھا، وہ ارکیس کو چھوڑ کر مینوس کے بالاخانے کی طرف دوڑی، اسکی آنکھیں شعلہ زن اور باہیں کھلی تھیں۔ اس نے کہا۔ "اے شہزادہ مینوس! وہ میرا ہے، اس کی قربانی کو رد کردو۔"

لیکن مینوس کے چہرے نے اسے تسلی نہ دی۔ یہ قریطش کا قانون تھا اور وہ اسے تبدیل نہ کرسکتا تھا۔ اس نے اپنی خوبصورت باہیں اس کی طرف پھیلا کر کہا۔ "میں صرف رحم کی التجا کرتی ہوں، وہ موت کے منہ میں جا رہا ہے، اور وہ میرا ہے۔"

اس نے ارکیس کی آواز سنی، جو سپاہیوں سے جھگڑ رہا تھا۔ اس نے سارینا کی طرف ہاتھ پھیلا کر کہا۔ "سارینا! سارینا!"

وہ ایک رنجیدہ، پردرد اور مایوس چہرے سے اس کی طرف بھاگی، اس کا ہاتھ پکڑ کر ہونٹوں سے لگالیا اور چوم کر کہا۔ "آہ میرے پیارے۔"

سپاہیوں نے اسے دور ہٹا دیا، وہ قربان گاہ کے پاس گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی، اور دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا لیا۔

بعض عورتیں رو رو کر کہہ رہی تھیں۔ "وہ دعا مانگ رہی ہے۔"

"ایک زخمی پروں والا پرندہ۔"

لیکن سارینا دعائیں مانگ رہی تھی، اسکی محبت کا شعلہ بھڑک اٹھا تھا جس نے اس میں نسوانی فریب و دغا کو روشن کر دیا تھا۔ اس نے گلانطس کی طرف دیکھا ——— ظالم۔ بدکار، اس کے حسن اور طاقت سے جلنے والی، ایک ایسی عورت جس کا مقابلہ فریب سے کیا جائے!

ہجوم ابھی تک سارینا کو بغور دیکھ رہا تھا۔ اس نے اپنے چہرے سے ہاتھ اُٹھائے، وہ اٹھی اور لڑکھڑاتی ہوئی عبادت گاہ کی طرف گئی۔ جہاں گلانطس اپنی کرسی پر متمکن تھی۔ سارینا مقدس ہالا کے نیچے گھٹنوں کے بل جھک گئی، اور اسقدر جھکی کہ اس کے سیاہ بال پتھروں سے چھونے لگے، اس نے کہا۔ "اے بزرگ خاتون! میرا گناہ بخشدے۔ میرے غرور کو خاک میں نہ ملا۔"

گلانطس اس کی طرف دیکھ کر حقارت سے مسکرائی اور کہنے لگی۔ "دیوی تمہارے لئے کوئی اور عاشق تلاش کر دے گی۔"

سارینا کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے اور وہ خاموش تھی۔

۸

سارینا کھڑکی میں کھڑی تھی۔ اس کا رنگ زرد تھا اور وہ اپنے چہرے کو دونوں ہاتھوں سے تھامے خیالات میں غرق تھی۔ ماہ تمام سیاہ آسمان میں سفر کر رہا تھا جس کی ٹھنڈی چاندنی سے مینوس کا عظیم الشان محل منور تھا۔ شمال کی جانب پہاڑیوں کے اُس طرف افق پر سمندر ایک سیمیں خط میں ختم ہوتا تھا۔ محل میں ہر طرف خاموشی طاری تھی۔ دعوتیں اور جلسے ختم ہو چکے تھے، اور لوگ خاموش سو رہے تھے۔

لیکن ارائیدان جاگتی تھی، وہ دیوار کے ساتھ سہارا لگائے بیٹھی تھی۔ وہ تمام لڑکیوں سے زیادہ شریف، شرمیلی، حلیم الطبع، رحمدل اور بہت متاثر ہو جانے والی لڑکی تھی۔ وہ گھنٹوں سے چپ چاپ سارینا کو بغور دیکھ رہی تھی، اور اس کا دل شفقت سے لبریز تھا لیکن سیاہ خواب مدہوش میں

مشغول تھی، سارینا کی اداس بیداری نے ارائیدن کو مفتوں کر لیا تھا۔ وہ چاند کی روشنی میں ایک بے حس و حرکت خاموش تصویر تھی، اور زبان سے کوئی لفظ نہ نکالتی تھی۔

ارائیدن اس خاموشی کو زیادہ دیر تک برداشت نہ کر سکی۔ وہ سارینا کے پاس جا کر اسے تسلی دینا اور اسے مشفق اور مہربان ہاتھوں سے چھونا چاہتی تھی۔ وہ چپکے سے اٹھی، اور ایک ننھی چوہیا کی طرح سارینا کی خاموشی میں مخل ہوئی۔ وہ کہنے لگی "سارینا"

سارینا چونکی، لیکن بغیر دیکھے کہنے لگی "تم اسوقت تک کیوں جاگ رہی ہو؟"

ارائیدن نے اپنی باہیں اسکے گلے میں ڈال کر کہا "تمہیں دیکھ کر مجھے نیند نہیں آتی"

"آہستہ بولو، ارائیدن تم دوسری لڑکیوں سے بالکل مختلف ہو"

"سارینا میں بھی محبت میں گرفتار ہوں، لیکن میرا پیارا میرے پاس ہے۔ اس لئے مجھے تم پر رحم آتا ہے"

سارینا کانپ کر کہنے لگی "تین دن تک وہ مرجائیگا لیکن تین دن تک زندہ رہیگا۔ اور میرے لئے بھی زندہ رہنے کو تین دن ہیں"

"لیکن اس نے تمہیں پیار تو کیا ہے"

"کیا اتنی بات مجھے تسکین دے سکتی ہے، وہ میرا ہے۔ میرے دل میں ہے —— میں دیوتاؤں سے لڑونگی"

"سارینا"

"ہاں یہ سچ ہے میں یہاں مینوس کے محل میں کھڑی ہوں لیکن میرا دل اسی کے پاس ہے۔ ارائیدن میں تمہیں بتاتی ہوں کہ میری محبت ایسی پختہ اور مضبوط ہے جیسی —— ہاں۔ اور ایسی مکار جیسی دیوتاؤں کی عقل، میں ان سے لڑونگی"

ارائیدن خوفزدہ ہو کر کہنے لگی "لیکن سارینا ——— !"

یکایک سارینا پلٹی، اور ارائیدن کو اپنی آغوش میں لیکر اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہنے لگی "کیا تم میری خاطر جھوٹ بول سکتی ہو، کیا تم خاموش رہ سکتی ہو؟"

"سارینا میں ڈرتی ہوں کہیں ——— !"

"اور تم دعوے کرتی ہو کہ تم محبت میں گرفتار ہو، اور میرا ——— آہ میرا کوئی دوست نہیں! میں اتنا حقیر سوال کرتی ہوں"۔

"میں کیا کر سکتی ہوں"؟

"سنو، اگر تم سے میری بابت پوچھا جائے تو قسم کھا کر کہنا کہ میں آج رات کہیں باہر نہیں گئی، اور یہ کہ تم نے مجھے بستر میں لیٹے دیکھا ہے"۔

"سارینا اگر تم بستر میں لیٹ جاؤ تو میں قسم کھا سکتی ہوں"۔

سارینا نے مسکرا کر کہا۔ "واہ ری پارسائی! کیا یہ آسان ہے۔ کیا تم وعدہ کرتی ہو؟"

"ہاں میں اپنی محبت کی قسم کھا کر کہتی ہوں"۔

دونوں اپنے اپنے بستروں میں گئیں۔ تھوڑی دیر بعد سارینا اٹھی اور ایک لمحہ کے لئے سپائر پر جھکی، لیکن وہ ایک بچہ کی مانند نیند میں مشغول تھی۔ سارینا خاموشی سے نیچے اتری اور میلوس کے عظیم الشان محل کی گہرائیوں میں چلی گئی، جہاں خزانے کے محافظ تک بھی ماہِ تمام کی دعوت کے بعد سو گئے تھے۔ سارینا کو کوئی شخص نہ ملا۔ لوگ گہری نیند میں محو خراٹے لے رہے تھے۔ غلام چٹائیوں اور برآمدوں میں مُردوں کی مانند پڑے تھے۔ سارینا ننگے پاؤں خاموشی سے دیواروں کے ساتھ ساتھ اور ایک ستون سے دوسرے ستون کے پیچھے چھپتی ہوئی چلتی گئی۔ "ایوان عظیم" میں اسے ان لوگوں کے جسموں پر سے گزرنا پڑا، جو وہاں سو رہے تھے۔

آخر کار وہ اس چوڑی سڑک پر ہولی۔ جو ایوانِ عبادت گاہ کو جاتی تھی۔ یہاں سے وہ ایوان کے وسط میں قربانگاہ کے مدھم شعلوں کو دیکھ سکتی تھی۔ اس نے خیال کیا شاید یہاں محافظ ہوں جو دروازوں کی حفاظت کر رہے ہوں، سارینا فوراً دیوار کے سائے میں ہو گئی۔ وہ ایک غلام کے پاس سے گزری جو ایک کونے میں لیٹا تھا، لیکن وہاں قربان گاہ کے مست شعلوں کے سوا نہ تو کوئی جاگتا تھا اور نہ کوئی حرکت ہی کرتا تھا، سارینا کا دل دھڑکنے لگا۔ کیونکہ غلام کے پاس سے گزرتے وقت اس نے سانس روک لی تھی۔

عبادتگاہ کے دروازے کھلے تھے۔ سارینا تیزی سے ایوان میں سے گزر کر عبادتگاہ کی دیوار کے پاس جا پہنچی۔ پھر ایک دو ستونوں میں وہ سیڑھیوں کے قریب پہنچ گئی اور اس پر لیٹ کر آہستہ آہستہ اوپر چڑھنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ وہ سب سے آخری سیڑھی پر چڑھ گئی اور یہاں وہ رک گئی۔

عبادتگاہ ایک لمبے برآمدے کی طرح دکھائی دیتی تھی۔ جسکے دروازوں پر چلمنیں پڑی تھیں۔ دیواروں پر قیمتی پردے اور جھالریں لٹک رہی تھیں جو زمین سے چھوتی تھیں۔ عبادت گاہ کے دوسرے سرے پر سنگ مرمر کا ایک ستون تھا۔ جسکے قریب ہی ایک قربانگاہ تھی، اور قربانگاہ کے نیچے پیتل کا ایک بڑا سا پیالہ تھا جو قرمزی رنگ کے کپڑے سے ڈھکا ہوا تھا۔ یہ مقدس سانپوں کا پیالہ تھا۔

سارینا نے یہ تمام چیزیں نہ بھولنے والی آنکھوں سے دیکھیں۔ یہ مقام اسقدر خاموش تھا۔ کہ سارینا کا دل بڑھ گیا۔ اور وہ دہلیز پر سے رینگتی ہوئی اندر داخل ہو گئی۔ سونے کا ایک بہت بڑا آویزاں لیمپ مقدس ستون، قربانگاہ اور مقدس سانپوں کے پیالے کو روشن کر رہا تھا۔ لیکن عبادت گاہ کا باقی حصہ مدھم روشنی میں گم تھا۔

سارینا اٹھی اور پردوں کی طرف گئی۔ اور پہلے پردہ کے قریب ہو گئی۔ تاکہ اگر کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دے تو وہ فوراً اسکے پیچھے چھپ جائے۔ سارینا نے ابھی پردے کو چھوا ہی تھا کہ ایک چھوٹی

سی گھنٹی تیزی سے بجنے لگی سارینا اس گھنٹی سے واقف نہ تھی۔ کیونکہ وہ پردے کے دوسری طرف تھی
وہ تیزی سے دوڑ کر دروازے پر پہنچ گئی اور سیڑھیوں پر لیٹ گئی۔ اس نے پلٹ کر قربانگاہ کی
طرف دیکھا تین سیاہ چیزوں نے پیتل کے پیالے سے سر نکال کر لہرانا اور پھنکارنا شروع کیا۔ اس
لیمپ کی روشنی سے جو وہاں آویزاں تھا سانپوں کے سیاہ مہیب جسم اچھی طرح نظر آتے تھے۔
اب سارینا سمجھ گئی۔ یہ مقدس سانپ تھے۔ جو عبادت گاہ کے محافظ تھے۔

(۹)

سارینا اپنے کمرے میں واپس آگئی۔ راستے میں نہ اسے کوئی ملا اور نہ کوئی واقعہ ہی پیش آیا، وہ ایک گھنٹے سے زیادہ غیر حاضر رہی تھی، سپائر سو رہی تھی لیکن ارائیدن بیدار تھی۔ جب سارینا اندر داخل ہوتی تو وہ اٹھ کھڑی ہوتی، سارینا اس کے بستر میں گھس گئی۔ ارائیدن نے کہا۔ میں ڈر گئی تھی اور اسی لئے میں جاگ رہی ہوں۔"

سارینا نے کہا میں جانتی ہوں اپنا دل ٹھنڈا کر رہی تھی میں یہاں اجنبی ہوں لیکن تم تین سال سے شہزادہ کے محل میں ہو۔"

"ہاں تین سال سے۔"

"تو مجھے وہ تمام حالات بتاؤ۔ جو میرے پیارے کے ساتھ واقع ہونگے۔"

ارائیدن اس کا بازو پکڑ کر اسکے نزدیک ہوگئی، اور کہنے لگی "سنو، تین دن تک اسے "سفید برج" میں رکھا جائیگا۔ جہاں اسے عمدہ خوراک دی جائیگی، اور وہ ایک شہزادہ کے مانند رہیگا، اس کے جسم پر وہ تیل اور خوشبوئیں ملیں گے، سازندے اس کی کھڑکی کے نیچے کھڑے ہو کر ساز بجائیں گے، عورتیں "سفید برج" کے گرد پھول بکھیرینگی، پھر تیسرے دن کی شام کو اسے بڑے عظیم الشان جلوس کے ہمراہ ایوان عبادت گاہ میں لے جائیں گے۔ وہاں عبادتگاہ میں گالانطس اس کی منتظر ہوگی، دروازے

بند کر دیئے جائینگے اور وہاں موت کی سی خاموشی طاری ہو جائیگی"۔

"محافظ کہاں مقرر کئے جاتے ہیں؟"

"کوئی محافظ نہیں ہوتا، دیوی کا منظورِ نظر بھاگنے کی کوشش نہیں کرتا"۔

سارینا نے غصہ سے کانپ کر کہا۔ "تو پھر دیوی کا منظورِ نظر مار دیا جاتا ہے لیکن کسطرح؟"

"کہتے ہیں کہ مقدس سانپ اسے ڈستے ہیں اور وہ مرجاتا ہے۔ تین دن تک گلانطس اسکے جسم پر موجود رہتی ہے اور جسم صاف ستھرا رہتا ہے۔ کیونکہ وہ مقدس ہوتا ہے۔ چوتھی رات عبادتگاہ کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، اور دیوی کا دولہا پہاڑوں میں لیجا کر دفن کر دیا جاتا ہے"۔

سارینا کہنے لگی۔ "میرا ارادہ ہے کہ میں بھی اسکے ساتھ ہی مروں۔ لیکن میں گلانطس جیسی عورت کا مقابلہ کیسے کروں؟"

ارائیدن نے اسے تسلی دینے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "یہ دیوتاؤں کا حکم ہے، سارینا تم نہ مرو۔ تم بہت حسین ہو، اور سارے جزیرہ قرطبش میں تم سی ناچنے والی کوئی نہیں"۔

سارینا سو گئی، اس کا سر ارائیدن کے بازو پر تھا لیکن خواب میں ارکیس کے پہلو میں تھی۔

علی الصبح وہ بیدار ہو کر منہ ہاتھ دھونے نیچے ایوان میں آئی۔ وہ بہت مطمئن تھی۔ وہ آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔ دوسری لڑکیاں اسکے اطمینان پر حیران تھیں۔ انہیں تو یہ امید تھی کہ سارینا کا چہرہ مرجھایا ہوگا، اور وہ ہم سے دور بھاگے گی۔ کلائطیس نے اسے طعنہ دیا۔ "سارینا تو خوب سوئی ہے۔ وہ آسانی سے تمام باتیں بھول جاتی ہے"۔

سارینا نے جواب دیا۔ "میں کون ہوں کہ دیوتاؤں سے لڑوں؟"

کلائطیس خاموش ہو گئی۔

جب منہ ہاتھ دھو کر فارغ ہوئی تو باغ میں پھول چننے گئی جبتنی غلام بلبل باغات کا محافظ

تھا. وہ ایک سیاہ و سفید سر والا اور متبسم چہرے والا بوڑھا تھا۔ اسکے پاس ایک پالتو سانپ تھا۔
جو اس کا بڑا منظورِ نظر تھا، اور اس کی مانند ہی سیاہ تھا۔ سارینا نے آگے بڑھکر اس سے کہا "میں
تھوڑے سے پھول چننا چاہتی ہوں"۔

ببل نے سفید دانت نکال کر کہا "جتنے چاہو چن لو"۔

سارینا نے ببل کی جھونپڑی میں سانپ کو دیکھ لیا اور اسکی بہت تعریف کی، ببل نے ہنستے
ہوئے کہا۔ "یہ بھی میری طرح سیاہ ہے بیچارہ بڑا شریف ہے"۔

سانپ نے سر اٹھایا، اور سارینا اسکی ٹوکری پر جھک کر ایک دلکش گانا گانے لگی، سانپ
نے اور سر اٹھایا اور کنڈلی سے جدا ہو کر ٹوکری سے باہر نکل آیا، سارینا نے اپنا ہاتھ اسکی طرف بڑھایا۔
وہ اسکے کندھے پر چڑھ گیا، اور اپنا سر اسکے سینہ پر رکھ دیا۔

ببل نے حیرت سے کہا۔ "اسے تم سے محبت ہے۔ تم ضرور ایک سانپ کی روح کو پہچانتی ہو"۔

"میں ان پر جادو کرتی رہی ہوں۔ رقاصہ ہونے سے پہلے میں سانپوں کی ساحرہ تھی۔ یہ
بہت اچھا سانپ ہے"۔

پھر سانپ کے سر پر ہاتھ پھیر کر پوچھنے لگی "تم نے اسے کیسے پکڑا"؟

ببل نے جواب دیا "میں نے اسے سانپوں کی وادی میں پکڑا تھا، پرانے زمانے میں وہاں ایک
عبادتگاہ تھی، لوگ کہتے ہیں کہ بہت سے سانپ وہاں سے چلے گئے ہیں لیکن اب بھی وادی ان سے پٹی
پڑی ہے۔ اور وہ بہت ظالم ہیں"۔

سارینا نے پوچھا "وہ وادی کس طرف ہے"؟

"پہاڑ کے اسطرف یہاں سے آدھے دن کا راستہ ہے کھیتوں میں سے ہو کر دریا کے ساتھ
ساتھ ایک پگڈنڈی پر چلتے ہیں۔ جو جنگلوں کو چلی جاتی ہے تمہیں خود پتہ لگ جائیگا۔ کیونکہ وہاں

جنگلوں کے کنارے پر زیتون کا ایک برباد شدہ درخت ہے۔"

سارینا نے ببل کی طرف دیکھ کر کہا "میں ضرور جاؤنگی۔ لو پیارے اب ببل کی ٹوکری میں واپس چلے جاؤ میں ذرا پھول چن لوں۔"

ببل نے کہا۔ "بہترین پھول تالاب کے قریب ہیں، میں ان لوگوں کو بہت چاہتا ہوں جو میرے دینگ کو پسند کرتے ہیں لیکن وہ بہت تھوڑے ہیں۔"

سارینا نے تالاب کے کنارے سے سوسن، چنبیلی، موتیا اور گلاب کے پھول چنے اور محل میں سے گذر کر "سفید برج" کی طرف گئی۔ "سفید برج" کے دروازے پر محافظ کھڑے تھے۔ بہت سی عورتیں پھول لائی تھیں۔ کیونکہ بہار کے دیوتا کے لئے پھول لانا مبارک تصور کیا جاتا تھا۔ بعض عورتوں نے سارینا کو پہچان لیا۔ اور اس پر رحم کرنے لگیں، انہوں نے آپس میں سرگوشیاں شروع کیں۔ "یہ کس قدر مطمئن ہے!"

"ان کی محبت ایک عظیم الشان محبت ہے۔ وہ اُس کی خاطر ناچی اور وہ اُسکے لئے لڑا۔"

سارینا نے پھول "سفید برج" کے نیچے ڈال دیئے اور واپس جانے لگی۔ اس کی نگاہ لودن پر پڑی جو سورج کی روشنی میں بیٹھا خیالات میں غرق تھا، سارینا نے کہا "میرے استاد میرا دل بہت اداس ہے۔ میں باہر کھیتوں میں جاکر سیر کرنا چاہتی ہوں۔"

اس نے جواب دیا۔ "جاؤ، اگر میں جوان ہوتا۔ تو تمہیں تسلی دینے کی کوشش کرتا۔"

"میرے لئے اب کوئی تسلی نہیں، کیونکہ اب دنیا میں کون رہ گیا ہے۔ جو مجھے تسلی دے؟ میرا پیارا زرین جزائر کو جا رہا ہے، اور میں —— مر رہی ہوں۔"

"نہیں تم ناچنے اور ہمیں خوش رکھنے کے لئے زندہ رہو۔ رفتہ رفتہ تمہیں خود تسکین مل جائے گی۔"

اس نے جواب دیا۔ میں اس طبیعت کی ہوں کہ فراق کی تکلیف اُٹھانے سے پہلے اپنا کلیجہ کھا کے مر جاؤں گی۔ تب کہیں مجھے تسکین ہو گی۔"

وہ چل دی، اور دان نے دونوں کندھے ہلاتے، اس نے دنیا میں بہت کچھ دیکھا تھا، اس نے آہستہ سے کہا۔ "یہ سب زبانی جمع خرچ ہیں"۔

کسی نے بھی سارینا کو محل چھوڑتے نہ دیکھا۔ وہ باغوں اور سرو کے کنجوں میں سے ہوتی ہوئی کھیتوں کی طرف نکل گئی، وُہ تیزی سے جا رہی تھی، اور ایک پرانے لبادے میں لپٹی تھی۔ جو اسے رائیڈن نے دیا تھا۔ گرمی شدت کی تھی۔ فصلیں اور انگور پکنے کو تیار تھے، اور زیتون کے درختوں کا کوئی سایہ زمین پر نہ پڑتا تھا، لیکن وہ بہت جلد سایہ میں پہنچ گئی۔ وہ اب پہاڑیوں میں صنوبر کے جنگل میں تھی جو تاریک اور قبرستان کی طرح سنسان تھا۔ سارینا نے وہ راستہ دریافت کر لیا تھا۔ جو بلبل نے اسے بتایا تھا وہ راستہ جو سانپوں کی وادی کو جاتا تھا۔

۱۰

جب سارینا صنوبر کے جنگل سے نکل کر وادی میں پہنچی۔ تو دوپہر ہو گئی تھی یہ ایک ویران اور بنجر مقام تھا۔ جس پر دیوتاؤں کی لعنت تھی۔ پتھروں کے درمیان خوشبودار جھاڑیاں تھیں جنگل کے کنارے ایک چشمہ تھا۔ جو ذرا آگے چل کر ایک ندی میں مل جاتا تھا۔ سارینا نے ٹھیر کر اس چشمے سے پانی پیا

وہ اپنے نیچے کسی تباہ و شکستہ حال عمارت کی دیواریں دیکھ رہی تھی۔ وہ جنگلی انجیر اور جھاڑیوں سے پوشیدہ تھیں اُس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ اس نے دیواروں کی طرف دیکھا۔ اس کا پھول سا چہرہ کملا گیا، کسی چیز نے اسے بتا دیا کہ یہ ایک ملعون اور خوفناک مقام ہے۔ جہاں کوئی بھی قدم رکھنے کا حوصلہ نہیں کرتا۔

وُہ خوفزدہ ہو گئی، لیکن پھر سنبھل گئی، وہ اس سنسان مقام میں اپنی طاقت آزمانے اور یہ

ثابت کرنے آئی تھی کہ کیا اب بھی وہ ساحرہ ہے یا نہیں کیا اب بھی اسکی وہی طاقت ہے یا نہیں کیونکہ اس خوف اور خطرے کے پیچھے اسے اُمید کی شمع ٹمٹماتی ہوئی نظر آئی تھی۔

اس نے ارائیدن کا لبادہ وہیں چشمے کے کنارے رکھ دیا۔ اور ندی کے بہاؤ کی طرف چل دی وہ اس بات سے بڑی خوفزدہ ہوئی تھی کہ کہیں اسکے پاؤں پتھروں سے زخمی نہ ہو جائیں۔ کیونکہ خون کی بو سے جادو کے خراب ہو جانے کا احتمال تھا۔ مربع پتھروں کی عمارت ابھی تک ندی کے کنارے کھڑی تھی، یہ قربانگاہ تھی

ایک عبادت گاہ کی قربانگاہ جسے دیوتاؤں کے غضب نے تہ و بالا کر دیا تھا۔ سارینیا کو معلوم ہو گیا کہ ٹبل نے اس مقام کے متعلق کتنا سچ کہا تھا۔ یہ کھنڈرات سانپوں کے مسکن تھے، وہ سورج کی روشنی میں کنڈلی مارے بیٹھے یا گرم پتھروں پر رینگ رہے تھے۔

سانپ چوکنے ہو گئے۔ انہوں نے سر اُٹھا کر اس عورت کو دیکھا۔ جو اس قدر دلیری سے عبادت گاہ میں آئی تھی۔ وہ پھنکار رہے تھے۔ سیاہ جسم پتھروں سے نکل کر پیچ و تاب کھا رہے تھے سارینیا روئی کی مانند سفید ہو گئی۔ اس کی آنکھیں موت کی منتظر نظر آتی تھیں۔ یہ اس کی قربانی اور محبت کے امتحان کا عظیم الشان موقعہ تھا۔ اگر وہ سانپوں کو مسحور کر لے۔ تو ارجیس کے بچنے کی اُمید تھی۔

وہ تیزی سے قربانگاہ کی طرف کودی اور تن کر قربانگاہ پر کھڑی ہو گئی۔ ہر طرف سے سیاہ سانپ اسکی طرف حرکت کر رہے تھے۔ سارینیا نے ایک عجیب دلکش سُر اپنے ہونٹوں سے نکالا، ایک میٹھی اور سریلی آواز جیسے دریا کے کنارے گھاس پر ہوا چلتی ہے۔" اس نے اپنے جسم کو حرکت دی، اپنی باہیں آہستہ آہستہ ہلانا شروع کیں پتھروں کی کھڑکھڑاہٹ رک گئی۔ سیاہ سر ہلنے لگے۔

اُسکے جسم کی حرکات اور اسکے بازوؤں کی گردش زیادہ تیز ہو گئی۔ دلکش سُر ایک غمگین گانے

میں تبدیل ہو گیا، اب وہاں وہ ناچ ہوا، جو تمام ناچوں سے انوکھا اور نرالا تھا۔ یہ سانپوں کا ناچ تھا۔ وہ قربانگاہ کے قریب جمع ہو گئے، اور سارینا کے جسم کی حرکات اور اسکے ترانے پر سر ہلانے لگے۔ جب وہ خاموش ہو جاتی تو وہ بھی پتھر میں کھدے ہوئے سانپوں کی طرح بے حس و حرکت معلوم ہوتے۔ صرف انکی چمکیلی آنکھیں اور زبانیں ان کے زندہ ہونے کی شہادت دیتی تھیں ایک بڑے سیاہ سانپ نے، جو یقیناً سب کا سردار تھا۔ اپنا چوڑا سر قربانگاہ کے پتھر پر رکھ دیا اور ایسا معلوم ہوا کہ وہ ایک گہری نیند میں چلا گیا ہے۔

سارینا مسرور تھی، وہ ان کی ملکہ تھی۔ نہ انہیں اس کا خوف تھا۔ اور نہ وہ ان سے خوفزدہ تھی۔ اس نے بڑے سانپ کو ہاتھوں میں پکڑ کر اپنے کندھے پر بٹھا لیا۔ اور قربانگاہ سے نیچے اتر کر وہ آرام و اطمینان سے چمکیلی کنڈلیوں میں سے گذری، سانپوں نے اپنے سر اوپر اٹھا کر اسکے لباس اور ٹخنوں کو چاٹا اور سارینا کو معلوم ہو گیا کہ اسکی طاقت بڑی زبردست ہے۔

پھر اس نے ہاتھوں کو ہلانے اور گانا گانے سب کو سلام دیا۔ اس نے بڑے سانپ کو اتار کر قربانگاہ پر رکھدیا، اور سیاہ کنڈلیوں میں سے بچکر وہ چشمہ پر پہنچی، جہاں وہ اپنا لباس چھوڑ گئی تھی۔

۱۱

سارینا دسترخوان پر دیر میں پہنچی، اور یہ ادائیدن تھی جس نے اسکی آنکھوں میں ایک چمک دیکھی، دوسری لڑکیاں یا تو باہر صحن میں چلی گئیں تھیں۔ یا ان لوگوں سے ہنسی میں مشغول تھیں جو انکی کھڑکیوں کے نیچے جمع ہو گئے تھے۔

اس نے صبح سے کچھ نہ کھایا تھا۔ اسلئے دسترخوان پر بیٹھتے ہی وہ تیزی سے کھانے لگی۔ وہ کھاتے کھاتے عجیب نگاہوں سے ادائیدن کو دیکھتی تھی اور خاموش تھی۔ ادائیدن کو ایسا معلوم ہوا کہ یہ خاموشی اسے پنجرے میں بند کر دیگی۔ ادائیدن اُٹھ کر باہر دوسری لڑکیوں کی طرف چلی۔ سارینا

نے چونک کر اس سے کہا "میں سارا دن جنگلوں میں پھرتی رہی ہوں کوئی غیر معمولی بات تو نہیں ہوئی؟"

"کچھ نہیں"۔

اگر آج رات تم جاگو تو میری خاطر سپائر کو میرے واپس آنے تک دیکھتی رہنا"۔

" ارائیدن نے پوچھا" کیا زیادہ دیر لگاؤ گی؟"

" ایک گھنٹہ اگر تم سو گئیں تو میں تمہیں جگا دوں گی"۔

" اور اگر سپائر جاگ پڑی تو؟"

" تو تم اسے کوئی کہانی سنانے بیٹھ جانا"۔

" ہاں یہ میں کر سکتی ہوں"۔

آدھی رات کے بعد سارینا پھر منوس کے محل کی گہرائیوں میں اُتری۔ اس کے تمام باشندے اطمینان قلب سے خواب راحت میں مشغول تھے۔ جزیرہ قریطش سمندروں کا بادشاہ تھا اس کے شہروں کے دروازوں پر کوئی پہرہ دار نہ تھے۔ لوگ جب دل چاہتا آتے جاتے رہتے تھے، وہاں غلاموں تک کو آزادی نصیب تھی۔

سارینا خزانے کے پہرہ داروں کے خیال سے چھپتی ہوئی بغیر کسی مزاحمت کے ایوانِ عبادتگاہ میں پہنچی۔ عبادتگاہ کے دروازے کھلے تھے۔ آگ تیزی سے جل رہی تھی۔ بڑا لیمپ روشن تھا۔

جب سارینا عبادتگاہ کے سامنے آئی تو اس کا چہرہ شعلے کی مانند چمکنے لگا۔ وہ ٹھہر گئی اور اپنی دلکش آواز نکال کر ناچنے لگی۔ وہ بڑی مسرور تھی۔ وہ ناچتی اور گاتی ہوئی ایوان عظیم میں پہنچی۔ اسکے دل نے پکار کر کہا۔ "وہ میرے ہیں میں نے انہیں فتح کر لیا ہے۔ وہ میری خدمت کریں گے"۔

جب وہ اپنے کمرے میں واپس آئی تو ارائیدن جاگ رہی تھی۔ سارینا نے جھک کر کہا "ارائیدن مجھے تم سے بڑی محبت ہے"۔

"سارینا تم آگ کے مانند گرم ہو؟"

"اور پیاری میرا دل بھی ایسا ہی گرم ہے۔"

وہ سو گئی کیونکہ وہ بہت تھکی ہوئی تھی۔

دوسرے دن علی الصبح وہ پھول لینے باغ میں آئی۔ اور ڈینک کی ٹوکری پر جھک کر اُسے پیار کرنے لگی، جس نے اسکے ہاتھوں کو چاٹنا شروع کیا۔ بلبل نے کہا "جتنے پھول چاہو لے لو۔"

سارینا پھول لیکر سیدھی سفید برج کی طرف گئی، اس صبح وہ پہلی عورت تھی۔ جو وہاں پھول لائی۔ دروازے کے دونوں پہرہ داروں نے اسے پہچان لیا۔ سارینا سرنگوں کھڑی تھی، اسکی آنکھوں میں آنسو بھرے تھے۔ پہرہ داروں نے جو رحمدل تھے اور اسکے حسن سے متاثر نظر آتے تھے۔ اس پر رحم کھانا شروع کیا۔ کیونکہ مرد ایک عورت کی گرئی چشم کے سامنے موم کی مانند ہے۔

اُنہوں نے آپس میں کچھ سرگوشیاں کیں، اور ان میں سے ایک نے سارینا کے قریب آکر کہا "ہم اچھے آدمی ہیں اور ہمارے لئے یہ بہت مشکل ہے کہ ایک حسین عورت کو روتے دیکھیں۔ کیا تم اڈکیس سے ملنا چاہتی ہو؟"

سارینا نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ان کا شکریہ ادا کر کے کہا۔ "ہاں آخری دفعہ ملنا چاہتی ہوں اور ایک بات کہنا چاہتی ہوں۔ اس سے پہلے کہ وہ زریں جزائر کو چلا جائے۔"

اس نے کہا۔ "تو جلدی کرو۔ اور بہت جلد واپس آجاؤ۔ نہیں تو ہم مصیبت میں پھنس جائینگے سیدھی اُدھر چلی جاؤ۔"

سارینا ایک پرندے کی طرح اُڑ کر گئی۔ پھول اسکے سینے سے لگے تھے۔ سیڑھیاں برج کے اندر بل کھاتی ہوئی جاتی تھیں۔ سارینا نے سیڑھیوں کے اختتام پر ایک عالیشان کمرہ پایا۔ اسکے دروازے کھلے تھے۔ لیکن انکے آگے سونے کی تار کا ایک حیرت انگیز جالا تھا۔ جو حد بندی کا کام دیتا تھا۔

سارینا نے ایک آدمی کو گدیلے پر اوندھے منہ لیٹے پایا، اسکا چہرہ مرہانوں میں دبا تھا وہ ایک قیدی تھا مسرت اور محبت سے محروم سارینا نے سونے کے جال کے قریب جا کر کہا "ارکیس —— میرے ارکیس !"

وہ چونکا اور حیرت زدہ کھڑا ہو گیا، اس کی دونوں آنکھوں میں حلقے پڑے تھے۔ اس کا چہرہ لاغر تھا۔ سارینا کے ہونٹ جال سے لگے تھے۔ اور وہ محبت سے باتیں کر رہی تھی جلدی کر پہریدار نے مجھ پر عنایت کی ہے !"

ارکیس ایک آہ سرد بھر کر آگے بڑھا وہ ایک ایسے شخص کی طرح معلوم ہو رہا تھا۔ جو شراب کے نشے سے از حد مدہوش ہو۔ اس نے کہا "سارینا"

دونوں کے ہونٹ مل گئے لیکن سونے کے تار درمیان تھے۔ اس نے آہستہ سے کہا "میں اپنا سارا راز اسلئے نہ کہونگی کہ کہیں کوئی سن نہ لے، میرے ارکیس مجھے بتاؤ کہ کیا تم اب بھی میرے لئے زندہ رہنا چاہتے ہو۔ یا ندین جزائر کو جانا چاہتے ہو؟"

اس نے جواب دیا "سارینا! میں کیوں مروں جبکہ میری محبت تمہارے لئے تڑپ رہی ہے"۔

اس نے اپنے منہ پر انگلی رکھ کر کہا "تم بہت بلند آواز سے بولتے ہو۔ آہ پیارے یہ ممکن ہے کہ میں تمہیں بچا لوں، اور اگر میں نے تمہیں بچا لیا۔ تو ہمیں جنگلوں میں بھاگنا اور سمندر عبور کر کے کسی اور ملک میں جانا ہوگا۔ اسوقت تک کہ مینوس تمہیں معاف کر دے"۔

اس نے کہا "میں ایک فقیر کی مانند زندگی بسر کرنے کو تیار ہوں لیکن سارینا تمہارے لئے ایسی زندگی ناشائستہ اور سخت ہوگی"۔

"نہیں میں بھی تمہارے ساتھ ہر حال میں خوش رہونگی"۔

ارکیس نے سینہ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "کاش میں ایک رات کے لئے آزاد ہو جاؤں تاہم ——

سارینا بچنے کی کوئی اُمید ہے؟"

اس نے جواب دیا "سنو، جب وہ تمہیں عبادتگاہ میں لے جائیں اور دروازے بند کر دیں۔ تو تم گلانطس کے سامنے ایک گونگے اور بہرے کی مانند کھڑے ہو جانا اور اپنے چہرے پر حیرانی کی کوئی علامت ظاہر نہ ہونے دینا، اگر گلانطس اپنا خنجر نکالے، تو ضرور چھین لینا۔ اگر خون کا ایک قطرہ بھی گرا تو ہم سب کی جانیں خطرہ میں ہیں"۔

"لیکن ——— سارینا!"

اُنہوں نے نیچے سے ایک پہرہ دار کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا۔ "وقت گذر چکا ہے نیچے آجاؤ! اس نے کہا اُمید رکھو ہمت نہ ہارو، اب میں جاتی ہوں"۔

ایک دفعہ پھر ان دونوں کے ہونٹ ملے اور سارینا نیچے چلی آئی۔

۱۲

قربانی کی رات سارینا عبادتگاہ میں ان پردوں کے پیچھے چھپ گئی جو دیواروں سے لٹکے تھے اس نے دائیں ہاتھ کی دیوار منتخب کی کیونکہ اسطرف کوئی دروازہ نہ تھا اس نے اپنے پاؤں زرد کپڑے سے ڈھانپ لیئے تاکہ انکی سفیدی اسکی موجودگی کو ظاہر نہ کر دے۔

سارینا انتظار میں کھڑی تھی اور اپنے بالوں سے چاندی کا پن نکال کر پردے میں سوراخ کرنے میں مشغول تھی۔ قربانی کی عظیم الشان رات خوشیوں کی رات تھی۔ وہ بانسریوں اور گانوں کی آواز بخوبی سُن سکتی تھی۔ جو محل کے ایوانوں اور پیشگاہوں سے آرہی تھی۔

یکایک قرنا کی آواز آئی اور سارینا بالکل بے حس و حرکت کھڑی ہو گئی۔ وہ ارکیس کو "سفید برج" سے نکالکر عبادتگاہ کی طرف لا رہے تھے۔ وہ گاتے اور ناچتے تھے، مشعلیں ہلاتے اور ایک دوسرے پر پھول برساتے تھے۔ کئی دعوتیں اڑا رہے تھے، اور کثرت سے شراب پی رہے تھے عشاق نے اپنی

رفیقان حیات منتخب کرلی تھیں۔ وہ عورتیں جو اولاد سے محروم تھیں جلوس میں، مردوں کے پہلو بہ پہلو شامل تھیں۔

بانسریوں کی آواز اور لوگوں کے نعرے بالکل نزدیک آن پہنچے سینکڑوں مشعلوں کی روشنی دروازے سے اندر آئی اور مدھم عبادت گاہ کو روشن کر دیا۔ ہجوم ترانۂ بہار گا رہا تھا اور پھول بکھیر رہا تھا۔

سارینا نے عورتوں کو چیخ کر کہتے سنا "الوداع اے خوشرو نوجوان! الوداع اے مبارک عاشق!"

قربانگاہ کے سانپ پھنکارے اور عبادتگاہ میں ایک گھنٹی بجی، سارینا نے سوراخ میں سے جو اس نے پردہ میں بنایا تھا، گلانطس کو آتے اور قربانگاہ کے سامنے کھڑے ہوتے دیکھا۔ ـــ شاندار گلانطس! جو ایک امیرانہ پوشاک پہنے ہوئے تھی۔ اسکے سر پر سونے کی ٹوپی تھی لیکن اس کا چہرہ شیطانی تھا کیونکہ وہ شراب سے بدمست ہو رہی تھی۔ اسکی زرد آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ اور وہ بار بار اپنے ہونٹوں کو زبان سے تر کر رہی تھی۔ سارینا اس سے نفرت کر رہی تھی۔ ایسی نفرت جو موت سے زیادہ بے رحم تھی۔

پھر اس نے ارکیس کو دروازے میں سے اندر گھستے دیکھا۔ پھولوں کا ایک ہار اس کے گلے میں تھا جب وہ آ رہا تھا تو پیچھے سے لوگوں نے دروازے بند کر دیئے۔ عورتوں نے ایک دفعہ پھر "الوداع اے خوشرو جوان الوداع!" کا آخری نعرہ لگایا اور پھر ایک موت کی سی خاموشی چھا گئی۔ لوگ مقدس ایوان کو چھوڑ رہے تھے۔

ارکیس نے سیڑھیوں کو عبور کیا اور گلانطس کے سامنے جوانی کی ایک بیجان تصویر بن کر سرنگوں کھڑا ہو گیا۔ سارینا خوش تھی، کیونکہ ارکیس نے اسکے کہنے پر عمل کیا تھا، اس نے اس آدمی کی طرف

دیکھا جو دہشت اور خوف سے گونگا ہو گیا تھا، جو اپنی آنکھیں گلانطس کے چہرے کی طرف اُٹھانے کے نا قابل تھا۔

گلانطس کہہ رہی تھی "خوش آمدید ارکیس، خوش آمدید مقدس عاشق"۔

وہ اسکے سامنے ایک سنگین بُت کی طرح کھڑا تھا۔ گلانطس نے ہنس کر کہا "تم خوفزدہ ہو، آنکھیں اُٹھا کر میری طرف تو دیکھو کیا میں اسقدر بُری ہوں؟ کیا میری آنکھیں بے نور اور میرے ہونٹ خشک ہیں"

ارکیس نے بالکل حرکت نہ کی، گلانطس اسے سرخ آنکھوں سے گھورتی اسکے قریب آئی اور کہنے لگی "تو بہت شرمیلا ہے! ایک عورت سے خوفزدہ ہے! گلانطس صرف ایک عورت ہے۔ وہ دیوی سے کم خوفناک ہے، نوجوان ذرا اپنا سر اوپر اُٹھا اور مجھے اپنی آنکھیں دیکھنے دے"۔

تینوں مقدس سانپ پیالے میں پیچ و تاب کھا رہے تھے۔ اچانک دیوار کے پردوں میں ایک خفیف سی حرکت ہوئی لیکن گلانطس نے بالکل توجہ نہ دی اس نے سارینا کو پردوں کے پیچھے سے نکلتے اور اپنا سفید ہاتھ مقدس سانپوں کی طرف ہلاتے نہ دیکھا۔

۱۳

ارکیس کی آنکھوں نے کام بگاڑ دیا۔ کیونکہ گلانطس نے اسے دیوار کی جانب محبت بھری نگاہوں اور متبسم لبوں سے دیکھتے پایا۔ سارینا آہستہ آہستہ پیالے کے سامنے ناچ رہی تھی اور اسکے جسم اور ہاتھوں کی خوبصورت اور ہوشربا حرکات سے سانپ جھوم رہے تھے جس طرح لمبی گھاس ہوا کے جھونکوں سے جھومتی ہے۔ گلانطس تیزی سے پلٹی اور حیرت زدہ کھڑی ہو گئی۔ وہ شراب کے نشے سے مدہوش تھی سارینا نے بڑے بڑے چکر لگا کر پیالے کے گرد ناچنا شروع کیا اور غمگین سا گانا شروع کر دیا۔ گلانطس حیرانی سے سارینا اور سانپوں کو دیکھ رہی تھی۔

یکایک وہ چیخی اور اپنا ہاتھ پیالے کی طرف پھیلا کر کہنے لگی "مار دو، مار دو!"

ارخیس سیڑھیوں سے نیچے اُترا اور دروازوں کی چٹخنیاں چڑھا کر واپس آ گیا اور پھر پہلوانوں کی مانند تن کر کھڑا ہو گیا۔ وہ دونوں عورتوں کو بغور دیکھ رہا تھا اور سارینا کے الفاظ کا منتظر تھا۔ سارینا نے کہا "میرے بچو! امن سے بیٹھ جاؤ۔"

اس نے وہی گانا جاری رکھا، اور سانپوں نے سر اٹھا کر جھومنا شروع کیا۔ وہ اسوقت اسکے خادم تھے۔ گلانطس تیزی سے آگے بڑھی، وہ اپنے بازو ہلا رہی تھی اور تینوں سانپوں پر اپنی طاقت سے قبضہ کرنا چاہتی تھی۔ وہ طاقت جو اب سارینا نے اس سے چھین لی تھی۔

دس منٹ تک دونوں عورتیں پیالہ کے پاس آنکھوں میں آنکھیں ڈالے مقابلہ کرتی رہیں۔ وہ ایک جنگ میں مشغول تھیں۔ آخر سارینا کو فتح نصیب ہوئی۔ وہ سانپوں کو اشارہ کرتے کرتے آہستہ آہستہ پیچھے ہٹی، اور سانپ پیالہ میں سے نکل کر اسکے پیچھے چلنے لگے۔

۱۴

یکایک گلانطس کا ہاتھ اس کی پیٹی میں گیا جہاں ایک چھوٹا سا خنجر تھا۔ وہ خنجر کھینچ کر سارینا کی طرف جھپٹی، ارخیس درمیان میں کودنے لگا۔ سارینا نے اسکو پیچھے ہٹا دیا، اور تالی بجا کر تندی کیساتھ سانپوں سے کہا "جاؤ۔ اسے مار دو۔"

عبادتگاہ کے مقدس سانپ اپنی راہبہ پر جھپٹے، اور جہاں وہ کھڑی تھی اسکے پاؤں سے لپٹ گئے۔ اب گلانطس حرکت نہ کر سکتی تھی۔ سارینا نے کہا "ارخیس جلدی کرو، انہوں نے خون چکھ لیا ہے۔"

اس نے ایک کھونٹی پر سے ایک لباس اُتارا، جو قربانگاہ کے پہلو میں تھی، یہ قیمتی کمخواب کا تھا۔ یہ ایک ایسا لباس تھا جیسا بینوس کے محل کی تصاویر میں دیوی نے پہن رکھا تھا۔ سارینا نے وہ لباس پہن لیا۔ تیزی سے اسکے فیتوں کو باندھا۔ پھر ایک اور کھونٹے سے ایک سنہری نقاب اُتار کر اپنا چہرہ اور ایک ہاتھ ارخیس کی طرف بڑھا کر کہا "ادھر آؤ۔"

گلاتطس قربانگاہ کے سامنے مردہ پڑی تھی۔ سانپ ابھی تک اسکے جسم سے لپٹے تھے۔ سارینا نے کہا۔ "دروازہ کھول دو۔ اور جب ہم باہر نکل جائیں تو بند کر دو۔"

ارکیس نے اسکی طرف حیرانی سے دیکھا۔ جس کے جواب میں سارینا نے کہا۔ "میں اسونفت دیوی ہوں اور تمہیں منیوس کے محل سے نکال کر زرین جزائر کو لیجا رہی ہوں۔"

بہت سے لوگ گھروں کو لوٹ گئے تھے۔ لیکن اب بھی کئی حاجتمند مرد و زن ایوان مقدس میں سربسجود تھے عورتیں دیوی سے اولاد مانگ رہی تھیں۔ ان سب نے حیرت انگیز معجزہ دیکھا کہ ایک عورت ارکیس کا ہاتھ پکڑے عبادت گاہ سے نکلی جو کمخواب کا ایک شاہانہ لباس پہنے ہوئے تھی، اور جسکے چہرے پر ایک سنہری نقاب پڑا تھا۔ وہ حسن اور نزاکت کی پتلی معلوم ہوتی اور چلتے وقت عجب نزاکت سے قدم اٹھاتی تھی۔ لیکن ارکیس البسا دکھائی دیتا تھا کہ خواب میں ہے۔ لوگوں نے کہنا شروع کیا۔ "یہ دیوی — بذات خود دیوی ہے۔ وہ اپنے عاشق کو لئے مغرب کے زریں جزائر کو جا رہی ہے۔"

سارینا اس راستہ سے بخوبی واقف تھی جو ایوان عبادت گاہ سے شیروں کے احاطہ کو جاتا تھا اور پھر سرو کے کنجوں، اور "مقدس باغات" کو جاتا تھا۔ ان حاجتمندوں نے دیوی کو تاریکی میں غائب ہوتے دیکھا۔ اس کا عاشق بھی ساتھ تھا۔ انہوں نے سر اٹھا کر شکریہ کے لہجہ میں کہنا شروع کیا "ہم نے اسے دیکھ لیا۔ وہ آج زمین پر اُتری ہے۔ ہماری دعائیں قبول ہوگئی ہیں!"

دونوں عاشق و معشوق ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے مقدس کنج میں سے تیزی سے گزر رہے تھے۔ جہاں چاندنی درختوں کے پتّوں میں چھن چھن کر نکلتی تھی اور زمین پر ایک خوبصورت جال بناتی تھی۔ سارینا نے لوگوں کی آوازیں سُن لی تھیں اور اسکا نازک دل مسرت سے لبریز تھا۔ اُس نے کہا۔ "آہ میرے پیارے! پیارے تم بچ گئے ہو۔"

وہ مسرت و محبت کے جوش سے باہم لپٹ گئے۔ پھر وہ کھیتوں میں سے ہوتے ہوئے پہاڑی کے

نشیب میں صنوبر کے جنگلوں میں پہنچے۔ یہاں سارینا ٹھیر کر کہنے لگی۔ "پیارے ارکیس سنو یہاں جنگلوں میں دیوی غائب ہوتی ہے اور سارینا شہزادہ مینوس کے محل میں واپس جاتی ہے۔ اسکا لباس ضرور زمین میں گاڑ دینا چاہیئے اور یہ کام تم کرو۔ میں اب جاتی ہوں۔"

اس نے کہا۔ "کیا تم مجھے بنا رہی ہو؟ میں تو سوچ رہا ہوں کہ اب ہم جزیرہ قرطیش سے بچ کر جائیں گے کدھر؟"

اس نے جواب دیا۔ "اگر ہم یہاں سے بھاگے تو ہم مصیبت میں پھنس جائیں گے ——— انجام کے انتظار میں کبھی جنگلوں اور کبھی ویرانوں میں چھپتے پھرینگے۔ میں نے ایک افسانہ بنایا ہے جو لوگوں کو ضرور سنایا جانا چاہیئے۔ تا کہ گلانطس کا شیطانی منصوبہ اور دیوتاؤں کا فیض ثابت ہو جائے۔"

پھر اس نے ارکیس کو بتایا کہ یہ تمام واقعات کس طرح رونما ہوئے۔ اسے کیا کرنا اور کیا کہنا چاہیئے ارکیس اس کی طرف حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے سارینا کو آغوش میں لے کر کہا۔ "تم ایک ساحرہ ہو۔"

اس نے جواب دیا۔ "نہیں۔ میں محبت ہوں اور محبت دنیا کے تمام دیوتاؤں سے برتر ہے۔"

۱۵

سارینا نے کمخواب کا لباس اُتار دیا۔ اور اپنے اصلی لباس میں ارکیس کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

ارکیس نے اُسے آغوش میں لے کر اُس کے بال، منہ اور آنکھیں چومیں۔ پھر کہا۔ "اگر یہ منصوبہ کارگر نہ ہوا تو؟"

سارینا نے جواب دیا۔ "میں کبھی وہ منصوبہ نہیں باندھتی جو کارگر نہ ہو۔ دوسرے میرا خیال ہے کہ آج مجھے الہام ہو رہا ہے علی الصبح دلیری سے آؤ اور مینوس کے محل میں اپنی داستان سناؤ۔"

اس نے بڑی مشکل سے سارینا کو آغوش سے علیحدہ کیا۔ وہ اسکے ہمراہ صنوبر کے جنگل تک آیا۔ یہاں سارینا نے اسے واپس کر دیا۔ اور خود دوڑتی ہوئی مقدس باغات میں داخل ہوئی، اور مقدس کنج سے گذر کر ایوان عبادتگاہ میں پہنچی۔ جہاں ابھی تک کئی حاجتمند عورتیں کھڑی تھیں، جو اس حیرت افزا واقعہ پر سرگوشیاں

کر رہی تھیں۔ سارینا اس ہجوم میں مل گئی اور گھٹنوں کے بل جھک کر کہنے لگی "اے دیوی تم نے میرا عاشق مجھ سے چھین لیا تھا۔ اسلئے میں غصّے میں تھی لیکن اب جب کہ میں نے تمہیں دیکھ لیا ہے۔ میرا دل مطمئن ہے۔"

ایک بوڑھی عورت نے اس سے پلٹ کر پوچھا "تم کون ہو جو ایسی باتیں کرتی ہو؟"

سارینا نے جواب دیا "میں سارینا رقاصہ ہوں، دیوی نے میرا عاشق مجھ سے چھین لیا ہے۔ اور اُسے زرین جزائر کو لے گئی ہے۔ اگر میں اسے اپنی آنکھوں سے چاندنی میں گزرتا نہ دیکھتی تو میں مرجاتی۔"

بعد ازیں وہ محل کیطرف روانہ ہوئی، وہ ابھی کمرے کے دروازے کے پاس پہنچی تھی کہ اُس نے کسی لڑکی کی جمائی لینے کی آواز سنی، جو جاگ رہی تھی۔ یہ ارائیدن تھی جو اپنے بستر پر بیٹھی تھی، اس نے سارینا کے قدموں کی آہٹ سُن لی تھی۔ وہ دوڑکر اسکی طرف گئی۔ اور اُسے بازوؤں سے پکڑ کر کہنے لگی۔ "سارینا!"

سارینا نے اپنا سر اسکے سینہ سے لگا دیا۔ اور پوچھا۔ "سپائر کہاں ہے؟"

"وہ یہاں نہیں۔ وہ اپنے ایک دوست کے پاس گئی ہے۔"

ارائیدن اسکے بستر کے قریب ہوگئی، اور سارینا نے خود کو اسکے بازوؤں میں ڈال دیا۔ پھر وہ اکٹھی لیٹ گئیں اور ارائیدن نے آج کے واقعہ کا ذکر چھیڑا، اس نے اس حیرت افزا واقعہ کے متعلق سُن لیا جو آج وقوع پذیر ہوا، مینوس کے محل میں یہ خبر آگ کی طرح پھیل گئی تھی کہ کس طرح دیوی اپنے عاشق کو زرین جزائر کی طرف لیجا رہی ہے۔

سارینا جو بالکل خاموش لیٹی تھی۔ کہنے لگی۔ "ہاں میں نے بھی دیکھا تھا اور اسی لئے میرا دل مطمئن ہے۔ ارائیدن مجھے سلاؤ۔ تاکہ سب واقعات بھول جاؤں۔"

۱۶

ابھی صبح کاذب ہی تھی کہ غلاموں نے جو ایوان عظیم میں جھاڑو دے رہے تھے۔ ایک نوجوان شخص کو آتے اور ایوان کے وسط میں قربانگاہ کی سیڑھیوں پر بیٹھتے دیکھا۔ یہ شخص قرمزی فرغل

اوڑھے تھا۔ غلاموں نے حیرت سے اسے دیکھا۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ارکیس پہلوان ہے، ایک زندہ انسان جسے اب تک مر جانا چاہیئے تھا۔ ان میں سے ایک داروغۂ محل کو اطلاع دینے دوڑا۔ جو شمالی برآمدہ میں ٹہل رہا تھا، اور کہا "حضور، ایک عجیب بات ـــــ ایک آدمی جو مقدس سانپوں سے بچ آیا ہے"۔

داروغۂ محل نیچے ایوانِ عظیم میں اس داستان کی حقیقت معلوم کرنے آیا جو بیوقوف غلام اسے سنا رہے تھے۔ اُس نے دیکھا کہ واقعی ارکیس قربانگاہ کی سیڑھیوں پر بیٹھا ہے۔

داروغۂ محل نے کہا "لیکن میرے دوست تم تو مردہ ہو"۔ ارکیس نے ایک ہاتھ بڑھا کر کہا۔ "مجھے چھو کر دیکھو"۔

غلام آکر اسکے گرد جمع ہو گئے تھے اور وہ ساری گفتگو سُن رہے تھے۔ جو انکے آقا اور ارکیس میں ہو رہی تھی، ارکیس نے کہا۔ "مجھے شہزادہ صاحب کی خدمت میں لے چلو۔ مجھے ان کی خدمت میں چند باتیں عرض کرنی ہیں۔ کیا یہ واجب ہے کہ مقدس سانپوں کا حال ان غلاموں سے کہوں"؟

"میرے دوست تمہیں ضرور شہزادہ صاحب کے پاس لے چلونگا"۔

"اور یہ دیکھ کر کہ اس محل میں تم ایک صاحب اختیار آدمی ہو میں یہ کہونگا۔ کہ عبادتگاہ میں جاکر اسکے گرد پہرہ لگا دو اور اس نظارے کے متعلق جو تم عبادتگاہ میں دیکھو۔ مینوس کے سامنے شہادت دو"۔

"نوجوان تم بڑے مغرور انداز سے باتیں کرتے ہو"۔

ارکیس نے جواب دیا۔ "اسلئے کہ میں دلیوی سے مل آیا ہوں"۔ بعض غلام یہ خبر پھیلانے بھاگ گئے اور یہ افواہ ہوا کی مانند محل میں پھیل گئی۔

تمام لوگوں نے اپنے کام کاج چھوڑ دیئے اور جوش و خروش سے ایوانِ عظیم کی طرف بھاگے۔ وہاں انہوں نے ارکیس کو گھیر لیا، اور ایسا معلوم ہوا کہ وہ انسانوں کے پنجرے میں مقید ہے، لوگ حیرت سے اسکی طرف دیکھ رہے تھے۔ کیونکہ یہ وہ آدمی تھا۔ جو مقدس سانپوں سے بچکر پھر انسانوں کی دنیا میں واپس

آگیا تھا یکایک آواز آئی "راستہ چھوڑ دو! شہزادہ آتا ہے! راستہ چھوڑ دو!"

لوگ اِدھر اُدھر ہٹ گئے۔ اور شہزادہ کے لئے راستہ بنا دیا اور اس راستہ میں سے گزر کر مینوس والئے قریطش آیا، اس کے ہمراہ وزیر اعظم سرپیدن، اور چند خاص مصاحب تھے مینوس نے ٹکٹکی لگا کر ارکیس کی طرف دیکھا۔ اور کہا۔ "نوجوان مجھے اور لوگوں کو وہ عجیب و غریب واقعہ سناؤ۔ جو تمہارے ساتھ پیش آیا۔"

ارکیس سیدھا کھڑا ہو گیا، اور دونوں باہیں پھیلا کر مینوس اور اہل قریطش سے کہنے لگا "جناب میں اس عجیب و غریب واقعہ کے متعلق عرض کرتا ہوں جو میرے ساتھ پیش آیا۔ تمام لوگ جانتے ہیں کہ کس طرح مجھے عبادت گاہ تک پہنچایا گیا اور کس طرح دروازے بند کر دیئے گئے۔ جب میں اندر داخل ہوا تو وہاں گلانطس قربانگاہ اور مقدس سانپوں کے پیالے کے سامنے کھڑی تھی۔ اور چند جادو کے الفاظ کہہ رہی تھی، کہ اچانک ایک عورت نمودار ہوئی۔ خدا معلوم وہ کہاں سے نکل پڑی لیکن مجھے ایسا معلوم ہوا۔ کہ وہ قربانگاہ کے شعلوں میں سے نکلی ہے۔ میں نے جھٹ پہچان لیا کہ یہ دیوی ہے۔ میں ڈر گیا۔ دیوی کا چہرہ غضب آلود ہو رہا تھا۔ اس نے اپنے ہاتھ کے اشارے سے سانپوں کو گلانطس پر جھپٹنے کا حکم دیا اور انہوں نے آن کی آن میں اسے ہلاک کر دیا۔"

مینوس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا "ٹھیرو۔ سرپیدن عبادتگاہ میں جاؤ اور اصلیت معلوم کرو۔ ہاں اب کہو۔"

ارکیس نے کہا۔ "ہاں جب گلانطس مر گئی۔ تو دیوی نے مجھے ہاتھ پکڑ کر عبادتگاہ سے باہر نکالا۔ اور ہم ایوان میں پہنچے۔ جہاں چاندنی پھیلی ہوئی تھی۔"

ہجوم نے چلانا شروع کیا۔ "ہاں، ہاں یہ درست ہے۔"

"کیا ہم نے یہ نہیں دیکھا تھا؟"

مینوس نے لوگوں کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا، ارکیس کہنے لگا۔ تب دیوی مجھے مقدس کنج اور

مقدس باغات میں لے گئی۔ میں عجب بے خبری کے عالم میں تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہوا پر چل رہا ہوں دیوی کے چہرے پر نقاب تھا۔ اسکی آواز بلند تھی۔ اور اس کا ہاتھ آگ کی مانند گرم تھا۔ وہ مجھے کھیتوں میں سے لیکر صنوبر کے جنگل میں پہنچی۔ یہاں بڑی تاریکی تھی۔ وہ شعلے کی مانند چمکنے لگی اور میری آنکھیں چندھیا گئیں پھر دیوی نے مجھے کہا۔ "او فانی انسان تو آزاد ہے۔ گلانطس کے گناہ کے سبب تجھے زندگی بخشتی ہوں۔ جا اور میرے غلام مینوس کو یہ ساری داستان سنا۔" حضور پھر میں سو گیا اور صبح تک سوتا رہا۔ صبح جاگتے ہی دیوی کے حکم کی تعمیل کے لئے میں چلا آیا۔"

ہجوم اب خاموش نہ رہ سکا۔ اس نے چلانا شروع کیا۔ "گلانطس مر گئی ہے!"

"مقدس سانپوں نے اسے مار دیا!"

"اور ارکیس زندہ ہے!"

اتنے میں سر سیدین اور داروغہ محل مرتی چھائے چہروں سے نمودار ہوئے۔ مینوس کی آنکھیں داروغہ محل کی طرف گئیں۔ اور اس نے کہا۔ "بولو تم نے وہاں کیا دیکھا؟"

داروغہ محل نے اپنے ہاتھ پھیلا کر کہا۔ "حضور بالکل وہی جو نوجوان نے ابھی ابھی کہا۔ گلانطس مردہ پڑی ہے اور مقدس سانپ ابھی تک اسکے جسم سے لپٹے ہیں۔"

مرد اور عورتیں چلا رہے تھے۔ وہ جوش اور مسرت سے ارکیس کی طرف بھاگے اور اسکے ہاتھوں کو چومنے لگے کسی نے چلا کر کہا۔ "سارینا!"

یہ سنتے ہی ہجوم کا جوش بڑھ گیا۔ اور اس نے مضطربانہ لہجہ میں چلانا شروع کیا۔ "سارینا سارینا!"

وہ وہاں موجود تھی۔ چیختے چلاتے ہجوم نے اسکے لئے راستہ بنا دیا اور وہ ایک رقاصہ کی طرح قدم رکھتی ہوئی آئی۔ ایک رقاصہ جو خواب میں تھی۔ ارکیس چلایا۔ "سارینا!"

اسوقت ارگنیس کو سوائے سارینیا کے اور کچھ نظر نہ آیا۔ باقی ساری دنیا اسکی نظروں سے اوجھل ہوگئی۔ وہ اس سے ملنے اور آغوش شوق میں لینے کو بڑھا، اور مینوس جیسے سرد مہر انسان کی آنکھیں بھی اس وصال پر مسکرانے لگیں۔

نئی لذّت

۱

میں نے چار پانچ سال تک مونیسو باغات کے قریب ہی ایک محلّہ میں کچھ کمرے لے رکھے تھے۔ مگر میں وہاں ہفتہ میں چند مقررہ ایّام ہی ہوتا تھا۔ یہ کوئی پیرس کے بڑے شاندار بازاروں میں سے نہ تھا۔ مگر بڑی محفوظ سی جگہ تھی اور اس میں ایک خاص نفاست پائی جاتی تھی۔ ایک نمایاں عیب بھی تھا۔ اور وہ یہ کہ گو میرے محلّہ کا ایک سرا باغ تک پہنچتا تھا۔ مگر میں اُس سے لطف اندوز نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ باغ کے دروازے آدھی رات کے قریب بند ہو جاتے تھے۔ اور میں ہوا خوری کے لئے نکلتا ہی اُس وقت ہوں۔

ایک رات میں وہاں دو چینی کی بلبوں کو جو سفید میز پر دبکی ہوئی تھیں خاموش بیٹھا گھور گھور کر دیکھ رہا تھا۔ میں حیران تھا کیا کروں۔ وقت سیگرٹ پینے میں گزاروں یا غزل کہنے میں۔ ایک خیال یہ بھی

تھا کہ سیگرٹ پیوں اور چھت۔ کہ نقش و نگار کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا رہوں تین راستے کھلے تھے۔ سیگرٹ، غزل، ٹکٹکی؟ ـــــــ ایسے وقت پر سیگرٹ کا پاس ہونا نہایت ضروری ہوتا ہے۔ یہ دھوئیں کے لطیف اور سمادی بادلوں میں اس مادی دنیا کی تمام ذلیل چیزوں کو چھپا لیتا ہے۔ کمرے کی روشنی اور تاریکی دونوں میں کچھ کچھ اضافہ کر دیتا ہے۔ چیزوں کے زاویوں میں سے اقلیدسی کرختگی نکال دیتا ہے اور کسی خوشبودار ساحرانہ منتر سے انسان کی بیقرار روح کو سکون اور آرام بخشتا ہے۔ یہی سیگرٹ اپنے ساتھ ایک نئی دنیائے خیال بھی لاتا ہے۔

اس رات میں لکھنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ مگر جی چاہتا تھا کہ یونہی بیکار بیٹھے رہیں۔ قصّہ مختصر یہ ان بہت سی فرصت کی راتوں میں سے ایک رات تھی۔ جب شمع گل ہوتی ہے اور ع۔

بیٹھے ہیں ہم تصورِ جاناں کئے ہوئے

معاً گھنٹی کی غیر متوقع آواز نے مجھے ان "کھلی آنکھ" کے خوابوں" سے چونکا دیا۔ میں نے سر اٹھایا اور اپنے آپ کو یقین دلانا چاہا کہ آج جمعرات کو، جون کی نو تاریخ کو، اُس وقت مجھے کسی کا انتظار نہیں۔ مگر گھنٹی دوبارہ بجی۔ اور اس حقیقت کے سامنے سر جھکانا پڑا۔ ناچار بستر سے اُٹھا اور دروازے کی زنجیر کھول دی۔

دروازہ کھلا اور میں نے ایک عورت کو منتظر پایا۔ وہ سر سے پاؤں تک ایک ہی لبادہ پہنے ہوئے تھی جو ایک قبا کی طرح اُس کی گردن سے آویزاں تھا۔ میں اُسے گھور رہا تھا۔ سر کے بال سنہری تھے اور جوان معلوم ہوتی تھی۔ زلفوں کے سایہ میں آنکھیں چمک رہی تھیں۔ چہرہ پر کچھ شرارت سی جھلک رہی تھی۔ بوٹا سا قد۔ سُرخ لب اور مرصع دانت۔ معلوم ہوتا تھا کہ شبنم نے رو رو کر رات ہی رات میں میرے دروازہ پر ایک انار کا درخت اگا دیا ہے۔ اُس نے اپنے پیارے سر کو شانے کا سہارا دے کر کہا "کیوں جی، تم چاہتے ہو کہ میں اندر آجاؤں؟"

میں جھجک کے پیچھے ہٹ گیا۔ اور ایسا لگا کہ دیوار سے چپک گیا۔ میں حیران اتنا حیران کہ اس حیرانی کو چھپا نہ سکتا تھا۔ آخر بات بھی حیرانی کی تھی۔ ایک اجنبی عورت کا اور اس قسم کی اجنبی عورت کا رات کے ایسے وقت پر دروازہ کھٹکھٹانا اور چھوٹتے ہی بے تکلفی سے "تم اور تو" کرنے لگنا واقعی حیرتناک امر تھا۔

میں اس کے پیچھے پیچھے کمرہ میں داخل ہو گیا اور جھجکتے ہوئے کہا: "پیاری خاتون مجھے معاف فرمانا میں آپ کو پہچانتا ضرور ہوں۔ مگر حافظہ کی بھول سے نام یاد نہیں آتا۔ تو سیبئی ہے یا ٹولوٹو ہے"؟

وہ منہ سے کچھ نہ بولی اور مسکراتے ہوئے قبا کے بند کھول دیئے۔

اس کا ملبوس سبز زمردی رنگ کا تھا جس پر دھنک کے رنگوں کی آرائشیں تھیں۔ گریبان کی قوس گویا ابھری ہوئی چھاتیوں کا قفس تھی جس سے یہ مضطرب قمریاں پرافشاں پرافشاں باہر نکلنا چاہتی تھیں۔ ننگے گندمی بازوؤں سے ایک ایک سنہری سانپ لپٹا ہوا تھا جن کی آنکھیں سرخ انگاروں کی طرح دہکتی تھیں۔ سفید ملائی کی سی گردن کے اردگرد موتیوں کی دو لڑیاں تھیں۔ نہ جانے ان موتیوں کے نکالنے میں کتنی جانیں ہلاک ہوئی ہونگی!

"اگر تم مجھے پہچانتے ہو تو اس لئے کہ ہم ایک دوسرے کو کہیں خوابوں کی دنیا میں ملے ہیں یا تخیل کے کسی ملک میں دیکھا ہے۔ جہاں خواب آپ ہی اپنی تعبیر ہوتے ہیں۔ میں لامیہ ہوں قلسطیہ یونانی کی بیٹی! پچھلے اٹھارہ سو برس سے میں اپنے مقبرہ میں آرام سے ہی تھی دیوتاؤں کے مرغزاروں میں جہاں وہ اب تک پھولوں کی کیاریوں میں دیبیوں سے آنکھ مچولی کھیلتے ہیں! لیکن ان دنوں مقبروں میں بھی آسائش نہیں۔ مجھے پیرس میں اٹھا لائے اور میرا سایہ یا میری روح پیچھے پیچھے تھی۔ مدت تک میں عجائب خانہ کی برفانی غاروں میں سوتی رہی۔ اور یونہی پڑی رہتی۔ اگر تمہارے ہی وطن کا ایک ماہر صنمیات لوتی بینارڈ جو ہمارے رسم و رواج اور جنتر منتر کا ماہر ہے۔ مجھ پر کچھ پڑھ کر پھونک نہ دیتا۔ میں اب رات کی چند

ساعتوں میں زندوں کی طرح چل پھر سکتی ہوں اور تمہارے اس ذلیل شہر میں گھومتی رہتی ہوں"۔

میں پکارا :۔" اے قدیم دنیا کی پروردہ تو ان نئی نئی تبدیلیوں کو جو روز بروز دنیا پر بھوتوں کی طرح مسلط ہو رہی ہیں۔ نہ جانے کن نظروں سے دیکھتی ہوگی!"

تبدیلیاں؟ ہیں بھی اور نہیں بھی! تمہارے مکانات تاریک ہیں۔ تمہارے لباس بدنما ہیں! اور تمہارا آسمان ہر وقت ماتمی رہتا ہے۔ میں دیکھتی ہوں کہ تمہاری زندگی عام طور پر زیادہ احمقانہ ہے۔ اور بنی نوع انسان ان پرانے ست جگ کے ایام سے کہیں زیادہ غمناک اور نامطمئن ہیں لیکن ایک بات جو میری سمجھ میں نہیں آتی اور جس نے مجھے مبہوت کر رکھا ہے۔ یہ ہے کہ تمہاری بہت سی چیزیں وہی پرانی ہی ہیں کیا...... ان اٹھارہ سو سال میں تم سب نے کچھ اور نہیں بنایا! کیا واقعی نہیں بنایا! کوئی نئی چیز اختراع نہیں کی۔ کیا یہ سچ ہے؟ وہی مکانات اور کھلی ہوا اور گلیاں! کیا سب کچھ یہی ہے؟ کیا تم کوئی نئی لذت تلاش کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے؟ اگر نہیں تو اے دوست یہ بات کس قدر موجب آزار ہے"!

میری حیرت کا انداز ہی میرا جواب تھا۔

وہ پھر مسکرائی، پیارے پیارے سرخ لبوں کے عکس آبدار دانتوں پر اس طرح لرزاں تھے جیسے سیب پر سورج کی کرنیں کھیل رہی ہوں! اس نے اپنی بات کو اور واضح کر کے سمجھایا: "دیکھو میرا لباس یہ ابھی کفن ہے۔ لیکن اس میں اچھی طرح دیکھو میں اس پہلی زندگی میں ریشم اور اون کا لباس پہنتی تھی۔ یہاں دوبارہ آکر بھی مجھے وہی کچھ نظر آیا! میرا خیال تھا کہ یہ چیزیں لوگوں کو یاد نہ ہوں گی۔ میں سوچتی تھی کہ اتنے سالوں کے بعد انسان اس اس طرز کے لباس بنا چکا ہوگا کہ کرنوں اور ریشم کی نرمت کو بھی شرمائے۔ جسکے چھونے سے جواں سال کنواریوں کے نازک بدن اور گلاب کی پتیوں کی ملائمت بھول جائے۔ لیکن تم ابھی تک وہی تاگے وہی اون وہی ریشم پہنتے ہو۔ لو دیکھو میری شنگرفی پاپوش جس پر نایاب ایرانی کتابوں کی جلدوں کا سا سنہری کام ہوا ہے۔ کیا تمہاری پاپوشیں بھی ایسی ہی نازک اور حسین ہوتی ہیں؟ یہی حال

اُس زمانے کے ہیرے جواہرات کا ہے میں یہ سب کچھ دیکھ چکی ہوں۔ آج سے اٹھارہ سو سال پہلے!"

آخر کار میں بھی بولا "۔لامیہ! تو ان ظاہری چیزوں کو بہت اہمیت دے رہی ہے۔ یہ تو دوشیزہ کے حسن کو چھپانے والی چیزیں ہیں۔ اُس کا پورا حسن اُسی صورت میں نظر آتا ہے جس صورت میں اُسے دیوتاؤں نے ڈھالا ہے!"

وہ مجھے تکنے لگی اور پھر آہستہ سے بولی "۔کیا تم جانتے ہو کہ اب عورتیں اُن کا ڈھانچہ، وہ نہیں رہا جو میری زندگی کے ابتدائی ایام میں تھا!"

۲

میں از حد حیران ہوا۔ جب اُس نے اپنے آخری الفاظ کے ساتھ ہی اپنے جواہرات اور لباس کو نیچے سرکا دیا۔ وہ گردن سے لے کر پاؤں تک ایک دیوی کی سی شان و شوکت رکھتی تھی۔ وہ ایک لمبی گہری کرسی میں اُچک کر بیٹھ گئی۔ اور کہنے لگی "تم موجودہ زمانے کے لوگوں نے عورت کو کیوں اُس تکمیل تک نہیں پہنچایا جتنا کہ تم نے پھولوں کو پہنچایا ہے"؟ پھر ایک ملائم اور مترنم آواز میں سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا "آہ وہ دنیا کے شباب کے دن وہ لذتوں کی پہلی پہلی آمد کے دن کیسے تھے!...... میرے قبر میں سونے کے اٹھارہ سو سال کے دوران میں تم سب نے مل کر بھی کوئی نئی لذت دریافت کی ہے۔ مجھے دعوت دو کہ میں تمہارے ساتھ اس میں شریک ہوں"

میں نے عذر کیا "ہمیں ابھی اور وقت کی ضرورت ہے۔"

وہ تمسخر کے طور پر مسکرائی "تمہارا آرٹ اور علم دونوں ہم سے مستعار لیئے ہوئے ہیں —— تم ہمارے مردہ جسموں کو کھانے والے کیڑے ہو! تمہارے فلسفی ڈیکاٹ اور کانٹ ہمارے پارمنڈیو کا پس خوردہ کھانے والے ہیں۔ اقلیدس اور ارشمیدس۔ ارسطو اور افلاطون.... تم نے کوئی نئی دریافت نہیں کی۔ جو اُن کے خیال میں نہ آچکی ہو۔ امریکہ بھی تمہاری دریافت نہیں۔ ارسطو نے کہا تھا کہ زمین گول

ہے۔ اور اس طرح وہ راستہ بنایا جسے آخر کار کولمبس نے اختیار کیا لیکن آہ! اگر تم نے صرف ایک ہی نئی لذت دریافت کی ہوتی، صرف ایک نئی لذت!"

میں نے ایک آہ بھری۔ میں نہ اُسکے قوی دلائل کا جواب دے سکتا تھا اور نہ اُسکے بے پناہ حسن کو برداشت کر سکتا تھا۔ میں نے کہا تو یہ "کیا تم سیگرٹ پیو گی؟ غالباً ارسطو نے تمہیں یہ بھی سکھلایا ہو گا ......"

لامیہ بولی "نہیں، تو کیا تم اسے ایک نئی لذت کے طور پر پیش کرتے ہو؟"

وہ ایک سیگرٹ لینے پر رضامند ہو گئی۔ اور میں نے اُسے ان سفید اور سنہری رنگ کی نلکیوں سے خوشی حاصل کرنے کا بہترین طریقہ سکھلا دیا۔ اور وہاں ایک طویل خاموشی طاری ہو گئی۔ اُس نے ہاتھ میں میری سیگرٹ کی ڈبیا پکڑ رکھی تھی، اور وہ ایک ایسے جذبے کے لطف میں مستغرق نظر آتی تھی جس میں وہ کسی اور کو شریک نہیں کرنا چاہتی تھی! اُس کے لئے ایک اور سیگرٹ جلایا گیا جسے خوب ٹھہر ٹھہر کر پیا گیا۔ آخر کار لامیہ نے ایک نئی لذت پا لی تھی!!

کامران مصوّر

۱

سفید الفیس کے سرسبز و شاداب باغ میں ہم دو طالب علم بوڑھے سنگتراش پرائکس سے کام سیکھا کرتے تھے۔ وہ پتھر کی ایک چوکی پر جو اسکے چہرے کی مانند زرد تھی۔ خاموش بیٹھا اپنے آہنی قلم کی نوک سے پتھر تراش رہا تھا۔ ہم دونوں سرو کے درختوں سے پیٹھ لگائے اس کی پیرانہ سالی اور عظیم الشان شہرت سے مرعوب ہوکر مودب کھڑے تھے۔ ہم بالکل خاموش تھے اور بڑی بیتابی سے اسکے بولنے کے ملتظر تھے۔ اسی طرح بے حس و حرکت کھڑے ہم اسے اس ارادت کے ساتھ دیکھ رہے تھے جس سے وہ بھی واقف نظر آتا تھا۔ ہمیں اچھی طرح معلوم تھا کہ اس نے ان تمام نامور ہستیوں کو دیکھا ہے۔ جن کے حالات معلوم کرنے کے ہم بے حد خواہش مند تھے۔ ہم سادہ لوح بچے تھے۔ جو مشاہیر کے اقوال سننا چاہتے تھے اور ہماری دلی خواہش تھی۔ کہ وہ اپنی روح کی تمام گہرائیوں کو ہم پر آشکارا کر دے۔ ہم ان راز ہائے سربستہ

کو معلوم کرنا چاہتے تھے جو اُسے فن سنگ تراشی کے متعلق معلوم تھے۔ اس نے اپنے فن کی اختراعیں کی تھیں
اس نے ماسولس شہنشاہ کاریا کے مقبرہ میں جو عجائبات عالم میں سے تھا۔ بارہ مجسمے بنانے میں کافی حصہ لیا
تھا۔ رودسیہ کے شہر کے پانچ کولاسی ہیپی فی کا سانڈ جو عورتوں کے عجیب و غریب خوابوں کا باعث تھا
اور میتیل کا اپالو دیوتا یہ سب اسکی کاریگری کے اعلےٰ نمونے تھے جسقدر میں ان شاہکاروں کے موجد کی
ذہانت و فراست پر غور کرتا۔ اسی قدر یہ حقیقت مجھ پر آشکارا ہوتی۔ کہ ضرور اس نادر الوجود یگانہ روزگار
سنگ تراش کو مقدس دیوتاؤں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے تاکہ وہ انسانوں پر ان کی حقیقت کو اچھی
طرح واضح کر سکے۔

معاً کسی کے پاؤں کی آہٹ اور ساتھ ہی ایک مسرور آواز سنائی دی۔ نوجوان ادفیلیون اچھلتا
ہوا ہم میں آکر شریک ہو گیا۔ اور بلند آواز سے کہنے لگا "ارتمیس سنو میں تمہیں وہ بات بتانے آیا ہوں جس کا
سارے شہر میں چرچا ہے اور اگر تم نے پہلے نہیں سنی تو میں آرتمیس کی نیاز دونگا لیکن پہلے علیک سلیک
تو کر لیں ماسوس میں بھول گیا تھا"۔

اس نے ہماری طرف دیکھا گویا وہ ہمیں کہہ رہا تھا۔ کہ اس بات کو سننے کے لئے تیار ہو جاؤ جو میں
سنانے والا ہوں پھر اس نے کہنا شروع کیا "تم جانتے ہی ہو کہ کلیسیدس نے ملکہ کی تصویر بنائی تھی؟"

"ہاں لوگوں نے اس کا ذکر کیا تھا"۔

"لیکن اس افسانہ کا خاتمہ؟ کیا لوگوں نے تمہیں یہ بھی بتایا ہے یا نہیں؟

"تو کیا اسکے متعلق کوئی افسانہ بھی ہے"؟

"اچھا! تو تم اس واقعہ سے ناواقف ہو گیا؟ سنو کلیسیدس کو خاص طور پر ایتھنز سے بلوایا گیا
وہ محل میں گیا۔ ملکہ ابھی تصویر کے لئے تیار نہ تھی۔ اسلئے اس نے آنے میں دیر کر دی اور جب آئی تو اپنے
مصور کے آداب بجا لائے بغیر تصویر اتروانے کے لئے کھڑی ہو گئی۔ وہ مسلسل ہلتی جلتی تھی۔ اور یہ بہانہ بناتی

رہی کہ وہ بیتابی کے باعث ایسا کر رہی ہے۔ کلیبسد میں بڑی بددلی سے تصویر کھینچ رہا تھا اور ابھی اس کا معمولی خاکہ بھی ختم نہ ہوا تھا کہ ملکہ نے اپنی پیٹھ کی تصویر اتروانے کی خواہش ظاہر کی

"بغیر کسی وجہ کے؟"

"وجہ؟ یہ اسکی خواہش تھی۔ اس نے کہا کہ اسکی پیٹھ بھی اسکے باقی جسم کی طرح خوبصورت ہے۔ اور یہ ضرور تصویر میں ظاہر ہونی چاہئے۔ کلیبسد میں نے کہا وہ مصور ہے۔ سنگتراش نہیں۔ اور کوئی مصور ایسی تصویر نہیں بنا سکتا جو کاغذ کی ہموار سطح پر ہر طرف سے دیکھی جا سکے۔ ان باتوں کے جواب میں ملکہ نے صرف اتنا کہا کہ میری یہی خواہش ہے۔ اور مصوری کے قوانین میرے قوانین نہیں۔"

"یہ احمقانہ خیال تو نہیں۔"

اس رائے پر ہمارا ساتھی کچھ بگڑ سا گیا اور کہنے لگا "کیا تمہارا خیال ہے کہ کلیبسد میں نے انکار کر دیا ہوگا؟ وہ ایسا کر سکتا تھا۔ یہ دستور کہیں نہیں۔ کہ مصور کو احکام دیئے جائیں۔ ہم ایسی ہتک برداشت نہیں کر سکتے۔ ملکہ کے والد نے بھی آج تک ایسی لغویات نہیں کی۔ بلکہ جب اس نے رودسیہ کا محاصرہ کیا تو شہر کے اس حصہ کو آگ لگانے سے انکار کر دیا۔ جہاں ان دنوں مشہور سنگتراش پروٹوجینس کام میں مشغول تھا۔"

انکس بولا "مجھے سب کچھ معلوم ہے۔ تم آگے کہو۔"

"بہت اچھا، میں مختصر کئے دیتا ہوں۔ ہاں تو کلیبسد میں سخت ناراض ہوا لیکن اس نے اپنی ناراضگی ظاہر نہ ہونے دی۔ ابھی اس نے ملکہ کی پیٹھ کا نظارہ ختم کیا تھا۔ کہ ملکہ اٹھ بیٹھی۔ اور اسے کل پھر آنے کا حکم دیکر چلی گئی۔ وہ چلا گیا۔ اور دوسرے دن پھر آیا۔ لیکن اسکی حیرت کی کوئی حد نہ رہی جب اس نے ملکہ کے بجائے ایک کنیز کو اپنا منتظر پایا۔ وہ کہنے لگی کہ ملکہ شکار گئی ہے۔ اور اب وہ نہیں آ سکتی۔ اسکی جگہ تصویر کے اختتام تک میں کھڑی ہونگی۔ یہ ملکہ کی خواہش ہے!"

ہم ہنسی سے لوٹ لوٹ گئے۔ اس میں براگکس بھی شریک تھا۔ اوفیلیون نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔" خادمہ کا جسم بھی کچھ بھدا نہ تھا۔ کلیبیدس نے اسے بھی اس کی مالکہ کی طرح تھکا دیا۔ اور پھر روکھے پن سے کہنے لگا کہ اب وہ جا سکتی ہے۔ اور تصویریں کر وہ اپنی جائے رہائش کو چلا گیا۔"

" راستے میں اُسے ایک ملاح ملا جس کے متعلق اُسے معلوم تھا۔ کہ ملکہ اس پر پوری طرح فریفتہ ہے۔ گو اسکا ثبوت کوئی نہیں۔ اس ملاح کا نام گلاکن ہے اور تم اسے اچھی طرح جانتے ہو۔ کلیبیدس اسے اپنے مکان پر لے گیا۔ اور چار دن اسکی تصویر بناتا رہا۔ جسکے اختتام پر اس نے دو تہلکہ مچا دینے والی چھوٹی سی تصویریں بنانی شروع کیں۔ جن میں ملکہ کو ملاح کی آغوش میں دکھایا گیا تھا۔ پہلی میں ملاح کی طرف منہ کئے ہوئے اور دوسری میں پیٹھ۔ اس نے یہ تصاویر رات کے وقت سیلوکس کے محل کی دیوار سے لٹکا دیں۔ اور اس انتقام کے بعد وہ کسی جہاز پر سوار ہو کر فرار ہو گیا۔ علی الصبح ہجوم ان تصویروں کے گرد جمع ہو گیا۔ سترا تو نائیس کو اس کی خبر دی گئی۔ اس نے انہیں بہ نفس نفیس دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ وہ اپنے دربار کے پچیس آدمیوں کو ساتھ لے کر گئی۔ اور ان تصاویر کے سامنے ٹھیر گئی۔ وہ کبھی آگے بڑھتی کبھی پیچھے ہٹتی۔ گویا وہ ایک ایک لکیر کو غور سے جانچ رہی تھی۔ میں بھی وہاں موجود تھا اور خوف سے اسکی نگاہوں کو دیکھ کر حیران ہو رہا تھا۔ کہ جب اس کا غصہ انتہائی درجہ پر پہنچ گیا۔ تو وہ کس کے قتل کا حکم دیگی۔ آخر وہ کہنے لگی۔ میں نہیں جانتی۔ کہ ان میں بہترین کونسی ہے؟ دونوں اپنی اپنی جگہ خوب ہیں!"

براگکس نے اس دوران میں اپنی بھویں ہلائیں۔ اور اسکے چہرے پر جھریاں پڑ گئیں جن سے حیرت عیاں تھیں۔ وہ کہنے لگا۔ ملکہ نے ثابت کر دیا کہ اگر وہ مغرور ہے۔ تو نکتہ رس بھی ہے۔ سارا افسانہ ہی عجیب ہے لیکن تم اسکے ہیرو پر اتنے نازاں کیوں ہو؟ میری رائے میں تو وہ پلاٹ بھی قابل قدر ہے۔ جو ملکہ نے ادا کیا ہے۔"

اڈ فیلیون بولا۔ "اگر ملکہ جرأت کرتی تو وہ دور دراز سمندروں تک کلیبیدس کا تعاقب کرسکتی تھی اور اُسے ایک کتے کی موت مار سکتی تھی ——— لیکن اگر وہ ایسا کرتی۔ تو وہ یونان جیسے حسین ملک میں ایک وحشی عورت کے سوا کچھ نہ سمجھی جاتی۔ اس وقت سٹیراتونا تیس سارے ایشیا پر حکومت کرتی ہے لیکن ایک ایسے شخص سے شکست کھا گئی ہے جس کا ہتھیار صرف ایک قلم ہے۔ اسی لئے مصور بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔ وہ اس دنیا میں ایک لازوال ہستی ہے۔ اب آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا۔ کہ ہم اُس پر اتنے کیوں نازاں ہیں!"

بوڑھے سنگتراش نے حقارت سے ہماری طرف دیکھ کر کہا۔ "ابھی تم بچے ہو۔ ہم بھی کبھی ایسا ہی کہا کرتے تھے جب سکندر اعظم نے جھجک جھجک کر یہ بیان کرنے کی کوشش کی۔ کہ تصویر عمدہ کیوں معلوم دیتی ہے۔ تو میرے دوست اپیلس نے اُسے یہ کہہ کر خاموش کر دیا۔ کہ اس کی باتوں سے رنگ پیسنے والے لڑکے ہنس رہے ہیں۔ سکندر خاموش ہو گیا۔ اور معذرت کرنے لگا۔ ہاں۔ ہاں مگر ایسے واقعات بیان کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ ہمعصر بادشاہوں کا مصوروں کے متعلق اچھا یا برا جو بھی خیال ہو اس سے تصویر کی حیثیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تصویر کا معیار الگ ہے۔ بلکہ ہو سکتا ہے کہ مصور اپنے تئیں ایک کامران بادشاہ سے نہیں۔ جو فاتح فوجوں کے ساتھ شہر میں داخل ہو رہا ہو۔ بلکہ دنیا کے تمام قوانین سے بھی بالاتر سمجھے اور صرف اس الہام کی پیروی کرے۔ جو اُسے رعشہ براندام کر رہا ہو!"

برانکس اب کھڑا ہو گیا۔ ہم حیرت سے سرگوشیاں کرنے لگے۔

"لیکن ایساکس نے کیا، تم کس کے متعلق کہہ رہے ہو؟"

بوڑھے سنگتراش کی آنکھیں نیم فراموش کردہ خوابوں میں کھوئی معلوم ہونے لگیں۔ اور وہ کہنے لگا۔ فرہاسس نے ایسا کیا ——— لیکن کیا یہ دانشمندی تھی ——— پہلے میں ایسا ہی یقین کیا کرتا تھا لیکن آج مجھے شک ہے اور میں نہیں جانتا کہ کیا رائے قائم کروں۔"

اوفیلون نے میری طرف پُرحیرت نگاہوں سے دیکھا۔ لیکن میں اُسے وہ معانی سمجھانے میں ناکام رہا۔ جو اس معمّر سنگتراش کے الفاظ میں مضمر تھے۔

وہ کہنے لگا۔ "برانکس ہم تمہارا مطلب نہیں سمجھے"۔

اس نے جواب دیا۔ "فرہاسس کی تصویر پر وہی تھیس"!

"ہمیں اسکے متعلق کچھ بتاؤ"۔

"کیا تمہیں نہیں معلوم۔ کہ کس طرح فرہاسس نے ایکرو پولس کا پروہی تھیس بنایا تھا"۔

"نہیں"۔

"کیا تمہیں اس حیرت انگیز منظر کا کچھ پتہ نہیں؟ ــــــ اس ہیبتناک موت اور زندگی کے کھیل کا جس میں سے یہ تصویر خون آلودہ نکلی؟

ہمیں سارا واقعہ سناؤ۔ ہمیں کچھ علم نہیں"۔

ایک لمحہ کے لئے برانکس بڑے غور سے ہمارے چہرے کی طرف دیکھنے لگا۔ گویا وہ ہماری روحوں کو ایسی المناک یاد سے بوجھل کرنے میں پس وپیش کرتا ہو۔ پھر کہنے لگا۔ "بہت اچھا۔ میں تمہیں سارا واقعہ سناتا ہوں"۔

۲

"یہ واقعہ جو میں تمہیں سنانے والا ہوں۔ اس سال کا ہے۔ جب افلاطون فوت ہوا۔ میں ان دنوں ماسولس اعظم کے مقبرہ میں کام کرتا تھا۔ یہ ایک اُکتا دینے والا کام تھا۔ سکوپس نے جو ہم سب کا نگران کار تھا۔ فیصلہ کیا۔ کہ وہ سامنے کا مشرقی حصہ خود منقش کریگا۔ یہ حصہ روشنی میں جگمگاتا تھا۔ اور سب اسی کو دیکھتے تھے اور داد دیتے تھے۔ باقی کے حصے یونہی بے توجہی کا شکار ہوتے تھے۔ اپنے ساتھی تیموتھیس نے اسکو پہلو کا حصہ دیا۔ جو جنوب کی طرف تھا۔ اور کچھ ایسا اچھا نہ تھا۔ لیوکارس

مغربی حصہ پر مشغول تھا۔ میں نے اپنے لئے وہ حصہ منتخب کیا جس کی کسی نے خواہش نہ کی تھی یعنی شمالی حصہ جو ہمیشہ سایہ میں رہتا تھا۔

پلیٹفس بھی اس عالیشان یادگار کے اوپر اہرام بنانے میں مشغول تھا جس کی چوٹی پر ایک چار گھوڑوں والی رتھ ایستادہ تھی۔ اس عمارت کے اخراجات اتنے زیادہ تھے کہ مشہور فلسفی اینکساغورث اسے دیکھ کر حیرت سے کہنے لگا "آہ کتنی دولت پتھروں میں تبدیل ہو گئی ہے!"

پانچ سال میں ننھی ننھی دیویوں اور جنگجو عورتوں کے مجسمے بناتا رہا جو سورج کی روشنی میں زندہ عورتوں کی طرح معلوم ہوتے تھے لیکن جب میں ایک مجسمہ بنا لیتا۔ تو میرے لئے یہ لازمی ہو جاتا کہ اسے ہمیشہ کے لئے اس عمارت کے سایہ میں نصب کر دوں۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا کہ تاریکی میں رکھنے سے تمام زندگی پتھر سے نکل گئی ہے۔ اور اسوقت میرے آنسو نکل آتے۔ آخر میرا کام ختم ہو گیا۔ اور میں علتیقہ واپس جانے کی تیاری کرنے لگا۔ اس سال بھی بحر ایجیین کچھ زیادہ محفوظ نہ تھا۔ ہر جگہ جنگ کا میدان گرم تھا اور ہر شہر میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑک رہی تھی۔ مجھے کوئی جہاز نہ ملا۔ جو مجھے پرلیس لے جاتا۔ کاریا کے باشندے جو نہایت اعلےٰ درجہ کے تاجر ہیں۔ فاتحین کی طرف ہو گئے۔ اور جب کالسس اہل مقدونیہ کے ہاتھوں سے نکل گیا۔ تو تمام سوداگروں نے یوبوتی جانے کے لئے اپنے جہاز مال سے بھر لئے۔ تاکہ وہ کنسیدس کی نفاسعہ عورتوں کے ہاتھ اپنے ریشمی لبادے فروخت کریں۔

میں کالسس کی طرف روانہ ہوا۔ جہاں کی سب سے بڑی دیوی ڈینس ہے۔ سمندر کا سفر میرے لئے ناخوشگوار تھا۔ میرے ساتھ جہاز کے اس چھوٹے سے گوشے میں بھی اچھا سلوک نہ کیا گیا۔ جو میں نے اطمینان سے بیٹھنے کو منتخب کیا تھا۔ ان دنوں میرا نام آجکل کی طرح مشہور نہ تھا۔ اور ماسولس کی عظیم الشان یادگار ان لوگوں کے لئے نئی تھی۔ جہاز کے مسافر یہ معلوم کر کے کہ میں ایتھنز کا باشندہ ہوں مطمئن ہو گئے۔ بس اتنا کافی تھا۔ ان دنوں ایتھنز ایک بدقسمت شہر مانا جاتا تھا۔ آخر ایک دن

م کالسس پہنچ گئے ہیں نے جہاز سے اُتر کر اپنے تئیں ایک ہجوم کثیر میں کھو دیا۔ اور ایسا میں نے دیدہ
دانستہ خوشی سے کیا۔ ایک شخص سے پوچھنے پر معلوم ہوا۔ کہ شہر سے باہر غیر معمولی بازار لگا ہے۔ فیلقوس نے
شہر کو برباد کر کے ساری آبادی کو قیدی اور غلام بنالیا ہے۔

اس بازار میں تقریباً پینتالیس ہزار انسان تھے۔ اور غلاموں کی یہ منڈی انہیں ٹھکانے
لگانے کے لئے دو دن سے قائم تھی۔ اور شاید ابھی تین ماہ تک اسے جاری رہنا تھا۔ شہر کھچا کھچ بھرا
تھا۔ اجنبیوں سے، خریداروں سے، تماش بینوں سے۔ جس شخص سے میں نے پوچھا تھا۔ وہ شراب بیچتا
تھا۔ وہ کہنے لگا۔ کہ اس کا پڑوسی جو عموماً غلاموں کو بڑے بڑے داموں پر فروخت کرتا ہے تباہ ہو گیا ہے
اس نے شراب خانے کے مالک کو ہاتھ ہلا ہلا کر یہ بھی کہتے سُنا۔ سوچو تو تھریس کے ایک بست سالہ
تشندہ کی نسبت ہر شخص جانتا ہے۔ کہ اسکی کیا قیمت ہے۔ جب کوئی زمین کاشت کرنے کے لئے بارہ
غلام خریدنا چاہتا ہے۔ تو وہ سونے کے بارہ تھیلے دینے کی اُمید رکھتا ہے۔ اب ذرا قیمت پر غور کرو۔ وُہ
پچاس ڈراچمس تک گر گئی ہے۔ اسی سے دوسری باتوں کا اندازہ لگالو۔ ایسی ارزانی کبھی نہیں سُنی گئی
منڈی میں تین ہزار کنواری لڑکیاں قابل فروخت ہیں۔ وہ اب پچپن ڈراچمس فی لڑکی کے حساب سے
فروخت ہونگی۔ اور جناب یہ خیال نہ کریں۔ کہ میں اس موضوع پر بغیر سوچ سمجھے گفتگو کر رہا ہوں۔ ہوسکتا
ہے کہ زیادہ سفید چمڑے والیوں کی قیمت ذرا زیادہ ہو جائے۔ آہ فیلقوس واقعی عظیم الشان بادشاہ ہے!

اس آدمی کی باتوں سے میں جلد اکتا گیا۔ اور وہاں سے ہٹ کر ہجوم کے پیچھے ہولیا۔ شہر کے کھلے
دروازوں کے باہر دیہات کے وسیع میدان تک میں نے بڑی مشکل کے ساتھ ان گروہوں میں سے راستہ
بنایا جو بازاروں میں گھوم رہے تھے۔ معاً میں نے اپنے قریب ایک جلوس گزرتے دیکھا جس کا انداز
شاہانہ تھا۔ لوگ دائیں بائیں ہٹ گئے۔

سرسار ڈکے چھ مسلح غلام دو دو کی قطاروں میں آگے جا رہے تھے۔ ان کے پیچھے ایک حبشی نے

دیو دار کا ایک علم اٹھا رکھا تھا۔ جو سونے سے مرصع تھا۔ یہ اُستادوں اور کاملوں کا علم تھا۔ آخر میں نے فرہاسس کو دیکھا۔ جسکے سر پر پھولوں کا تاج تھا۔ داڑھی معطر تھی۔ اور اس نے ایک قرمزی عبا پہن رکھی تھی جب وہ قدم اٹھاتا۔ تو ایسا معلوم ہوتا کہ وہ حقارت سے زمین کو پاؤں سے ٹھکرا رہا ہے۔ اس نے اپنی دونوں بانہیں دو حسین لڑکیوں کے کندھوں پر رکھی تھیں۔ وہ ہنود کا دیوتا شو معلوم دیتا تھا۔

اس کی نگاہیں مجھ پر پڑیں۔ اور وہ کہنے لگا "اگر تم براگمس نہیں تو تم کس کی اجازت سے اس کا چہرہ بنائے پھرتے ہو"؟

"اور تم، اگر تم سیملی کے فرزند فرہاسس نہیں تو کس نے تمہیں یہ دیوتاؤں کا سا قد و قامت اور دیویوں کے نازک ہاتھوں کی بنی ہوئی قرمزی عبا دی ہے"؟

وہ مسکرایا، اور حسین لڑکیوں کے کندھوں سے ہاتھ ہٹائے بغیر میرا ہاتھ پکڑ کر ہلایا۔ اور اُسے ایک لڑکی کی عریاں چھاتی کے ساتھ لگا کر دبایا۔ پھر اس نے دائیں جانب کی نوجوان لڑکی سے کہا "چارکلو میرے دوست کا بازو تھام لو۔ اور آگے بڑھو۔ سورج کی روشنی بہت تیز ہو رہی ہے"۔

اسکی خواہش کے مطابق ہم آگے بڑھے۔ فرہاسس جسم کو تول تول کر ایک شان خود نمائی کے ساتھ چل رہا تھا۔ عورتوں کے چھوٹے چھوٹے قدم مصرعہ ہائے موزوں کی مانند تھے۔ چند الفاظ میں اس نے مجھ سے میرے کام کے متعلق دریافت کیا "میرے ہر جواب پر وہ چمک کر کہتا" ہاں ہاں میں اچھی طرح سمجھتا ہوں"۔

وہ ہر طویل موضوع کو مختصر کرنا چاہتا تھا۔ وہ اپنے متعلق کہنے لگا۔ اچھی طرح سمجھ لو کہ تم میری حفاظت میں ہو۔ کیونکہ میرے سوا ایتھنز کا ہر باشندہ اہل مقدونیہ کے نزدیک خطرناک ہے۔ اگر تم ان کی عدالت انصاف میں جاؤ۔ تو کوئی شخص تمہاری آزادی کی قیمت ادا نہیں کر سکتا لیکن اب تم مطمئن رہو"۔

میں نے جواب دیا "میں خوف زدہ نہیں لیکن یہاں تمہارے زیر سایہ"

اس نے کہا۔ ہاں جب فیلقوس کو معلوم ہوا۔ کہ میں اسکے نئے شہر میں آکر اسکی عزت افزائی کرنے

والا ہوں تو اس نے ایک سردار میرے استقبال کے لئے بھیجا۔ جو میرے لئے شاہی تحائف لایا۔ ان میں چھ قوی ہیکل غلام اور دو خوبصورت لڑکیاں ہیں، جو تم دیکھ رہے ہو۔ یعنی قوت میرے جلو میں میرے آگے سے تکالیف دور کرنے کے لئے ہے اور حسن میری محبت کو زینت بخشنے کے لئے ہے۔"

میں نے سوال کیا۔ "یہ مقدونیہ کی لڑکیاں ہیں؟"

"ہاں، اور آج رات یہ دونوں تمہارے بستر کی زینت ہونگی۔ میرے واسطے اور بہت ہیں لیکن تم اکیلے ہو دوست، گوشت پوست کے ان گلابی پھولوں کو میری طرف سے قبول کرو۔ انکے جوان، چمکدار اور نرم جسم نہایت حسین معلوم ہونگے جب گہرے قرمزی رنگ کے بستر پر ——"

اب ہم عظیم الشان منڈی کے پاس پہنچ گئے۔ وہ رکا اور میری طرف دیکھ کر کہنے لگا۔ "تم مجھ سے یہ کیوں نہیں پوچھتے کہ وہ کونسی شے ہے جسکی تلاش میں یہاں آیا ہوں؟"

"میں یہ جرأت نہیں کر سکتا۔"

"تم پوچھ سکتے ہو۔"

"میرا خیال ہے کہ تم غلاموں کے لئے نہیں آئے۔ کیونکہ فیلقوس نے تمہیں اپنے غلام دے دیئے ہیں۔ اور نہ لڑکیوں کے لئے، کیونکہ جیسا ——"

"میں ایتھنز سے کالس صرف ایک ماڈل کی تلاش میں آیا ہوں —————— کیا سمجھے، میرے دوست، اب تو تم حیران معلوم ہوتے ہو۔"

"اپنے لئے ایک ماڈل! تو کیا وہاں اکیڈیمی میں کوئی ماڈل نہیں جس کی تم تصویر اتار سکو؟"

اس نے شاہانہ انداز سے کہا "ہیں آدھ لاکھ کے قریب۔ میرے لئے تمام ایتھنز ماڈل بننے کو تیار ہے۔ لیکن میں ان غلاموں کی منڈی میں ایک ماڈل کی تلاش میں ہوں اور تمہیں ابھی معلوم ہو جائیگا کہ کیوں۔"

یہ کہنے کے بعد اسکے چہرے نے اس دہشت کا اظہار کیا۔ جو پرومی تھیس کا موضوع ہے وہ کہنے لگا تم جانتے ہو کہ ہر ادوان کے نیچے کسی نہ کسی قسم کا پرومی تھیس ضرور موجود ہوتا ہے۔ تیماغورث نے بنایا اور بیچا۔ اپالو دورس نے بھی بنانے کی کوشش کی۔ زیوکسس نے بھی یقین کر لیا کہ اس میں اتنی طاقت ہے کہ ——
لیکن چھوڑو ان باتوں کو ہم ایسی واہیات مصوری کی یاد سے دماغ کو کیوں پراگندہ کریں۔ میرے دوست پرومی تھیس ابھی تک دنیا کے سامنے اصلی رنگ میں پیش نہیں کیا گیا۔

"میرا بھی یہی یقین ہے۔"

مصوروں نے اپنی تصاویر میں دہقانوں کو عریاں اور لکڑی کی بنی ہوئی چٹانوں سے بندھا ہوا پیش کیا ہے۔ ان سب کے چہرے اس طرح بگڑے ہوئے ہیں جیسے داڑھ میں درد ہو رہا ہو۔ عوام اُسے جذبات کہہ لیں تو کہہ لیں۔ مگر پرومی تھیس! آگ کو ڈھالنے والا انسان اور عقاب دیوتا کی کشمکش کا مظہر تمام عالم کے درد کا مجسمہ! نہیں، نہیں، برعکس وہ پرومی تھیس آج تک تخلیق نہیں ہوا۔ مجھے اس وقت بھی وہ صاف صاف تمہارے چہرے کی طرح واضح نظر آ رہا ہے۔ میرا دماغ اُسے بنا چکا ہے۔ اب میری آنکھیں اُس کا انسانی نمونہ تلاش کر رہی ہیں!"

یہ کہہ کر اُس نے اپنی ساتھ والی لڑکی کا سہارا چھوڑ دیا۔ اپنا طلائی اور آبنوسی عصا اٹھایا۔ اور ہوا میں خاکہ کھینچنا شروع کیا۔ پھر کہنے لگا۔ دو ماہ تک میں نے اپنی اس عظیم الشان تجویز پر دماغ سوزی کی ہے میں نے سرزمین تھریس میں الیسٹی پولس کی راس پر کئی ایک عمدہ چٹانیں منتخب کی ہیں۔ سب کام ختم ہو گئے ہیں۔ میری تصویر کا مصالحہ تیار تھا۔ تصویر کا خاکہ مکمل تھا۔ لیکن میں نے اپنا راستہ مسدود پایا۔ میں تصویر کے لئے سر کی تلاش کرنے میں ناکام رہا۔ اگر یہ محض ہر مز یا اپالو یا پین کی تصویر ہوتی۔ تو ایتھنز کے تمام باشندے میرے سامنے فخر سے ماڈل بن کر کھڑے ہوتے۔ مگر ایک ایسا آدمی ماڈل بنانا جس کا چہرہ الہام کی روشنی سے ملتہب ہو اور پھر اُسکے ہاتھوں اور ٹخنوں کو باندھ دیتا۔ نہیں نہیں کیسی طرح

ممکن نہ تھا۔ اور پھر ایک غلام کی طرح اس کا بند بند جدا نہیں کیا جا سکتا۔ مگر ایسے غلام کہاں جن کے سر آزاد یونانیوں کے سے شاندار ہوں۔ مگر فیلقوس نے ایسے کئی نمونے غلاموں کی منڈی میں جمع کر دیئے ہیں اور میں فیلقوس کا مال خریدنے آیا ہوں!"

میں تھرا اُٹھا۔ اور کہنے لگا۔ "اولانتھس کا باشندہ! مفتوحوں میں سے ایک! تم اس تصویر کو کس جگہ ختم کرو گے"؟

"ایتھنز میں"

"ایتھنز کی آزاد سرزمین پر پہنچتے ہی تمہارا غلام خود بخود آزاد ہو جائیگا"۔

"ہاں لیکن اسوقت جب میری خواہش ہو گی۔ اس سے پہلے نہیں!"

"لیکن وہاں اگر تم اپنے قیدی سے یہ سلوک کرو گے۔ تو کیا تمہیں قانون کا خوف نہ ہوگا"؟

فرہاسس نے ایک تبسم کے ساتھ کہا۔ "قانون؟ قانون میری مٹھی میں ہے۔ اس عبا کے شکنوں کی مانند میری مٹھی میں ہے۔ یہ ارغوانی عبا جو میں اس وقت کاندھے پر ڈالے ہوئے ہوں!"

اس نے ایک شاہانہ انداز سے اپنے تئیں عبا میں لپیٹ لیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ ساتھ ہی اس کی وسیع آغوش میں سورج بھی آ گیا ہے۔

۳

اب ہمارے سامنے اولانتھس کے غلاموں کی منڈی تھی۔ ایک شہر کی آبادی دوسرے شہر کی آبادی کے سامنے کھڑی تھی ـــــ فروخت ہونے کے لئے پچیس ہزار مرد عورتیں اور بچے جن کے ہاتھ ان کی پشت پر جکڑے تھے۔ اور جن کے ٹخنے ڈھیلی رسیوں سے بندھے تھے۔ اپنے ہونے والے نامعلوم آقاؤں کے منتظر تھے۔ جو ابھی اگر انہیں خریدنے اور کسی نامعلوم مقام پر لے جانے کے لئے آنے والے تھے۔ اور ایک سپاہی چالیس چالیس کی حفاظت پر متعین تھا۔ خدام کا ایک گروہ ان میں روٹی اور پانی تقسیم کر رہا تھا۔ انہوں نے

شور و غوغا سے آسمان سر پر اٹھا رکھا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی عظیم الشان دعوت ہو رہی ہے۔

فرہاسس غلاموں کی منڈی میں داخل ہوا۔ جہاں نوجوان مرد اور دوشیزہ لڑکیاں فروخت کیلئے موجود تھیں۔ اور جنہیں دیکھ کر ظاہر ہوتا تھا کہ یہ بڑی بڑی قیمتوں پر بکیں گی۔ میں از حد حیران ہوا جب میں نے دیکھا کہ ان کے چہروں پر حزن و ملال کے کوئی آثار نہیں، وہ صرف متجسس معلوم ہوتے تھے۔ جوانی میں انسانی غم و اندوہ کی ایک خاص حد ہوتی ہے۔ اب وہ شاید یہی سوچ رہے تھے کہ ان کا غم ایک آقا کی حفاظت میں چلے جانے سے دور ہو جائیگا۔ یا ہلکا ہو جائیگا۔ اپنے گھروں کی تباہی کے بعد یہ خوبصورت انسان مایوسی و بدنصیبی کا پورا تجربہ کر چکے تھے۔ نوجوان مردوں نے اپنے فرار ہونے کی امیدیں باندھ رکھی تھیں۔ دوشیزہ لڑکیاں کسی آقا کی محبت کا خواب دیکھ رہی تھیں۔ جو شاید انہیں کچھ آرام دے۔ آئندہ حالات کی لاعلمی کی وجہ سے ان میں ایک خاص قسم کی خوشدلی پائی جاتی تھی۔ ہجوم نے انہیں گھیر رکھا تھا اور انہیں بغور دیکھ رہا تھا۔ عام لوگ خریدنے سے پہلے متذبذب تھے۔ بہت کم لوگ تھے۔ جو اس وسیع انتخاب کے درمیان جلدی سے فیصلہ کر سکتے تھے۔ وہ غلاموں کو چھوتے تھے۔ ہاتھوں۔ ٹانگوں کے پٹھوں جسم کی ملائمت اور سینہ کی سختی کو جانچتے تھے اور خوب دیکھ بھال کر آگے گذر جاتے تھے۔ اس خیال سے کہ شاید آگے اس سے اچھا سودا مل جائے۔

فرہاسس ایک لمحہ کے لئے ایک دوشیزہ کے سامنے ٹھیرا جس کا سفید لمبا ڈھانچہ رواں خطوط کی ہم آہنگی کا عمدہ نمونہ تھا۔ اُسکا مالک کہنے لگا "بہت حسین ہے میرے آقا۔ اس سے زیادہ حسین لڑکی کوئی سوداگر پیش نہیں کر سکتا۔ ذرا دیکھیں کیسی سرو قد ہے۔ اور کیسی سفید! کل تک اسکی عمر سولہ سال تھی۔"

دوشیزہ نے ٹوک کر کہا "نہیں اٹھارہ سال"۔

"زیوس کی قسم تم جھوٹ بولتی ہو۔ میرے آقا اسکی عمر سولہ سال ہے۔ اس کی باتوں پر یقین نہ کریں۔ ذرا اسکی سیاہ زلفیں تو دیکھیں۔ آہ جب یہ بال کھولتی ہے۔ تو اس کے گھٹنوں تک گرتے ہیں۔ ذرا اس کی لمبی لمبی

سفید انگلیاں دیکھیں۔ جو کسی قسم کی محنت مشقت سے ناآشنا نہیں۔ یہ ایک رئیس کی بیٹی ہے!

"میرے والد کی نسبت ایک لفظ زبان سے مت نکالو۔"

"یہ ایک جل پری کی طرح حسین ہے۔ تلوار کی مانند تیز اور بالکل باکرہ جیسے وہ پیدائش کے وقت تھی۔"

پھر اس کا لباس اتار دیا۔ فرہاسس نے زمین پر عصا مار کر کہا۔ "کنواری؟ مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ وہ کنواری ہے یا نہیں۔ مجھے تو صرف یہ چاہیئے کہ وہ حسین ہو۔ بس! اسکی رسیاں کھول دو۔ تاکہ وہ اچھی طرح لباس پہن سکے۔ میں اسے خریدونگا۔ اس کا نام کیا ہے؟"

سوداگر بولا "آرتیمیدورا"

"خوب! ہاں تو آرتیمیدورا جان لو کہ آج سے تم فرہاسس کے جلو میں رہو گی۔"

اس نے اپنی بڑی بڑی آنکھیں کھول دیں اور اداسے جھجک کر کہا۔ "تم ہی وہ فرہاسس ہو جو۔۔۔"

"ہاں میں فرہاسس ہوں۔"

پھر اسے اپنے محافظ کی حفاظت میں دے کر وہ آگے بڑھا اور کہنے لگا۔ "کوہ قاف کی چٹانوں سے بندھ کر یہ لڑکی واقعی حسین معلوم ہوگی۔ تاہم یہ میرا پرومی تھیس نہیں بن سکتی۔ ہاں چند خاص عاشقانہ تصاویر کیلئے ماڈل کا کام دے سکتی ہے۔ وہ جو میری فرصت کا دل بہلاوا ہیں۔ مگر میری زندگی کا بہترین کام نہیں۔"

ہم اور آگے بڑھے۔ ہجوم بہت زیادہ ہو گیا تھا۔ اور اس وسیع چٹیل میدان میں سورج کی گرمی اور زیادہ ہو گئی تھی کسی طرف سایہ کا نام و نشان نہ تھا۔

آرتیمیدورا نے ایک سفید کمربند اور ایک نقاب پہن رکھا تھا۔ وہ اکثر مڑ مڑ کر ہمیں دیکھتی تھی۔ اور مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اگر اسے عمدہ لباس پہنایا جائے۔ تو وہ کچھ اور ہی معلوم ہو۔ اس کے چہرے سے ایک عجیب بات عیاں تھی۔ وہ ہم میں سے کسی ایک کو منتخب کرنے کی مشتاق معلوم ہوتی تھی۔ ابھی

ہم بڑے بازار کے نصف میں تھے کہ فرہاسس رُک گیا اور کہنے لگا" نہیں مجھے جس کی تلاش ہے۔ وہ یہاں نہیں جسم کی جوانی اور چہرہ کا حسن یکجا نہیں ملتے۔ میرا خیال ہے کہ مجھے اس آدمی کی تلاش کے لئے دوسرے درجہ دوم کے غلاموں میں جانا چاہیئے۔"

ہم مشکل سے تین قدم چلے ہونگے۔ کہ اس نے اپنا ہاتھ پھیلایا۔ اور چلا کر کہنے لگا" وہ! دیکھو ادھر دیکھو برائمکس!"

میں قریب ہو گیا اور حیرت سے دیکھنے لگا جس آدمی کی طرف اس نے اشارہ کیا تھا۔ کوئی پچاس سال کے لگ بھگ تھا۔ اس کا قد خوبصورت اور اعضا کا تناسب عمدہ تھا۔ چہرہ بڑا سا، ابرو کی محرابیں طاقتور، ناک اور کان بھی خوب سلیقے میں ڈھلے تھے۔ بال سفید لیکن داڑھی بھوری اور خمدار تھی۔ گردن کی مضبوط رگیں اس کے خوبصورت سر کے لئے ایک قسم کا ستون بنی ہوئی تھیں۔ اس سے ایک الوہیت ایک خاص جبروت ٹپکتی تھی!

فرہاسس نے اُس سے پوچھا" تمہارا نام کیا ہے؟"

"اوٹس"

میرے بہادر میں تم سے اور کچھ نہیں پوچھتا۔ صرف وہ نام پوچھتا ہوں جو تمہارے والد نے رکھا تھا۔" ایک مہینہ سے میں اپنے تئیں اوٹس کے نام سے پکارتا ہوں۔ اگر میرا کوئی دوسرا نام تھا تو اسے بتانا میں مناسب نہیں سمجھتا۔"

"کیوں نہیں بتاتے؟"

"میں نے جو کہہ دیا کہ نہیں بتاتا کتے کے بچے"۔

فرہاسس غصے سے دیوانہ ہو گیا۔ غلاموں کا سوداگر گھبرا کے آگے بڑھا اور کہنے لگا۔ میرے آقا اس کی باتوں کا دھیان نہ کریں۔ یہ دیوانہ ہے۔ اور جھوٹ بول رہا ہے۔ اس کی دماغی طاقت مجھ سے بدرجہا زیادہ

ہے۔ یہ حکیم تھا، سارے اولانتھس میں علم و حکمت میں بے مثل تھا میں وہی کہتا ہوں جو ساری دنیا کہتی ہے۔ کیونکہ یہ مقدونیہ میں بھی مشہور تھا۔ کہتے ہیں بیس سال کے عرصہ میں اس نے اتنے انسان تندرست کیئے۔ کہ ہم شہر کی فتح کے وقت بھی اتنے مار نہیں سکے۔ جب یہ پابہ زنجیر ہوا اور اس کی پیٹھ پر کوڑے برسے تو یہ ایک قیمتی غلام ثابت ہوگا۔ اس وقت گستاخ ہے۔ لیکن جلد اپنا رویہ تبدیل کر دیگا۔ جیسا کہ دوسروں نے کر دیا ہے۔ یا کر دیں گے، اگر آپ اسے لے جائیں تو موت سو سال تک آپ کے نزدیک نہیں آ سکتی! مجھے تیس ڈراچمس عنایت فرمائیں۔ اس کا نام نیکوستراتس۔

پھر غلاموں کے سوداگر کی طرف متوجہ ہو کر اس نے حکم دیا۔ اسے ننگا کر دو۔"

نیکوستراتس نے بالکل مزاحمت نہ کی۔ وہ بے بس تھا۔ مگر بارعب! فرہاسس حکم پر حکم دیتا جاتا تھا۔ غلام کبھی ایک حالت میں کھڑا ہوتا کبھی دوسری میں۔ آخر سودا چک گیا۔ اور فرہاسس نے حیرت سے کہا۔ "عظیم الشان حیرانیاں"۔

لیکن میں نے بالکل جواب نہ دیا۔ کیونکہ مجھے حسد سا ہونے لگا تھا۔ پچاس سال ہو گئے ہیں جو ایک زندگی معلوم ہوتی ہے اور میں نے سینکڑوں ماڈل دیکھے ہیں لیکن اس جیسا کوئی نہیں ملا جو نیکوستراتس کا مقابلہ کر سکے۔ وہ انسان کا مکمل مجسمہ تھا۔ انسان کی جملہ رعنائیوں کا، کمالات اور جبروت کا! مجھے اسے ماڈل بنانے کا کبھی اتفاق نہ ہوا۔ کیونکہ وہ بد نصیب ایک ہی بار اس کام آیا —— تم ابھی جان لوگے کہ یہ کیسے ہوا۔

۴

میں گھوڑے پر سوار ہو کر علیقہ ہوتا ہوا اپنے گھر پہنچا۔ میری غیر حاضری کے پانچ سال کے عرصہ میں وہ چند معمولی اشیاء جو میری ملکیت تھیں قرضخواہوں نے فروخت کر دی تھیں۔ اسلئے مجھے کئی ہفتوں تک ایتھنز کی ایک سرائے میں بڑے سادہ طریق سے رہنا پڑا۔ چند دنوں بعد فرہاسس بھی آ گیا اور جب

اس نے میرے اس طرح رہنے کا حال سُنا تو فوراً اپنے ہاں مہمان بننے کی دعوت دی۔ میں اس کے مکان پر شکریہ ادا کرنے اور دعوت نامنظور کرنے گیا۔ وہ اسوقت اکیڈمی کے سنگِ مرمر کے ایک محل میں رہتا تھا جو اس مکان کے بالکل قریب تھا جس میں افلاطون رہا کرتا تھا۔

محل کے باغات دریا تک بڑھے چلے گئے تھے اور محل درختوں سے گھرا تھا۔ ذہن کی کسی کمزوری کی وجہ سے جس کا ہونا ایسے انسان میں واقعی تعجب خیز تھا۔ فراسس بڑا خود پسند اور نمود کا بندہ تھا۔ اس کے پاس بے بہا دولت تھی۔ اور وہ کسی شخص کو مخالفت کا موقع نہ دیتا تھا۔ سنگ مرمر ریشم، سونا اور حسین عورتوں کا جھرمٹ۔ غرض اس کا محل راجہ اندر کا اکھاڑہ معلوم ہوتا تھا۔ اس نے اس کمرہ کی دہلیز پر میرا استقبال کیا جو اس کے نگارخانہ کا کام دیتا تھا جس سے وُہ بالکل ایک دیوتا معلوم ہوتا تھا۔ اس نے اپنے لمبے لمبے بازو میرے لئے کھول دیئے۔ اور میں اسکے ہمراہ اسکے مشہور کمرہ میں داخل ہؤا۔ جو بے شمار شاہکاروں کا مخزن تھا۔ اس نے میرے سوال کے جواب میں کہا "تم میرے پرومی تھیس کی بابت پوچھتے ہو؟ نہیں میں ابھی تک اس پر غور کر رہا ہوں چند دنوں تک اسے مکمل دیکھونگا۔ یہ چھوٹی سی تصویر دیکھو کتنی حیرت انگیز ہے میں نے اس سے زیادہ خوبصورت تصویر کبھی نہیں بنائی"۔

یہ ایک خوابیدہ پری اور دو دیوتاؤں کی تصویر تھی میں نے قریب ہی آرتیمیدورا اور سرمانہ والی دونوں لڑکیوں کو دیکھا اور فوراً معلوم کر لیا کہ تصویر کا ماڈل ہیں۔ اس نے پھر انہیں کھڑا ہونے کا حکم دیا۔ اور میرے ساتھ تصویر کو مکمل کرتا رہا۔

۵

میں پورا ایک مہینہ ایتھنز میں رہا اور اپنے ذاتی اور خانگی معاملات میں اتنا مصروف رہا کہ مجھے اتنی فرصت بھی نہ مل سکی کہ میں اہلِ بلند مرتبت مصور سے دوبارہ مل سکوں۔ ایتھنز واقعی اولاد ہنس کے زوال پر ماتم کر رہا تھا۔ کاسس کی غلاموں کی منڈی۔ انسانوں کی فروخت ایک ایسی ذلت اور بے عزتی تھی۔ کہ

ہر کس و ناکس کی زبان پر اسی کا چرچا تھا، اور جو خاموش تھے۔ انہیں راتوں کو اس کے متعلق ڈراؤنے خواب آتے تھے۔

ایک دن شہر میں افواہ پھیلی کہ ایتھنز کے ایک شہری نے اولان تھس کی ایک عورت کو قید کر رکھا ہے۔ وہ شہری مجرم قرار دیا گیا اور قتل کر دیا گیا۔

اس خطرہ کی خبر پا کر میں فرہاسس کے مکان پر پہنچا۔ وہ تصویر بنانے میں مشغول تھا اور کسی کو اندر جانے کی اجازت نہ تھی لیکن میری منت سماجت سے مجھے اجازت مل گئی ---- میں اس وقار اور تمکنت کو کبھی نہیں بھول سکتا جس کے ساتھ فرہاسس نے مجھے سلام کیا۔ جب میں کمرہ میں داخل ہوا وہ کھڑا تھا۔ بعد ازیں میں نے اس کی نگاہوں کا تعاقب کر کے نیکو سترانس کو دیکھا۔ جو بالکل برہنہ تھا اور بیچ ایک چٹان کے ساتھ بندھا تھا۔

" چیخو"! فرہاسس نے چلا کر کہا اور اسکے خوف زدہ قیدی نے ایسا ہی کیا اور اس پر لعنتیں اور نفرین بھیجنے لگا۔ اسکے منہ سے جھاگ جاری تھا۔

فرہاسس کا چہرہ ویسے کا ویسا ہی تھا اس پر تغیر کی ایک لکیر بھی نہ تھی۔ اس نے سر مارنہ کے غلام سے کہا " ہاں دائیں جانب محض چھوتا، جسم کے اندر مت گھونپنا "

نیکوسترانس نے غلام کو آگے بڑھتے دیکھا۔ تو اسکی تپلیاں پھر گئیں اور اسکی پیشانی پر جانکنی کا پسینہ آگیا۔ اسکے منہ سے آہیں نکلنے لگیں۔ آخر اس نے بچے کی مانند سسکی لی۔ فرہاسس بدستور کھڑا اسکے چہرہ کا مطالعہ کرتا رہا پھر اچانک چلا اٹھا، آہ! کمزور انسان! یہ بہت جلد مر گیا!

× × × × × × × × ×

جب یہ مشہور ہوا کہ کس طرح فرہاسس نے اپنا پرومی تھیس بنایا ہے۔ تو لوگوں کا ایک طوفان اس کے مکان پر امڈ آیا۔ اور "قاتل قاتل" اور "موت موت" پکارنے لگا۔ آخر فرہاسس اپنی تمام شان و شوکت کیساتھ

ہجوم اور اسکے شور و غوغا کے سامنے شاہانہ وقار سے کھڑا ہو گیا۔ پھر آہستہ سے اس نے اپنی تصویر کو اُٹھایا۔ جیسے کوئی دیوتا دنیا پر رحمت برسانے کے لئے ہاتھ پھیلائے۔ اور اُسے ایتھنز کے حُسن پسند اور آزادی کے متوالے باشندوں کے سامنے پیش کر دیا۔

سارے مجمع کے بدن میں ایک کپکپی دوڑ گئی، حیرت و مسرت کی لہریں اپنے پُورے عروج سے اُٹھنے لگیں تصویر کیا تھی، انسانی درد و کرب اور موت سے پسپائی کا مجسمہ تھی! لوگ پہلی مرتبہ تخلیق کے پردے پر ہیئت بر حسن کا مطالعہ کر رہے تھے کچھ دیر تک ایک کامل سکوت نے جیسے عبادت گاہوں میں ہوتا ہے سب کو ڈھکے رکھا پھر چند ایک بے سُود معاندانہ آوازیں اٹھیں اور اُٹھتے ہی تحسین کی شاندار گونج میں غرق ہو گئیں۔

ستارہ

نادر شاہ کی داستانِ عشق

۱

نادر شاہ اپنے خیمہ میں لیٹا اطمینان سے مُسکرا رہا تھا۔ ان دنوں مغلوں کی عظیم الشان سلطنت اُس کے قدموں میں بے دست و پا پڑی سسک رہی تھی۔ فتح و نصرت اُس کی ہمرکاب تھی۔ وہ اس خیال میں محو تھا کہ بہت جلد وہ سکندرِ اعظم کے مرتبہ پر پہنچ جائیگا۔ وہ ایک نئی دنیا کی فتح کے دل خوش کن خواب دیکھ رہا تھا۔

وہ پیدائشی ترک تھا اور اپنی خداداد قابلیت اور سپاہیانہ جرأت کی وجہ سے اس مرتبہ پر پہنچا تھا کہ دنیا اُس کے نام سے تھراتی تھی۔ اُس کی مثال بالکل ایک بگولے کی سی تھی۔ جو پُوری شان و شوکت سے اٹھا۔ آندھی کی طرح چھا گیا۔ اور پھر ایسا مٹا کہ اس کا نشان ملنا محال ہے۔ نپولین اعظم کی زندگی بھی اُس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

جس وقت وہ تخت پر متمکن ہوا ایران عجیب کشمکش کی حالت میں مبتلا تھا۔ ترک افغان اور روسی دشمن سلطنت کو زیر و زبر کرنے پر تلے بیٹھے تھے۔ ہر طرف فتنہ و فساد، سازش اور بغاوت کی آگ بھڑک رہی تھی لیکن اس بے آئینی کی حالت میں اس نئے حکمران نے اپنی خداداد قابلیت اور قوت تدبیر سے بہت جلد ملک میں امن قائم کر لیا اور بہت جلد اپنے جاں نثاروں کی مدد سے براعظم ایشیا کے لئے ایک دہشت بن گیا۔

ان دنوں اُس نے ہندوستان پر حملہ کر کے مغل شہنشاہ محمد شاہ رنگیلے کا ناک میں دم کر رکھا تھا۔ اس کا حریف اُسکے لشکر میں صلح کی گفت و شنید کیلئے آیا تھا اور ذلت سے واپس کر دیا گیا تھا —— وہ حریف جس نے ایک مرتبہ نادر شاہ کے متعلق توہین آمیز کلمات کہنے کی جرأت کی تھی!

وہ سوچ رہا تھا کہ کامیابی واقعی عجیب چیز ہے لیکن انتقام! انتقام اس سے بھی زیادہ پُر لطف ہے اس خیال سے ایک لمحہ کے لئے اس جنگجو انسان کے لبوں پر ایک ملائم تبسم کھیلنے لگا۔

اُس نے علی اکبر اور احمد خاں قندھاری اپنے دو دانا وزیروں کو طلب کیا اور آئندہ طرز عمل پر بحث کرنے لگا۔ اُس کی دلی خواہش تھی کہ محمد شاہ کے صوبجات پر قبضہ کر کے اُسے اذیت پہنچائی جائے اور اُسے اچھی طرح ذلیل کیا جائے۔ اُس کا ارادہ تھا کہ لشکر کے تازہ دم ہوتے ہی دارالسلطنت دہلی پر حملہ کر دے اور کچھ عرصے کے لئے ایک فاتح کی حیثیت سے شہر پر قابض رہے اور پھر سلطنت محمد شاہ ہی کو دیکر خود واپس چلا جائے۔

لیکن اس کا ایک مقصد اور بھی تھا۔ دہلی میں بے شمار دولت تھی! مسلسل جنگوں میں اُسے بیشمار اخراجات برداشت کرنے پڑے تھے۔ اور اس کی اپنی رعایا محصولات کے بوجھ سے چلا رہی تھی۔ اور اب وہ اسے زیادہ تنگ کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اُس نے خیال کیا کہ آخر اس بوجھ کو شکست خوردہ حریف کے کندھوں پر کیوں نہ ڈال دیا جائے۔ علاوہ ازیں وہ دہلی کی دولت سے اپنے آئندہ ارادوں کے لئے

راستہ ہموار کرنا چاہتا تھا۔

نادر ایک مرتبہ پھر مسکرایا۔

معاً وہ رک گیا خیمہ کے باہر سے کچھ آوازیں آرہی تھیں، ایک لمحہ بعد خیمہ کا پردہ اٹھا اور ایک خادم خاموشی کے ساتھ اندر داخل ہوا، نادر نے پوچھا "کیا ہے"؟

خادم جھک کر آداب بجالایا اور کہنے لگا "مغل شہنشاہ نے موعودہ تحائف بھیجے ہیں، ایک ہاتھی چند گھوڑے، پچاس غلام اور بہت سی حسین عورتیں"۔

نادر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ یہ تحائف بے وقت پہنچے تھے۔ وہ شام سے اُن کا انتظار کر رہا تھا اِس وقت تاریکی پھیل چکی تھی، اور وہ تھکا ہوا بھی تھا۔ اس لئے اُس نے یہی مناسب سمجھا کہ ہاتھی گھوڑوں کے معائنہ کو صبح پر اُٹھا رکھے۔

لیکن عورتیں! وہ انہیں دیکھنے کا بے حد مشتاق تھا۔ اُس نے ہندی حسن کے متعلق بہت کچھ سُن رکھا تھا۔ احمد خاں نے اُسے بتایا تھا کہ وہ سرو کی مانند نازک، ہرن کی مانند چاک و چوبند ہوتی ہیں اور اُن کی آنکھیں ستاروں کی طرح چمکتی ہیں اور آہوانِ مست کی آنکھوں کو شرماتی ہیں، احمد خاں قندھار کا باشندہ تھا جو ہندوستان کے بالکل قریب ہے۔ اس لئے یقیناً وہ ہندی عورتوں کے متعلق بہت کچھ جانتا تھا۔

نادر نے ایک لمحہ بھی ضائع نہ کیا اور اپنے خیمہ سے نکل کر اس خیمہ کی طرف چلا جس میں وہ فروکش تھیں۔ اُس نے داخل ہوتے ہی بیک نظر معلوم کر لیا کہ واقعی اُن کے حسن کے متعلق مبالغہ سے کام نہیں لیا گیا۔ ان میں ایک سے ایک زیادہ حسین تھی۔ مگر نادر کی نگاہیں صرف اُس لڑکی کے چہرے پر ٹھہریں جو قطار کے وسط میں کھڑی تھی ـــ بلند قامت اور نازک بدن، اسکے رخسارے انگارے کی مانند سرخ ہو رہے تھے۔ اُس نے نہایت بے اعتنائی سے نادر شاہ کی طرف دیکھا اور نگاہیں نیچی کر لیں۔

نادر شاہ نے پوچھا "یہ لڑکی کون ہے"؟

ایک خواجہ سرا نے نہایت ادب سے جواب دیا "جہاں پناہ یہ ایک راجپوت دوشیزہ ہے"۔

لڑکی ایک نفرت آمیز طریق سے ہنسی اور نہایت بے باکانہ انداز میں کہنے لگی "وہ دوشیزہ! جھوٹ کہتے ہو، میں شادی شدہ ہوں"۔

خواجہ سرا، لڑکی کی گستاخی سے غضبناک ہوکر، چابک لے کر اُن لبوں پر جن سے یہ گستاخ الفاظ نکلے تھے، مارنے کے لئے آگے بڑھا، لیکن یکایک پیچھے ہٹ گیا، کیونکہ ستارہ نے ——— یہی اُس عروس کا نام تھا ——— کمر سے ایک خنجر نکال لیا تھا اور اُسے مارنے کے لئے تیار ہوگئی تھی۔ اُسکے اس انداز سے شجاعت اور غیرت نمایاں تھی۔

نادر ہنسا۔ وہ ستارہ کی جرات پر ازحد خوش تھا، وہ اسے مخاطب کر کے بولا "یہ خنجر مجھے دیدو!"

لیکن ستارہ بالکل بے حس و حرکت کھڑی رہی! ———

اُس نے پھر کہا "یہ خنجر مجھے دے دو"۔

اس مرتبہ اُس کی آواز میں درشتی تھی۔

ستارہ نے کچھ تامل کے بعد خنجر اُسکے حوالے کر دیا۔ نادر نے اُسے اپنی کمر میں رکھ لیا اور ایک لفظ کہے بغیر عورتوں کی قطار کے آگے سے گزر کر باہر چلا گیا۔

۲

خیمہ میں واپس آکر نادر دیر تک گوناگوں خیالات میں غرق رہا۔ ستارہ کی ادا اُسے ایسی بھا گئی تھی کہ وہ اسے دل سے محو نہ کرسکتا تھا، اور جب وہ بیٹھا اُسکے خنجر سے کھیل رہا تھا، ایک خفیف سا تبسم اُسکے لبوں پر نمودار ہوگیا۔ ستارہ واقعی حسین تھی!

اُس نے بڑی بڑی حسین عورتیں دیکھی تھیں، اور اُن سے محبت کی تھی، لیکن ستارہ جیسی

حسین عورت اُس نے آج تک نہ دیکھی تھی۔ اُس میں وہ سرور تھی طاقت تھی اور اُس کا حسن! اُس نے زندگی بھر ایسا حسن نہ دیکھا تھا۔ معاً اس کی آنکھوں میں ایک چمک پیدا ہو گئی۔ جو محبت سے لبریز تھی۔ اُس نے ارادہ کیا کہ ایک مرتبہ پھر اُسے دیکھنا چاہئے اور اس دفعہ تنہائی میں دیکھنا چاہئے۔ وہ کھڑا ہو ہو گیا اور ایک خادم سے کہنے لگا۔

"آغا باشی کو فوراً یہاں بھیجدو"۔

خادم یہ الفاظ سنتے ہی حکم بجا لانے کے لئے دوڑا۔

ایک لمحہ بعد آغا باشی خیمہ میں داخل ہوا۔ وہ ایک بلند قامت مگر متین چہرے والا حبشی تھا۔ نادر نے اُسے اپنی خواہش سے آگاہ کیا۔ وہ کچھ ملول سا ہو گیا۔ وہ ایک وفادار خادم تھا اور ستارہ کی جرأت کو بخوبی جانتا تھا۔ اُس نے سوچا کیا وہ ستارہ سے تنہا ملیگا؛ اُس نے اس کے خلاف کہنا چاہا لیکن نادر نے اُسے فوراً روک دیا اور کہنے لگا۔ "اُس لڑکی کو فوراً میرے پاس بھیج دو میں اُسے دیکھنا چاہتا ہوں ابھی اسی وقت ————"

خواجہ سرا جھک کر اور "جو حضور کی مرضی" کہہ کر خیمہ سے باہر چلا گیا۔

نادر اُسے جاتے بغور دیکھتا رہا اور پھر خیمہ میں اِدھر اُدھر ٹہلنے لگا۔ رات کی پُرخوف خاموشی اُسے ستا رہی تھی اور ستارہ کا خیال بار بار آ رہا تھا۔ وہ اپنی نشست پر جا بیٹھا اور انتظار کرنے لگا۔

یکایک پردہ ایک طرف ہٹا اور غلام لڑکی اندر داخل ہوئی۔ وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھا رہی تھی۔ مارے شرم کے اس کا سر جھکا ہوا تھا لیکن اُس کی چال میں ایک عجیب شان تھی۔ اس کا دل دھڑک رہا تھا اور ہونٹ خوف سے کانپ رہے تھے۔ نادر ایک بت کی طرح اُس کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگا۔ وُہ پہلے سے ہزار گنا زیادہ حسین معلوم ہوتی تھی۔

نادر کی آنکھیں اُسکے چہرے پر گڑی ہوئی تھیں اور شمع کی مدھم روشنی میں اس کا سادہ لباس

اُسکے حسن کو دوبالا کر رہا تھا۔ وہ خیمہ کے وسط میں ٹھہر گئی اور چپ چاپ کھڑی ہو گئی۔ نادر نے کہا "ذرا قریب آجاؤ۔ میری طرف دیکھو تم خوفزدہ کیوں ہو؟"

ستارہ نے اُس کی طرف پُرخوف نگاہوں سے دیکھا۔ وہ واقعی خوفزدہ تھی۔ کیونکہ اس کا خیال تھا کہ وہ موت کے منہ میں جا رہی ہے جسکی اُسے تمنّا نہ تھی۔ گو ایک گھنٹہ پیشتر اُسے زندگی کی ذرّہ بھر پروانہ تھی لیکن اب! اب جب کہ اُس نے زندہ رہنے کا سبب معلوم کر لیا تھا۔ وہ زندہ رہنے کی متمنی تھی۔ آج تک اس کا شمار حرمِ محل کی کٹھ پتلیوں اور خوشامدی کنیزوں میں رہا تھا لیکن اس وقت وہ ایک مرد کے سامنے کھڑی تھی! ایسا مرد جس کے وہ اکثر خواب دیکھا کرتی تھی۔ جو طاقتور شجاع اور باجبروت تھا۔ اُس کی دلی خواہش تھی کہ اپنے تئیں اُس کے قدموں پر گرا دے اور ناز لبیت خدمت گزاری کی قسم کھائے۔ وہ محبّت کے بدلے محبت کی طالب تھی۔ وہ اپنے تئیں اس کا اہل تصور نہ کرتی تھی۔ لیکن اُس کی خدمت! اُس کے لئے یہی کافی تھا کہ عمر بھر اُس کی خدمت کرتی رہے اور اگر ضرورت آن پڑے تو اس پر اپنی جان بھی نثار کر دے!

نادر نے بھی تاڑ لیا کہ ستارہ کے دل میں اس قسم کے خیالات موجزن ہیں۔ عورتوں نے آج تک حرص دولت و ثروت کیلئے اُس سے محبت کی تھی۔ مگر یہ عورت خود بہادر تھی۔ ایسی تھی۔ جو محض اس کی بہادری کیلئے اس سے محبت کرتی تھی اور وقت پر جان تک دینے کو آمادہ تھی۔

نادر کو بخوبی معلوم تھا کہ ایسی بات کہنے کیلئے اُسے کافی جرأت سے کام لینا پڑیگا۔ اس لئے اُس نے نہایت شریفانہ لہجہ میں اُسے تسلی دی اور یقین دلایا کہ اس کا قصور معاف کر دیا گیا ہے۔ پھر اُس نے اُس کی زندگی کے حالات دریافت کئے۔

معلوم ہوتا تھا کہ ستارہ کے دل میں مغلوں کی محبت نہ تھی۔ اُس نے بتایا کہ وہ ایک راجپوت گھرانے میں پیدا ہوئی اور ابھی بچہ ہی تھی کہ گرفتار ہو گئی اور ایک مغل سپاہی کے ساتھ بیاہ دی گئی لیکن وہاں سے وہ بھاگ نکلی اور کئی حادثات کے بعد مارواڑی تاجروں کے گروہ میں اُس نے پناہ لی۔ وہ اسے دہلی لے آئے

وہاں شہنشاہ کی ایک حرم اُس پر مہربان ہوگئی اور آج تک وہ اسی کی خدمت میں رہی۔

نادر کچھ دیر خاموش رہا۔ پھر بولا اور اُس کی آواز جوشِ محبت سے کانپ رہی تھی۔ وہ کہنے لگا "کیا تو میری ملکہ بنے گی؛ ایسی ملکہ جسکے سامنے ساری دنیا کے سر خم ہونگے"؛

ایک کپکپی بجلی کی سی سُرعت کے ساتھ اُس کے جسم میں دوڑنے لگی۔ اُسے یقین نہ آتا تھا کہ اُس کے کانوں نے واقعی یہ الفاظ سنے ہیں۔ وہ ایک مجرم کی حیثیت سے آئی تھی۔ مگر ایک فاتح شہنشاہ کو ملتجی دیکھ رہی تھی، جو اسے عزت طاقت اور دولت پیش کر رہا تھا۔ اس نے اپنے تئیں نادر کے قدموں پر گرا دیا اور فرطِ محبت سے اُسکے پاؤں چوم لئے۔ یہی اُس کا جواب تھا!

نادر نے اُسے اٹھا لیا اور کہا "اب تم میری ملکہ ہو، لونڈی نہیں ہو تمام دوسری عورتیں تمہارے پاؤں چومیں گی تم اپنے تئیں اس قدر ذلیل نہ سمجھو"۔

اُس نے آغا باشی کو حکم دیا کہ قاضی کو بلائے اور چند لمحہ بعد ستارہ جو ایک حقیر کنیز کی حیثیت سے آئی تھی۔ اُس زمانہ کے عظیم الشان سپاہی کی با عزت ملکہ بن گئی! —— اُس وقت اُس کا لباس جواہرات سے چمک رہا تھا۔

سارے لشکر میں یہ خبر بجلی کی طرح پھیل گئی، لوگ طرح طرح کی باتیں کرنے لگے لیکن ستارہ کو ان باتوں کی ذرہ بھر پرواہ نہ تھی۔ وہ از حد مسرور تھی۔ نادر کی محبت اُس کے روئیں روئیں میں سرایت کر گئی تھی۔ اس کے سوا اُسے اور کوئی خیال نہ تھا۔ اور نہ دوسرے خیالات کے لئے اُس کے دماغ میں جگہ تھی۔

بعض دفعہ وہ اپنے تئیں اجنبی اور تنہا محسوس کرتی جس کیلئے وہ مجبور تھی۔ مگر وہ اس تنہائی میں بھی خوش تھی۔ اُسے اُن لمبے گرم دنوں سے از حد محبت تھی۔ جن میں وہ اپنے خیمہ میں تنہا بیٹھی شام کا انتظار کیا کرتی تھی، نادر شام کو اس کے پاس آتا تھا۔ ایک بادشاہ کی طرح نہیں بلکہ ایک شوہر کی طرح! او

پھر ساری رات وہ وہیں رہنا۔

اور واقعی نادر ہر شام اُس کے پاس ہوتا تھا!

آہستہ آہستہ اُس نے لشکر کی دوسری عورتوں سے راہ و رسم پیدا کی کیونکہ اس کے بغیر چارہ نہ تھا اس طریقہ سے اُس نے کئی بدگمان رقیبوں کو رام کر لیا۔ لیکن ان میں ایک رقیب ایسی بھی تھی۔ جو ستارہ کی تمام خوبیوں کے باوجود اس کی دشمن تھی۔ اس بد باطن اور کینہ پرور عورت کا نام شیرازی تھا۔ وہ نادر شاہ کی چہیتی تھی۔ جسے ستارہ کے آنے پر رد کر دیا گیا تھا۔

رقابت کی آگ کے تیز و تند شعلوں نے شیرازی کے دل کو بھڑکا دیا۔ اس نے اپنے دل سے قسم کھائی کہ جب تک وہ ستارہ سے شدید ترین انتقام نہ لے گی چین سے نہ بیٹھے گی۔ بھولی بھالی ستارہ کو اِن بد ارادوں کا علم نہ تھا۔ شیرازی اپنی مکاری سے اُسے یہ معلوم کرنے کا موقع ہی نہ دیتی تھی۔ اُس نے ستارہ سے خوب گہری دوستی پیدا کر لی تھی اور اپنی مکر آمیز چکنی چپڑی باتوں سے اُسکی رازدار بن گئی تھی۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کہ آخر یہی رازداری کام آئے گی۔ وہ ہر وقت ستارہ کی حرکات پر نگاہ رکھتی اور مناسب موقع کی تاک میں رہتی۔

شیرازی کوئی معمولی عورت نہ تھی۔ وہ علی اکبر کی بہن تھی۔ لیکن بیچاری ستارہ کو کیا معلوم کہ اس رازداری کے پردے میں کیسے کیسے مصائب و آلام اُس کے لئے اکٹھے کئے جا رہے تھے۔ اور اگر اُسے معلوم بھی ہو جاتا تو کیا وہ اس کی پرواہ کرتی؟ کبھی نہ کرتی۔ وہ ایسی عورت تھی۔ "جو پچھلا کل دفنا چکے اور اگلا کل کل ہو۔" کے مقولہ پر عمل پیرا تھی۔ اُسے ایک ایسا محبوب مل گیا تھا جسے اس سے پہلے کوئی عورت اسطرح حاصل نہ کر سکی تھی۔

نادر کے مصاحب اس کی اس محبت پر سخت حیران تھے۔ جو وہ ستارہ کے لئے ظاہر کرتا تھا وہ انتہائے حیرت سے ایک دوسرے سے چہ میگوئیاں کرتے تھے کہ دیکھیں اس انوکھی محبت کا انجام

کیا ہوتا ہے ؟

۳

نادر شاہ کا جرار لشکر اسی طرح پڑاؤ ڈالے پڑا تھا۔ دن یکے بعد دیگرے تیزی سے گزر رہے تھے۔ نادر کو اندیشہ تھا کہ اُس کی افواج اسی طرح کچھ اور عرصہ بیکار پڑی رہیں تو اُن کا جوش سرد پڑ جائیگا اُس نے دہلی کی طرف کوچ کا حکم دے دیا۔ یہ سنتے ہی لشکر میں تیاریاں شروع ہوگئیں۔ شام تک نادر شاہ بھی انہیں تیاریوں میں مصروف رہا۔ اور پھر حسب معمول ستارہ کے خیمہ میں گیا۔ وہ از حد تھکا ہوا تھا۔ اور اُس آدمی کی مانند معلوم ہوتا تھا جو کسی خواب سے بیدار ہوا ہو۔ اس خیال سے کہ اب وہ پہلے کی طرح اُس کی پُر لطف محبت سے بہرہ ور نہ ہو سکیگا۔ نادر شاہ نے ستارہ کی طرف دیکھا۔ اُس کی نگاہوں میں حسرت تھی۔ کیونکہ وہ بخوبی جانتا تھا کہ اب اس کے سامنے زیادہ اہم معاملات پیش ہونے والے ہیں!

سلطنت اور جنگ کے معاملات! ـــــــ وہ افسوس کر رہا تھا کہ وہ ایک ہفتہ اور کیوں ڈھیر گیا۔ عورت کی محبت! آہ ایک عورت کی محبت کس قدر زبردست اور قابل قدر چیز ہے! اُس کی خداداد طاقت سے بھی زبردست طاقت!

ستارہ بھی یہ بات اُس کے بشرے سے تاڑ گئی۔ اُس نے بادشاہ کا غم دور کرنے کی کوشش کی لیکن بے سُود۔ وہ یہ معلوم کرنے کی از حد مشتاق تھی کہ اُسکے غم کی وجہ کیا ہے۔ نادر نے اپنی پگڑی سے ایک بیش بہا اور نایاب ہیرا اتارا اور ستارہ کو دے کر کہا "میں یہ تمہیں بطور تحفہ دیتا ہوں۔ اگر تم میرے پاس آنا چاہو تو یہ ہیرا بھیج دینا۔ میں خواہ کسی حالت میں ہوں تمہیں ضرور بلا لونگا۔"

اب ستارہ کو اسکے غم کا حال معلوم ہوا۔ اُس نے وہ ہیرا لے لیا۔ اُسوقت اسکے دل میں وہم تک بھی نہ تھا کہ اُسے واقعی کبھی اسکی ضرورت پیش آئیگی۔

یہ واقعہ ستارہ کو صرف ایک گزرتا ہوا بادل دکھائی دیا جس نے ایک لمحہ کے لئے اُس کی مسرت

کو ڈھانپ لیا۔ دوسرے دن دہلی کی طرف کوچ شروع ہو گیا۔ ستارہ کے لئے یہ سفر نئے اور حیرت انگیز تجربات سے بھرا ہوا تھا اور اُس نے اسکے ہر لمحہ سے لطف اٹھایا کیونکہ وہ اپنے محبوب کے پہلو بہ پہلو سوار تھی۔ اور اسی طرح فتح و نصرت کے ہمرکاب وہ دہلی میں داخل ہوئی۔

یہ لمحہ اُس کی زندگی میں بیک وقت افسوسناک اور دل خوش کن تھا۔ وہ دہلی سے ایک قیدی کنیز کی حیثیت سے نکلی تھی اور اب ایک فاتح ملکہ کی حیثیت سے شاہی محل میں فروکش تھی۔ اس کے گرد وپیش عیش وعشرت کا سب سامان موجود تھا۔ جو ایک فاتح کی منظورِ نظر رفیقۂ حیات کے شایانِ شان ہو سکتا تھا۔

دوسرے روز مغل ملکہ —— جس کے محل میں ستارہ کبھی ایک ادنےٰ کنیز تھی —— اُس کی ملاقات کو حاضر ہوئی اور دست بستہ التجا کرنے لگی کہ اپنے اقتدار سے شہر کو تباہی و بربادی سے بچالے۔ ستارہ نے خندہ پیشانی سے اس بات کا وعدہ کر لیا۔

اس نے خیال کیا کہ جب زمانہ نے اُس کے ساتھ مہربانی کا سلوک کیا ہے تو اُسے بھی لوگوں پر مہربانی کرنی چاہیئے۔ جب نادر رات کو اُس کے پاس آیا تو ستارہ نے اپنے وعدہ کا ذکر کیا۔ نادر نے ہنستے ہوئے قبول کر لیا۔ اُس نے بتایا کہ پہلے ہی افواج میں احکام صادر کر چکا ہے کہ ظلم و تعدی اور لوٹ مار سے پرہیز کیا جائے اور لشکر کو بھی ان احکام کی تعمیل میں عذر نہیں کیونکہ اُسے شہر والوں سے کسی قسم کا خوف نہیں شکست نے اُن کی ہمت بالکل توڑ دی ہے۔

لیکن نادر کا یہ خیال بالکل غلط نکلا۔ چند روز بعد جب ستارہ کمرے میں نادر کی منتظر بیٹھی تھی۔ اُسے چیخ پکار اور شور و غل سنائی دیا۔ وہ یک دم اُٹھ بیٹھی۔ اس نے سوچا شاید نادر اپنا وعدہ بھول گیا ہے پھر اس نے خیال کیا کہ کیا یہ ممکن ہے؟ نہیں ہرگز نہیں! نادر اپنا وعدہ کبھی نہیں بھول سکتا لیکن پھر اُس کی تشویش نہ مٹتی تھی۔ اُس نے آغا باشی کو بلا کر دریافت کیا جس نے بتایا کہ شہریوں نے بلوہ کر دیا ہے اور انہیں

اپنے کئے کی سزا مل رہی ہے"

سزا مل رہی ہے! ستارہ ان الفاظ کا مطلب بخوبی سمجھتی تھی، اُسے معلوم تھا کہ نادر کی سزا کیا معنی رکھتی ہے۔ اُس نے نادر کو کہلا بھیجا کہ خدا کے لئے اپنا ہاتھ روک ـ لے اور بدقسمت دہلی کو تباہی سے بچالے۔ لیکن دیر تک اُسے کوئی جواب نہ ملا۔ آخر بڑی مایوسی کے بعد اُس نے پیر ابھیجا۔

لیکن اس پر بھی یہ ہولناک خونریزی بند نہ ہوئی۔ نادر کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا۔ اُس نے خیال کیا کہ وہ مجھ سے ناراض ہے؟ کیا اُس نے میری منت اور سماجت کو رد کر دیا ہے؟ کیا میں نے ایک ایسے معاملہ میں دخل دیا ہے جس میں مجھے کچھ کہنے کا کوئی حق نہ تھا؟

غریب ستارہ! وہ ازحد مغموم اور نا اُمید تھی۔ اُس نے آج ہی ایک درخواست کی تھی اور وہ مسترد ہو گئی تھی!

لیکن اُسے صحیح حالات کا علم نہ تھا۔ وہ بالکل نہ جانتی تھی کہ تمام دن اُس کی التجا نادر کے پیش نظر تھی، فوج کے سردار اُس کے صبر و تحمل پر جو وہ شہریوں کو سزا دینے میں کام میں لا رہا تھا حیران ہو رہے تھے۔ کہ نادر اور یہ تحمل! ستارہ کو یہ حقیقت اُس وقت تک معلوم نہ ہوئی جب تک نادر نے رات کو اُسے خود نہ بتایا۔

آخر جب ایرانی لشکر دہلی کی بیش بہا دولت سے مالا مال ہو کر شمال کی جانب لوٹا تو ستارہ نے محسوس کیا کہ یہ ایک نئی زندگی کی ابتدا ہے۔ ایک ایسی زندگی کی ابتدا جس میں ماضی کا ہر لمحہ اور اُسکی یاد ایک خوش آئند مستقبل میں کھوئی جا رہی تھی۔

اُس کے سامنے ایک ایسی شاہراہ تھی۔ جو ایک اجنبی ملک کو جاتی تھی جو اُس کے لئے نئی نئی دلچسپیوں اور امیدوں کی دنیا تھی۔ اور جہاں شاید شدید خطرات بھی تھے لیکن ستارہ کسی خطرہ سے ڈرنے والی نہ تھی؛ وہ بخوبی جانتی تھی کہ اب اسے ان لوگوں سے سابقہ پڑیگا، جو اُسے ازحد نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ لیکن

اُسے یہ بھی خیال تھا کہ نادر کی معیت میں جو اسکے پہلو بہ پہلو ایک سچے سپاہی کی شان سے سوار تھا۔ اُسے کسی قسم کا خوف نہیں۔ اُس کی پگڑی میں وہ عظیم الشان ہیرا کوہِ نور" چمک رہا تھا۔ جو اسوقت برطانیہ عظمیٰ کے تاج کی زیب و زینت ہے!

سفر کی کٹھن منزلوں کے بعد لشکر دریائے سندھ کے کنارے پہنچ گیا اور نادر نے آرام کرنیکا حکم دیا۔ اس کا ارادہ تھا کہ درۂ خیبر کو بوسعت زئی قبائل کے علاقہ میں سے ہو کر عبور کرے۔ اسی مقصد کو پیشِ نظر رکھ کر وہ شمال کی جانب بڑھا۔ سارا دن اُس نے قبائل کے سرداروں سے گفت وشنید میں گزارا اور شام کو تھکان سے چور چور ہو کر واپس آیا اور جلدی سو گیا۔

رات بہت گرم تھی اور سنسان۔ کسی طرف سے کوئی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ یہاں تک کہ کسی پتے کے کھڑکھڑانے کی آواز بھی نہ آتی تھی۔ ساری فضا پر موت کا سا سکوت طاری تھا۔ ستارہ کو نیند بالکل نہ آئی۔ وہ خیالات میں غرق اپنے بستر پر لیٹی رہی۔

معاً وہ اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ اُسے ایسا معلوم ہوا کہ کوئی حرکت کر رہا ہے۔ وہ نہایت دلیری سے اٹھی اور دبے پاؤں خیمہ کے دروازہ تک گئی اور باہر دیکھنے لگی ایک لمحہ تک وہ کچھ نہ دیکھ سکی لیکن آہستہ آہستہ اُسے معلوم ہونے لگا کہ کوئی زمین کے ساتھ رینگتا ہوا آرہا ہے۔ اسکے بعد اُسے فولاد کی چمک دکھائی دی، جس نے اُس کے شک کو یقین سے بدل دیا۔ وہ خیمہ میں واپس آئی اور عین اسوقت جب کہ قاتل اس پر ٹوٹ پڑنے کو تیار بیٹھے اُس نے نادر کو بیدار کر دیا۔

لیکن قاتلوں کو اس بات کا علم ہو گیا اور وہ بھاگ گئے۔ باہر محافظوں کے مردہ جسموں نے ثابت کر دیا کہ ستارہ واقعی سچی تھی۔ اُس نے اپنے محبوب کو بروقت ہوشیار کر کے اُسے موت کے منہ سے نکال لیا تھا۔

ابھی تک شیرازی نے اپنے محبوب کی محبت چھین لینے کا جرم معاف نہ کیا تھا اور نہ وہ اس دوران میں انتقام کے خیال سے بے خبر رہی تھی۔ یہ بھی اسی کی کارستانی تھی۔

۴

نادر شاہ ہرات پہنچا تو قاصدوں نے اُسے خوشخبری سُنائی کہ ولیعہدِ سلطنت بڑی سرعت کے ساتھ استقبال کے لئے آرہا ہے اور اُمید ہے کہ کل صبح تک یہاں پہنچ جائیگا۔

نادر کو ولیعہد کی ملاقات کا از حد اشتیاق تھا۔ اُسے اپنے لختِ جگر سے ملے ہوئے پُورے دو سال کا عرصہ ہو گیا تھا۔ اُس نے خیال کیا کہ اس عرصہ میں وہ ایک جوانمرد سپاہی بن گیا ہوگا۔ اُسے اسکے متعلق جس قدر خبریں موصول ہوتی تھیں سب مسرت آمیز تھیں۔ اُسے بتایا گیا تھا کہ وہ ایک اعلےٰ درجہ کا حاکم اور سپاہی ثابت ہوا ہے اور صحیح معنوں میں شہنشاہ کا وارث ہے۔

لیکن افسوس صبح کو جب باپ بیٹا بغل گیر ہوئے ایک خیال نے نادر کی مسرت کو برباد کر دیا۔ وہی فطری خیال جسے بدگمانی کہتے ہیں۔ اُس نے خیال کیا کہ کہیں شاہزادہ خود مختار تو نہیں ہو گیا۔ وُہ بڑی تشویش میں پڑ گیا۔ اُسے خوف سا ہو گیا کہ کہیں وہ اس کا مددگار ہونے کی بجائے اُس کے لئے بلائے جان نہ بن جائے اُسے معلوم تھا کہ وہ لوگوں میں ہر دلعزیز ہے اور وہ اس سے محبت کرتے ہیں۔ نادر نے اس بدگمانی کو چھپانے کی بہت کوشش کی لیکن بے سُود ——

اِدھر رضا خاں ولیعہد کے دل میں یہ خیال تھا کہ بادشاہ کی اس مراجعت سے اُسکی خودمختاری میں فرق آجائے گا اور اب وہ ایک دوسرے شخص کے تابعِ فرمان رہے گا۔ اور اُس کا ہر حکم بلاچون و چرا قبول کرے گا۔ اُس نے سوچا کیا وہ یہ برداشت کر سکے گا۔ یہی باتیں تھیں جو نادر اس سے چاہتا تھا۔ اور جب تک اس کا فیصلہ نہ ہو جائے۔ باپ بیٹے کے درمیان اعتماد یا دوستی کا رشتہ استوار نہیں ہو سکتا تھا۔

ستارہ نے نادر کی اس نا اُمیدی سے متاثر ہو کر چاہا کہ کسی طرح دونوں باپ بیٹوں میں صلح ہو جائے اور نادر کے دل سے وہ بدگمانی دُور ہو جائے جس نے اُسے اپنے بیٹے سے کشیدہ کر دیا تھا۔

لیکن نادر کو اُس کا یہ دخل در معقولات بہت ناگوار گزرا اور وُہ بہت ناراض ہو گیا۔ اُس نے ستارہ کے لئے کیا کچھ نہ کیا تھا؟ اُسے توقع تھی کہ وہ اس کے عملہ میں اپنی دلی ہمدردی کا اظہار کریگی۔ کم از کم اسوقت جب کہ اس ہمدردی کی اشد ضرورت تھی۔

نادر سوچنے لگا کہ وہ کیوں اُن کے درمیان صلح کرانا چاہتی ہے؟ ایک خیال، ایک خوف بجلی کیطرح اُس کے دماغ میں کوندا۔ کیا شہزادہ اور اُس کی جماعت نے ستارہ کو رشوت دے کر یا کسی اور طریقہ سے اپنا طرف دار تو نہیں بنا لیا؟ کہیں وہ اسے دھوکا تو نہیں دے رہی؟ کون ستارہ؟ نہیں نہیں اُسے یقین نہ آتا تھا۔ لیکن اس شک نے اس کے دل کے گوشہ میں جگہ پکڑ لی تھی اور وہ عشق پیچاں کی بیل کی مانند اُس کے گرد لپٹا جاتا تھا۔

اب شیرازی نے ——— اُس شیرازی نے جو ہمیشہ انتقام کی تجاویز سوچتی رہتی تھی ——— دیکھا کہ وقت آن پہنچا ہے، وہ وقت جس کا وہ مدتوں سے گھڑیاں گن گن کر انتظار کر رہی تھی اور جس کے لئے وہ دیر سے ایک نہایت خوشنما، اور بالکل غیر معلوم جال بڑی احتیاط اور مکاری سے بچھا رہی تھی۔ پہلے اُس نے کوشش کی کہ کسی طرح نادر کی محبت کو پھر فتح کر لے۔ یہ اب کوئی مشکل بات نہ تھی، کیونکہ ان دنوں اسے ایک ایسی ہستی کی ضرورت تھی جو شہزادہ کے معاملہ میں اُس کی طرفدار ہو۔ اُس سے ہمدردی کا اظہار کرے باقی باتوں کے لئے اُسکی نسوانیت کا جادو کافی تھا اور وہ اس طرح شیرازی نے بتدریج اُس محبت کو غصب کرنا شروع کیا جو نادر کے دل میں ستارہ کے لئے تھی۔

ستارہ اس منصوبہ سے بالکل بے خبر تھی اور وہ اس تبدیلی سے بہت غمگین تھی جو نادر میں پیدا ہو گئی تھی۔ اس کی سمجھ کام نہ کرتی تھی کہ کس بات نے اُسے ناراض کر دیا۔ اُس نے دل میں تہیہ کر لیا کہ وہ ضرور اُس کو اپنے محبوب سے دریافت کریگی اور اس رنجش کو دُور کریگی جو اُن میں پیدا ہو گئی تھی۔

لیکن افسوس اس رات ستارہ کچھ دریافت نہ کر سکی ا نادر اس رات اُس کے پاس نہ آیا ا وہ

دیر تک اُس کا بےسود انتظار کرتی رہی۔ اُس کے آنے کا وقت گزر گیا۔ اور وہ تنہا منتظر بیٹھی رہی۔ اس وقت تک نا اُمید نہ ہوئی جب تک اس نے شیرازی کے خیمہ سے قہقہوں کی آواز نہ سُن لی۔ اس وقت اس نے اس خوفناک حقیقت کو پہچانا۔ اُس نے فرش پر لیٹ کر رونا اور آہیں بھرنا شروع کر دیا، یہاں تک کہ نیند نے اُسے تھکا کر اُسے اپنی شفقت بھری آغوش میں لے لیا۔

لیکن شیرازی ابھی مطمئن نہ تھی۔ صرف نادر کی محبت کے مدھم شعلوں کو دوبارہ تیز کرنا اُس کے لئے کافی نہ تھا بلکہ وہ اپنے رقیب کو بالکل تباہ کر دینا چاہتی تھی۔ مدت سے اُس نے اس بات کی قسم کھا رکھی تھی۔ اور اب تک وہ اس پر قائم تھی۔

اس نے بڑی مکاری سے ولیعہد کا اعتماد حاصل کر کے اُسکے سب راز معلوم کر لئے اور حرف بحرف نادر کو بتا دیئے اور اس طریقہ سے اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کر لیا۔ اس نے اپنی کینہ پرور باتوں سے نادر کو ستارہ کے خلاف بدظن کر دیا۔ اس ستارہ کے خلاف جس کی محبت ان تمام باتوں کے باوجود بھی اُس کے لئے ایک قیمتی تحفہ تھی۔ کوئی کمینہ حرکت ایسی نہ ہوگی جو شیرازی نے اٹھا رکھی ہو۔

چند روز بعد ایک مرتبہ پھر نادر کی جان لینے کی کوشش کی گئی۔ وہ ایک نالے کو عبور کر رہا تھا کہ کسی نے چھپ کر اس پر گولی چلائی۔ پہلی گولی کی آواز سنتے ہی ستارہ جھٹ اُس کے پہلو میں آگئی اور نادر اور اس سمت کے درمیان کھڑی ہو گئی جس طرف سے گولی آئی تھی۔ یہ دوسری بار تھی اُس نے محض اپنی دلیری کی وجہ سے اُسے موت کے پنجے سے بچایا تھا۔

لیکن نادر نے اس واقعہ کو کوئی اہمیت نہ دی۔ اُسے بہت سے مفسدانہ اور قاتلانہ ارادوں کی خبر ملی تھی اور وہ غصہ میں ستارہ کا شکریہ ادا کرنا یا اُس کا احسان ماننا بھول گیا تھا۔ سب سے پہلے اُس نے جی میں ٹھان لی کہ کچھ بھی ہو مجرم کو ضرور تلاش کرنا چاہیئے اور اُس بدکردار کو پہنچا کر دکھا دینا چاہیئے کہ نادر پر حملہ کرنے کا نتیجہ کیا ہے!

شیرازی نے اپنی تمام مکاری سے کام لیکر اس تحقیقات میں اُسے مدد دینے کا وعدہ کیا اور ایسی جھوٹی شہادتیں بہم پہنچائیں جن سے صاف ثابت ہوتا تھا کہ یہ گولی ولیعہد کے ایما ہی سے چلائی گئی ہے اور وہی اس کا ذمہ دار ہے۔

لیکن یہ بات بہت خوفناک تھی کہ اُس کا اپنا لختِ جگر اُسے قتل کرنے کی کوشش کرے۔ نادر کو اس بات کا یقین نہ آتا تھا تاہم وہ شیرازی کی فراہم کردہ عینی شہادتوں میں کوئی نقص نہ نکال سکتا تھا۔ آہستہ آہستہ اُسے یقین ہو گیا کہ سب قصور ولیعہد کا ہے! اس کے علاوہ ایک اس سے زیادہ خوفناک اور بے معنی شبہ بھی اس کے دل میں پیدا ہو گیا کہ رضا خاں اپنے باپ کی ملکہ ستارہ کو دل و جان سے چاہتا ہے اور وہ بھی اس سے محبت کرتی ہے۔ بدگمانی غصہ اور غرور نے نادر کو بالکل اندھا کر دیا! اُس کے لئے یہ بات بیٹے کی غداری سے زیادہ مجرمانہ تھی۔ وہ اُن شہادتوں کو جو حلف اٹھا کر دی گئی تھیں۔ کیسے جھٹلا سکتا تھا۔ نادر کے دل میں محبت اور انتقام برسر پیکار تھے لیکن نتیجہ قطعی تھا۔ اس کے خلاف جرم کا ارتکاب کیا گیا تھا جو کسی حالت میں معاف نہ ہو سکتا تھا اور جس کے لئے ایک ہی سزا مناسب معلوم ہوتی تھی لیکن موت! کیا وہ اپنے پیارے بیٹے کو موت کے گھاٹ اُتار دیگا! نہیں۔ نادر سا سنگ دل انسان بھی اس خیال سے کانپ اُٹھا۔

تاہم اُس نے خیال کیا کہ شہزادہ کو کچھ نہ کچھ ضرور سزا ملنی چاہیئے ایک سخت سزا جو اسے آئندہ کے لئے کمزور و بے بس کر دے تو کیا پھر شہزادہ کی آنکھیں نکال کر اُسے جلاوطن کر دینا چاہیئے! یقیناً یہی ایک سزا تھی جو اُسکے جرم کے لئے مناسب تھی، ایک ایسی سزا جو موت سے زیادہ ہولناک تھی۔ مگر جو نادر کو بہت نرم نظر آتی تھی۔ علاوہ ازیں اُس نے غور کیا کہ شاید یہ سزا ستارہ کے لئے ایک سبق کا کام دے سکے! ایک اندھا عاشق! کیا وہ اب بھی ——!

نادر نے یہ فیصلہ صادر کر دیا اور شیرازی کا دل بے پایاں مسرت سے لبریز ہو گیا وہ بڑھدہ

طریق سے اپنے منصوبوں کو عمل میں لا رہی تھی۔ اب وہ بدبخت شہزادے کی والدہ کے پاس گئی اُس سے بڑی ہمدردی ظاہر کی اور کہنے لگی "افسوس میں اب کچھ نہیں کر سکتی، شاہ پر اب میرا کوئی اختیار نہیں لیکن ستارہ"

ان الفاظ نے غمزدہ ماں کے دل میں اُمید کی ایک کرن روشن کر دی بستارہ ہاں شاید وہ کچھ مدد کر سکے۔ وہ اس سے ملی اور اپنی درد بھری داستان سُنا کر رحم کی ملتجی ہوئی اور اُس کی یہ کوشش بے سود ثابت نہ ہوئی۔ ستارہ نے بڑی ہمدردی سے اُس کی باتیں سنیں اور بے اعتباری کے باوجود نادر سے درخواست کرنے کا وعدہ کر لیا۔ اُسے یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ ایک حماقت کر رہی ہے اور اُس کی منت وسماجت بے کار ثابت ہوگی۔ تاہم اس نے محسوس کیا کہ اُسے ایک فرض ادا کرنا ہے اور وُہ اسے ضرور ادا کریگی!

اُس نے دلیری سے کام لے کر نادر سے ملنے کی درخواست کی جو منظور ہو گئی جب وہ خیمہ میں داخل ہوئی۔ نادر اکیلا بیٹھا تھا۔ اُسکے چہرے سے وحشت ٹپک رہی تھی۔ اُس نے ستارہ کے آنے کا مطلب سمجھ لیا۔ جب وہ بولی تو نادر کا چہرہ اور درشت اور پُرغم ہو گیا۔

اپنے بیٹے کو سزا دینے سے اُسکے دل کو سخت صدمہ پہنچا تھا۔ لیکن ستارہ کا اس فیصلہ کے خلاف التجا کرنا اُسے سخت ناگوار گزرا۔ اُسے یقین ہو گیا کہ اس کا خیال غلط نہ تھا۔ شیرازی کی باتیں یکے بعد دیگرے اُس کے دماغ میں خاص شکل اختیار کرنے لگیں۔ اُس کے خیال میں وہ شہزادہ کی محبت کیوجہ سے التجا کر رہی تھی۔ اُس کی سفارش نے نادر کو اُس کی بے وفائی کا یقین دلا دیا۔ وہ از حد غمزدہ ہو گیا۔ کچھ عرصہ خاموش رہا۔ پھر غضبناک آواز میں کہنے لگا۔ "دُور ہو جاؤ، نہیں تو میں تمہیں بھی اندھا کر دونگا۔"

لیکن ستارہ نے اسکا بازو تھام کر کہا "میرے آقا رحم کرو! رحم! وہ تمہارا بیٹا ہے! اُسے اور کوئی سزا دے دو۔ میرے آقا میں تمہاری منت کرتی ہوں اُس بیچارے کو اندھا نہ کرو۔"

یہ نادر کی قوت برداشت سے زیادہ تھا۔ اُس کا غم غصہ میں تبدیل ہو گیا۔ وہ بیتاب ہو کر اٹھا اور پورے زور سے ستارہ کی پیشانی پر خنجر مارا۔ وہ چیخ کر زمین پر گر پڑی اور دیر تک بے حس و حرکت پڑی رہی۔ اُس کی خوبصورت پیشانی سے خون بہ رہا تھا۔

کچھ عرصہ نادر اُس کے جسم کو پریشانی سے دیکھتا رہا۔ اُس نے سوچا کہ میں نے کیا کر دیا ہے؟ کیا وہ مر گئی ہے؟ خوف نے اُس کے وحشیانہ غضب کو ٹھنڈا کر دیا۔ اور وہ بستر پر اوندھے منہ جا پڑا وہ ایک بے خوف اور نڈر سپاہی تھا۔ لیکن اس وقت وہ خوب جی کھول کر رویا۔ وہ دل شکستہ ہو چکا تھا۔

۵

وفادار آغا باشی خیمہ میں داخل ہوا اور آرام سے ستارہ کو اٹھا کر لے گیا۔ اور اُسے طبیب کو دکھایا۔ وہ ابھی تک زندہ تھی آغا باشی کو اُس سے از حد عقیدت تھی اور چونکہ وہ تنازعہ کے اصلی وجہ سے بیخبر تھا۔ اسلئے اُس نے یہی بہتر سمجھا کہ اس بات کو نادر شاہ سے پوشیدہ رکھے۔

کئی دن تک ستارہ بیہوش پڑی رہی۔ اُس کی جان، موت اور حیات کی کشمکش میں مبتلا تھی۔ آخر کچھ دن بعد جب اُسے ہوش آیا اور وہ بولنے اور حرکت کرنے کے قابل ہوئی تو اُسے معلوم ہوا کہ وہ نادر سے کوسوں دور ہے۔

آغا باشی نے اُسے ایک ارمنی خاندان کے پاس بھیج دیا تھا جس نے بڑی خندہ پیشانی سے اُس کی تیمارداری کی اور اُسے کہا کہ وہ بڑی خوشی سے اسوقت تک رہ سکتی ہے جب تک بادشاہ پر اُس کا زندہ ہونا ثابت نہ ہو جائے۔ چنانچہ وہ مستقبل کا مقابلہ کرنے کے لئے وہاں رہنے پر رضامند ہو گئی۔

ایک مہینہ گزر گیا لیکن شاہی دربار سے کوئی اُمید افزا خبر موصول نہ ہوئی۔ دوسرا اور پھر تیسرا مہینہ بھی گزر گیا لیکن حالات جوں کے توں ہی رہے۔ اُس نے خیال کیا کہ شاہ کو یہ بتا نا کہ میں زندہ ہوں یقیناً

اُن تمام اشخاص کی تباہی کا باعث ہوگا جو اس واقعہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اُسے یہ بھی معلوم ہوگیا تھا کہ نادر نے اپنی موجودگی میں ستارہ کا نام تک لینے کی ممانعت کردی تھی۔ وہ واقعی اپنے جنون پر قابو نہ پا سکتا تھا۔

مصاحبوں کا خیال تھا کہ اس جنون کا باعث غصّہ ہے۔ اور یہی خیال ستارہ کا تھا۔ شیرازی ہاں صرف شیرازی ہی اصل حقیقت سے واقف تھی کہ یہ غم ہے جس نے اُسے دیوانہ اور غائُ مُتید کر رکھا ہے نادر کو ستارہ سے محبت تھی۔ ایسی محبّت جو بمشکل کسی مرد کے دل میں کسی عورت کے لئے پیدا ہو سکتی ہے۔ علاوہ ازیں جس دن سے اُس نے ستارہ کو قتل کیا تھا اُسے کسی بات میں لطف نہ آتا تھا۔ وہ دیوانہ سا ہوگیا تھا!

وہ قسمت کے ساتھ بیباکانہ جنگ کر رہا تھا۔ اُس قسمت کے ساتھ جو اُس نے سالہا سال کی کشمکش کے بعد اپنے لئے بنائی تھی۔ مگر بے سُود حکومت کی باگیں اُس کی گرفت سے نکلی جا رہی تھیں۔ اور وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اُس میں اب انہیں دوبارہ پکڑنے کی ہمت نہیں۔ اس احساس سے اُس کے مزاج میں بے حد تلخی پیدا ہوگئی تھی اور اُس کے مصاحبوں کو ہر وقت اُس کے عتاب سے اپنی جانوں کا خطرہ رہتا تھا۔

مہینے سالوں میں تبدیل ہو گئے لیکن ستارہ کو ایک لفظ نادر کی جانب سے موصول نہ ہوا۔ وہ بالکل مایوس ہوگئی اور اُسے یقین ہوگیا کہ واقعی نادر اُسے فراموش کر چکا ہے۔ وہ اب ایک ایسے شخص کی مانند تھی جس کی مانند تھی جس کی زندگی میں کوئی مسرت اور دلچسپی نہ ہو۔ لیکن اس پر بھی اُسکے دل میں اُس شخص کی طرف سے کوئی غصّہ نہ تھا۔ جس نے بزعم خود اُسے قتل کر دیا تھا!

یکایک مشہور ہوا کہ کسی جنگی مہم کے سلسلہ میں نادر اس چھوٹے سے ارمنی گاؤں کے قریب سے گزریگا جس میں وہ کئی سال سے پناہ گزین تھی۔ ستارہ کے دل میں نادر کو ملنے کی زبردست خواہش پیدا ہوئی۔ وہ ایسے نادر موقع کو ہاتھ سے کھونا نہ چاہتی تھی۔

اُس کے بہی خواہوں نے اُسے سمجھانے کی بہت کوشش کی لیکن ستارہ کا مضبوط ارادہ بالکل متزلزل نہ ہوا۔ اس نے کہا وہ ضرور جائیگی خواہ کچھ ہو۔ اُس کا ارادہ چٹان کی طرح مضبوط تھا۔ اُسے موت کا بالکل خوف نہ تھا۔ اُس کے خیال میں سالہا سال کی بے لطف زندگی سے نادر کے ہاتھوں مرجانا ایک لازوال مسرت کے برابر تھا۔

علاوہ ازیں اُس نے محسوس کیا کہ اس وقت نادر کو اس کی سخت ضرورت ہے۔ اُس نے ایک معتبر قاصد تلاش کیا اور ایک خط دیکر ایرانی لشکر میں بھیجا۔ اس کے ساتھ ہی اُس نے وہ ہیرا بھی بھیج دیا جو مدت ہوئی نادر نے اُسے بطور تحفہ دیا تھا اور خود انتظار کی گھڑیاں گننے لگی۔

اُس کی نسوانی فطرت نے اُس کی بالکل ٹھیک راہنمائی کی تھی۔ نادر نے ابھی تک اُسے فراموش نہ کیا تھا۔ اُسے واقعی اُس کی ضرورت تھی۔ کوئی شخص اس بے پایاں مسرت کو بیان نہیں کرسکتا جو اُسے یہ سُن کر ہوئی کہ ستارہ اُس کی پیاری ستارہ ابھی تک زندہ ہے۔ اُس نے فوراً شاہی سواروں کا ایک دستہ اُس کی طرف بھیجا اور التجا کی کہ جس قدر جلد ممکن ہو۔ اُس کے پاس چلی آئے لیکن یہ التجا بلاضرورت تھی۔ ستارہ نے ایک لمحہ بھی ضائع نہ کیا اور دو دن بعد ایک دفعہ پھر ایک ملکہ کی شان و تمکنت کیساتھ ایرانی لشکر میں جا پہنچی۔

نادر اُس سے ملا — اس پُرمسرت گھڑی میں ماضی اور اسکی تمام تکالیف ایک خواب کی یاد کی مانند فراموش ہوگئیں۔ اب ان کی جدائی ناممکن تھی۔ محبت کی شکستہ زنجیر کی کڑیاں اب پھر مضبوطی سے جڑ گئیں۔ جنہوں نے ستارہ اور نادر کو پہلے سے کئی گنا مضبوطی سے جکڑ دیا۔

لیکن اب نادر کی شہرت اور عظمت کے دن جاچکے تھے اور ان کے ساتھ مسرت کے دن بھی رخصت ہوچکے تھے۔ قسمت اُس کے خلاف ہوگئی تھی۔ وہ اب اپنی زندگی کے لئے جدوجہد کررہا تھا اور اسکے اپنے پیروؤں میں اُسکے بدترین دشمن پیدا ہوگئے تھے اور یہ صاف ظاہر تھا کہ اُس کا انجام نزدیک آن پہنچا ہے۔

اچانک ایک رات جب کہ ہر طرف خاموشی اور تاریکی مسلط تھی اور ستارہ اپنے غمزدہ آقا کے بستر کے قریب بیٹھی اُس کی حفاظت کر رہی تھی، اسے باہر کسی کے حرکت کرنے کی آواز آئی۔ وہ فوراً اُٹھ بیٹھی، لیکن اس مرتبہ خطرہ کی خبر اُسے بہت بعد ملی تھی اور اس سے پہلے کہ وہ کسی قسم کی حرکت کرکے یا چیخ کر نادر کو جگا دے، قاتل خیمہ میں داخل ہو گئے اور خوابیدہ سلطان کو قتل کر دیا۔

اسکے بعد جب فرض ناشناس محافظ اندر داخل ہوئے تو انہوں نے ایک عجیب پُر غم نظارہ دیکھا اُن کا ذی شان حکمران بے حس و حرکت پڑا تھا۔ اُسکے دیوزاد جسم سے اُس حسین عورت کا نازک جسم لپٹا تھا جس سے اُسے از حد محبت تھی اور ایک تیز خنجر اُسکے دل میں گہرا پیوست تھا۔

اینٹ کی بیگم

۱

نوجوان افسروں کا گروہ ہارس گارڈز کے لفٹنٹ نارومعت کے مکان پر تاش کھیل رہا تھا۔ موسم سرما کی طویل رات معلوم ہوئے بغیر گزر چکی تھی اور اب صبح کے پانچ بجے تھے۔ میزوں پر کھانا چنا گیا۔ جیتنے والے خوشی خوشی کھاتے اور ہارنے والے خالی طشتریوں کو دیکھتے رہے۔ پھر شراب کا دور چلنے لگا اور گفتگو آہستہ آہستہ خوشگوار ہو گئی۔

میزبان نے ایک افسر سے پوچھا۔ ”سورائین تم جیتے یا ہارے؟“

”ہوہ میں حسب معمول ہارا ہوں۔ میری قسمت ہی بُری ہے۔ میں جو اتنا باقاعدہ کھیلتا ہوں گویا

یہ میرا پیشہ ہو اور ٹھنڈے دل سے کھیلتا ہوں کبھی کسی سے نہیں جھگڑتا تاہم میں ہمیشہ ہارتا ہوں"۔

ایک اور شخص نے ایک نوجوان انجنیئر کی طرف اشارہ کر کے کہا۔" اور تمہارا ہرمن کے متعلق کیا خیال ہے ؟ اس نے آج تک نہ شرط باندھی ہے اور نہ کسی پتے پر کوئی پیسہ لگایا ہے۔ تاہم یہ ساری رات بیٹھا ہمیں جوا کھیلتے دیکھتا رہتا ہے !

ہرمن نے کہا "میں یہ اس لئے کرتا ہوں کہ مجھے کھیل دلچسپ معلوم ہوتا ہے لیکن مجھے زائد روپیہ حاصل کرنے کی خواہش میں اپنی ضروریات کا روپیہ ضائع کرنے کا خبط نہیں"۔

کونٹ ٹامسکی نے دخل دیتے ہوئے کہا۔"اصل بات یہ ہے کہ ہرمن جرمن ہے اور اسی لئے کنجوس ہے۔ لیکن میری دادی کونٹس اپنا اس سے بھی بڑھ کر ایک عجوبہ ہے۔ وہ تاش کے پتے کو چھوتی تک نہیں"

میزبان نے جواب دیا "واقعی یہ حیرت انگیز بات ہے کہ اسی سال کی عورت ہو اور جوا نہ کھیلے!

"کیا تم نہیں جانتے کہ وہ ایسا کیوں کرتی ہے ؟"

"نہیں ، تو کیا اس کی کوئی خاص وجہ ہے ؟"

"ہاں ، ذرا سنو۔ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ساٹھ سال ہوئے میری دادی کو پیرس کے ایک سفر کے دوران میں حیرت انگیز کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ کہتے ہیں کہ دربار کے تمام ذی مرتبہ لوگ اسے دلچسپی کی نگاہ سے دیکھنے لگے تھے۔

"ان دنوں تاش کی فیشن ایبل کھیل "فارو" تھی ، ایک دن محل میں جوا کھیلتے ہوئے میری دادی نے ڈیوک آف اورلینز کے پاس ایک معقول رقم ہار دی اور وطن پہنچکر ادا کرنے کا اقرارنامہ تحریر کر دیا۔ گھر پہنچ کر اس نے میرے دادا کو اپنی بدقسمتی سے آگاہ کیا۔ اور قرض ادا کرنے کو کہا۔ وہ ہمیشہ اس سے خوف کھاتا تھا لیکن اس دفعہ اس خطیر رقم پر جو دادی اماں نے ایسی بے طرح ہاری تھی۔ غصہ نے اس کی حالت دگرگوں کر دی۔ اس نے اپنے بہی کھاتے نکالے اور کونٹس پر ثابت کر دیا۔

کہ اس نے پچھلے چھ ماہ کے عرصہ میں پچاس ہزار پونڈ سے زیادہ روپیہ خرچ کر دیا ہے پھر اس نے روپیہ دینے سے بالکل انکار کر کے گفتگو کا خاتمہ کر دیا۔ تم اندازہ کر سکتے ہو کہ کونٹس کتنی غضب ناک ہوئی ہو گی۔ اُس نے دادا کے کانوں پر خوب مُکّے رسید کئے اور اپنے تئیں کمرے میں بند کر لیا۔

دوسرے دن اُس نے ایک اور حربہ استعمال کیا۔ اور زندگی میں پہلی دفعہ بڑی فروتنی سے میرے دادا کی منت سماجت کی لیکن اُس نے اس کی ایک نہ سُنی۔ کیونکہ میرا دادا ارادہ کا پکا تھا۔ میری دادی آپے سے باہر ہو گئی۔

خوش قسمتی سے وہ اُس زمانے کی ایک مشہور شخصیت کو جانتی تھی۔ تم نے کونٹ ڈی سینٹ جرمین کا نام ضرور سُنا ہو گا جس کے متعلق کئی افسانے مشہور ہیں تم جانتے ہو کہ اُس نے اپنے تئیں "آوارہ گرد یہودی" مشہور کر رکھا تھا بعض کہتے ہیں کہ وہ ایک جعلساز تھا بعض اسے جاسوس سمجھتے ہیں، لیکن خواہ وہ کچھ ہو بہرکیف وہ ایسا شخص تھا جس کی ہر کہ ومہ کو ضرورت تھی۔ میری دادی نے اس سے درخواست کی۔ سینٹ جرمین نے ذرا توقف کے بعد کہا "مادام میں تمہیں بڑی خوشی سے یہ رقم دے دیتا لیکن میں جانتا ہوں کہ جب تک تم اسے ادا نہ کر لو گی تمہیں کسی کل چین نہ پڑیگا اور میں نہیں چاہتا کہ تم ایک اور پریشانی میں گرفتار ہو جاؤ۔ بہرکیف بچاؤ کی ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ تم وہ رقم واپس جیت لو۔"

میری دادی نے جواب دیا "لیکن کونٹ میں نے تمہیں پہلے کہہ دیا ہے کہ میرے پاس ایک پھوٹی کوڑی بھی نہیں بچی"۔

سینٹ جرمین نے جواب دیا کہ "اس میں روپے کی کوئی ضرورت نہیں" اور پھر اس نے اُسے ایک راز بتایا اور میرے خیال میں تمہیں وہ راز ضرور معلوم کرنا چاہئے"۔

یہ معلوم کر کے کہ تمام نوجوان اس کے الفاظ پر ہمہ تن گوش ہیں۔ ٹامسکی نے پائپ سلگایا

منہ سے دھوئیں کا بادل نکالا اور اپنی کہانی شروع کی۔

اسی شام کو کونٹس ورسیلز میں ملکہ کے محل میں جوا کھیلنے گئی۔ ڈیوک آف اورلیز ساہوکار تھا دادی نے پہلی رقم کی ادائیگی میں تاخیر کے لئے معذرت کی اور کھیلنے لگی۔ اُس نے تین پتے منتخب کئے پہلا جیت گیا۔ اُس نے دوسری پر اپنی شرط دوگنی کر دی۔ دوسرا بھی جیت گیا۔ اُس نے تیسرے پر اپنی شرط پھر دگنی کر دی۔ وہ بھی جیت گیا۔ مختصر یہ کہ اُس نے اُس رقم سے جو اس نے ہاری تھی کئی گنا زیادہ رقم جیت لی۔"

مجمع میں سے ایک چلایا "خوب!"

ہرمن نے حیرت سے کہا "کیا ہی حیرت انگیز داستان ہے!"

تیسرے نے کہا "پتوں پر ضرور نشان لگا ہوگا۔"

میزبان نے بلند آواز سے کہا "تو ہمیں بتانے سے تمہارا یہ مطلب ہے کہ تمہاری ایک دادی ہے۔ جو تین ایسے پتے جانتی ہے جو بلاشبہ جیتتے ہیں اور یہ کہ ابھی تمہیں پتہ نہیں کہ وہ پتے کونسے ہیں۔"

ٹامسکی نے جواب دیا "یہی تو بدبختی ہے! اُس کے چار بیٹے تھے اور سب کے سب قمار باز لیکن ان میں سے ایک بھی اس کا یہ راز معلوم نہیں کرسکا۔ جو شاید اُن کے لئے ازحد فائدہ مند ہوتا۔ اور میرے لئے بھی لیکن میرے ایک چچا نے مجھے بتایا کہ اُس نے فضول خرچ چیپلٹسکی کو اس سے مستثنےٰ کیا۔ مجھے اس کی وجہ معلوم نہیں۔ مگر اُس نے ایک دوست کے پاس تین لاکھ روبلز ہار دیئے تھے۔ میری دادی نے اُسے تین پتے بتائے اور اُس سے وعدہ لیا کہ پھر وہ کبھی جوا نہ کھیلے گا چنانچہ اُس نے اپنے حریف کو تلاش کیا اور بغرض انتقام کھیلنا شروع کیا۔ مختصر یہ کہ اُس نے ان تینوں پتوں کے ساتھ اپنی ہاری ہوئی رقم کے علاوہ ایک اور کثیر رقم بھی جیت لی لیکن اب چھ بج رہے ہیں۔ یہ

ہمارے سونے کا وقت ہے۔"

گلاس خالی کئے گئے اور مجمع منتشر ہو گیا۔

۲

کونٹس اینا اپنے سنگار کے کمرے میں ایک آئینہ کے سامنے بیٹھی تھی۔ اس کے گرد تین کنیزیں کھڑی تھیں۔ ایک کے ہاتھ میں سرخی کا برتن تھا۔ دوسری کے ہاتھ میں سیاہ سانپوں کی ڈبیہ اور تیسری نے ایک بڑی سی ریشمی ٹوپی اٹھا رکھی تھی۔ کونٹس کو حسین نہیں کہا جا سکتا تھا لیکن اس میں ابھی تک شباب کا ناز و انداز موجود تھا۔ وہ پچاس سال پُرانے فیشن کا لباس پہنتی تھی اور اپنی آرائش پر کافی وقت صرف کرتی تھی۔

کمرے کی ایک کھڑکی میں اُس کی سہیلی لزابیٹا کشیدہ کاڑھ رہی تھی۔

ٹامسکی نے کمرے میں داخل ہو کر کہا۔ "سلام دادی اماں، سلام مادام لزی۔ دادی جان میں ایک درخواست کرنے آیا ہوں، میں ناچ میں ایک دوست کو لانا چاہتا ہوں۔"

"اچھا لے آنا، اور اُسے میرے سامنے پیش کرنا۔ کیا کل رات تم شہزادی کے رقص میں موجود تھے؟"

"ہاں کیا اچھی رات تھی! ہم پانچ بجے تک رقص کرتے رہے۔ الفسکی واقعی حسین لڑکی ہے۔"

"ہاں، لیکن اگر تم حقیقی حسن دیکھنا چاہتے ہو تو اسکی دادی شہزادی ڈاریا کو دیکھو لیکن میری جان اب تو وہ ضعیف ہو گئی ہو گی۔"

ٹامسکی نے کہا "ضعیف! وہ تو پچھلے سات سالوں سے قبر میں سو رہی ہے!"

لزابیٹا نے سر اٹھا کر ٹامسکی کو ایک اشارہ کیا اور اُسے فوراً یاد آ گیا کہ کونٹس کے سامنے اُس کی ہمعصر عورتوں کی موت کا ذکر کبھی نہیں کیا جاتا لیکن کونٹس نے اس خبر کو اطمینان سے سنا اور کہا "مر گئی؟ لیکن میں نے تو نہیں سُنا! ہم ایک ساتھ ہی ملکہ کی کنیزیں مقرر ہوئی تھیں جب ہم

پیش ہوئیں تو ملکہ ——"

اور کونٹس نے اپنے پوتے کو اپنے زمانۂ شباب کی وہ داستان سنائی جو وہ اسے سو دفعہ پہلے بھی سُنا چکی تھی۔ پھر وہ اپنی تینوں کنیزوں سمیت ایک پردے کے پیچھے چلی گئی اور ٹامسکی اُسکی سہیلی لزابیٹا کے سامنے تنہا رہ گیا۔

لزابیٹا نے ایک مدھم آواز میں پوچھا۔"وہ کون ہے جسے تم مادام کی خدمت میں پیش کرنا چاہتے ہو؟"

"ناروصف کیا تم اُسے جانتی ہو؟"

"نہیں، کیا وہ —— کیا وہ —— فوج میں ہے؟"

"ہاں"

"انجینیروں —— میں؟"

"نہیں، ہارس گارڈز میں لیکن تمہیں اسکے انجینیروں میں ہونے کا خیال کیونکر آیا؟"

لزابیٹا کے ہونٹوں پر ایک خفیف سا تبسم نمودار ہو گیا لیکن وہ کوئی جواب نہ دے سکی۔

ٹامسکی نے بلند آواز سے کہا۔"اچھا الوداع دادی اماں، الوداع لزابیٹا لیکن تمہیں ناروصف کے انجینیروں میں ہونے کا خیال کیونکر آیا؟"

ٹامسکی باہر چلا گیا۔

لزابیٹا نے اپنے تئیں تنہا پا کر اپنا کام سنبھالا اور پھر کھڑکی میں بیٹھ گئی۔ اُسی لمحہ نیچے بازار میں ایک نوجوان افسر موجود تھا اُسے دیکھ کر اس کا رنگ سرخ ہو گیا۔ اُس نے سر جھکا لیا۔ اور پھر کشیدہ کاڑھنے میں مشغول ہو گئی۔

یہ نوجوان افسر جو بازار میں نمودار ہوا تھا۔ ٹامسکی کے اُس سوال کا جواب تھا۔ جو اس نے

لزابیٹا سے دو مرتبہ کیا تھا۔

لزابیٹا کی زندگی قابلِ رشک نہ تھی۔ کوئی شخص اُن مشکلات کو بیان نہیں کر سکتا جنہوں نے اُسے ایک بڑھیا کی سہیلی بنا دیا تھا۔ گو کونٹس بدمزاج نہ تھی لیکن خود غرض اور خود بین ضرور تھی، جیسا کہ اکثر وہ لوگ ہوتے ہیں جو اعلےٰ سوسائٹی میں اُٹھنا بیٹھنا کم کر دیتے ہیں۔ وہ رقص و سرود کی محفل میں شریک ہوتی تھی، جہاں وہ جدید فیشن کا لباس پہنکر اور رخساروں پر غازہ مل کر ایک گوشہ میں بیٹھ جاتی تھی اور اپنے تئیں محظوظ کرتی تھی۔

کونٹس کے ساتھ لزابیٹا کی زندگی ایک مسلسل عذاب تھی۔ وہ چائے پینے بلبھٹی اور ضائع شدہ چلینی کے لئے دشنام سنتی، وہ کونٹس کو ناول پڑھ کر سناتی اور مصنفین کی تمام بیہودگیوں کے لئے ذمہ دار ٹھہرائی جاتی۔ سوسائٹی میں بھی اس لڑکی کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ ہر شخص اُسے جانتا تھا مگر توجہ نہ دیتا تھا وہ رقص کرتی لیکن صرف اس وقت جب ایک جوڑا بنانا مقصود ہوتا۔ اُس کی دلی خواہش تھی کہ اُسے کوئی شخص ملے جو اُسے ان تکالیف سے رہائی دلائے۔ اور اُس کی یہ زنجیریں توڑ دے۔ گو لزابیٹا کئی عورتوں سے زیادہ حسین تھی لیکن اس کی طرف کوئی متوجہ نہ ہوتا تھا۔ کئی مرتبہ وہ کونٹس کے کمرے کی شان و شوکت سے بھاگ کر اپنے چھوٹے سے کمرے میں چلی گئی، جو پرانے پردوں، ایک پھٹے ہوئے قالین ایک چھوٹے سے آئینے ایک پلنگ اور لکڑی کے صندوق سے آراستہ تھا۔ ایک شمعدان تھا جس میں موم بتی جلتی تھی۔ یہاں وہ تنہائی میں اکثر رویا کرتی تھی۔

ایک صبح نارومف کے مکان والے جلسہ کے دو دن بعد لزابیٹا کمرے کی کھڑکی میں اپنا کشیدہ لئے بیٹھی تھی کہ معاً اُسکی آنکھیں نیچے بازار میں ایک نوجوان سے ملیں جو انجنیروں کا افسر معلوم ہوتا تھا اور جو خاموشی سے اُس کی طرف نگاہیں جمائے کھڑا تھا۔ لزابیٹا نے سر جھکا لیا اور تیزی سے کام میں مشغول ہو گئی۔ چند لمحہ بعد اُس نے سر اُٹھا کر پھر بازار میں دیکھا۔ افسر اُسی مقام پر کھڑا تھا چونکہ وہ آج تک

راہ چلتے نوجوانوں سے آنکھیں لڑانے کی عادی نہ تھی۔ اس لیئے اس نے اپنی آنکھیں اپنے کشیدہ پر جمائے رکھیں اور دو گھنٹوں تک اسی طرح بیٹھی کام کرتی رہی۔ یہاں تک کہ کھانے کا وقت آن پہنچا۔ اس نے پھر بازار میں دیکھا۔ افسر ابھی تک اسی مقام پر اسی انداز سے کھڑا تھا۔ کھانا کھا چکنے کے بعد وہ پھر کھڑکی کی طرف گئی لیکن اب افسر وہاں موجود نہ تھا۔ اُس نے اس واقعہ کے متعلق تمام خیالات کو اپنے دماغ سے نکال دیا۔

دو دن بعد وہ کونٹس کے ساتھ گاڑی میں سوار ہو رہی تھی کہ اس نے اس افسر کو مکان کے دائیں طرف کھڑا دیکھا۔ اُس نے سمور کے ایک کالر سے اپنے چہرے اور آنکھوں کو چھپا رکھا تھا۔ لزابیٹا کو بے حد تکلیف ہوئی لیکن وہ اس کی موجودگی کی وجہ معلوم نہ کر سکی۔ اور جب وہ گاڑی میں بیٹھی تو کانپ اُٹھی۔

جب وہ دونوں سیر سے واپس ہوئیں۔ تو لزابیٹا دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ کھڑکی کی طرف دوڑی۔ افسر اپنی جگہ پر کھڑا تھا اور اسکی تیز نگاہیں اُس کے چہرے پر گڑی ہوئی تھیں۔ وہ فوراً پیچھے ہٹ گئی۔ وہ ایک عجیب خیال کا شکار تھی۔ جو آج تک زندگی میں پہلی دفعہ اُسے محسوس ہوا تھا۔

اُس دن کے بعد ایک روز بھی ایسا نہ گزرا۔ جب وہ نوجوان انجنیر اُس کی کھڑکی کے نیچے پھرتا نظر نہ آیا ہو۔ بہت جلد ان میں ایک خاموش رشتۂ الفت قائم ہو گیا۔ وہ کشیدہ کاڑھتی ہوئی اپنا سر اُٹھاتی اور اُس کی موجودگی سے لطف اندوز ہوتی۔ ہر دوسرے روز وہ آگے سے زیادہ دیر تک اپنی آنکھیں جمائے رکھتی۔ اور عنفوانِ شباب کی تیز آنکھوں سے دیکھتی کہ ہر مرتبہ جب اُن کی محبت بھری نگاہیں دوچار ہوتی ہیں تو افسر کے زرد زرد رخساروں پر سرخی دوڑ جاتی ہے۔ ایک ہفتہ کے بعد اُن کی یہ خاموش نظر بازی ایک لطیف اور دلکش تبسم کی حد تک پہنچ گئی۔

یہ نوجوان افسر ہرمن تھا۔

وہ جرمن نسل سے تھا اور ایک معقول جائداد کا وارث تھا۔ وہ اس سرمایہ پر ناجائز تصرف کو گناہ سمجھتا تھا اور اپنی آمدنی میں سے گزارا کیا کرتا تھا۔ وہ اپنے تئیں معمولی النفس پرستی کی بھی اجازت نہ دیتا تھا۔ وُہ خود دار تھا۔ لیکن اُس کا دل ارمانوں سے لبریز تھا۔ وہ اپنے پرسکون رویے کی تہ میں تیز و تند محبت کے جذبات اور پریشان خیالات کو چھپائے رکھتا تھا۔ وہ طبعاً قمار باز تھا لیکن آج تک اُس نے تاش کے پتّے کو ہاتھ نہ لگایا تھا۔ گو وہ ساری ساری رات بیٹھا اس کھیل کو شوق سے دیکھتا رہتا تھا۔

اُس کے دل میں ٹامسکی کی سینٹ جرمین والی داستان اور تین پتوں کے واقعے نے جوش و ہیجان پیدا کر دیا تھا۔ اُسے اس رات کے سوا اور کسی بات کا خیال نہ آیا تھا۔ دوسرے دن شام کے وقت وہ اسی کے متعلق سوچتا ہوا سینٹ پیٹرز برگ کے بازاروں میں گھومنے گیا۔

اُس نے اپنے دل میں کہا "کاش بوڑھی کونٹس مجھے راز بتا دے! کاش وہ مجھے تین جیتنے والے پتّوں کے نام بتا دے! مجھے ضرور اُس سے ملنا چاہیئے اور اس کا اعتبار حاصل کرنا چاہیئے۔ وہ اسّی سال کی بڑھیا ہے! شاید وہ اسی ہفتہ مر جائے۔ شاید کل ہی مر جائے! لیکن کیا یہ افسانہ سچا ہے؟ نہیں نہیں میرے جیتنے والے تین پتّے کفایت شعاری پرہیزگاری اور کام ہیں! ہاں ہاں یہی میرے تین پتّے ہیں! یہی میرے سرمایہ کو دُگنا بلکہ سہ گنا کرنے میں میری مدد کرینگے اُن کی مدد سے میں یقیناً خود مختاری اور مسرت حاصل کر لونگا۔

اسی طرح دل سے باتیں کرتے کرتے وہ ایک بازار میں ایک قدیم طرز کے مکان کے سامنے پہنچ گیا۔ اس کی کھڑکیوں میں سے روشنی نکل رہی تھی اور بازار گاڑیوں سے کھچا کھچ بھرا تھا۔ گاڑیاں آ آ کر اپنی سواریوں کو جو زرق برق لباسوں میں ملبوس تھیں۔ اس مکان کے سامنے اتارتی جاتی تھیں۔ ہرمن نے ایک چوکیدار سے پوچھا کہ یہ کس کا مکان ہے۔ اُس نے بتایا کہ یہ ٹامسکی کی دادی کونٹس اپنا

کا مکان ہے۔

وہ کانپ اُٹھا تین تپّوں کی داستان کا خیال پھر اُس پر غلبہ پانے لگا اور اس مکان کی مالکہ، اُسکی دولت و ثروت اور اسکے راز کے متعلق جو صرف وہی جانتی تھی۔ سوچنے لگا۔ وہ اپنے غریبانہ مکان پر واپس پہنچکر دیر تک جاگتا رہا اور جب نیند اس پر غالب آگئی تو وہ خواب میں بھی تپّوں اسبز پوش میز، اشرفیوں اور نوٹوں کو دیکھتا رہا۔ اُس نے دیکھا کہ وہ ہر دفعہ اپنی شرط دُگنی کر دیتا ہے۔ اور جیت جیت کر اپنی جیب نوٹوں سے بھر رہا ہے۔ وہ اُٹھا اور اُسے معلوم ہوا کہ یہ سب کچھ ایک دلکش خواب سے زیادہ نہ تھا۔ اُس نے ان خیالات سے نجات حاصل کرنے کے لئے پھر بازاروں میں پھرنا شروع کیا۔ کسی زبردست طاقت نے اُسے دھکیل کر پھر کونٹس کے مکان کے سامنے لا کھڑا کیا۔ وہ ٹھہر گیا اور غور سے دیکھنے لگا۔

ایک کھڑکی میں اُس نے ایک لڑکی کا سر دیکھا —— نوجوان حسین، سیاہ بالوں والی لڑکی کا سر جو ایک دلکش انداز میں کسی کتاب پر یا کسی کشیدہ پر جھکا ہوا تھا۔ پھر اُس لڑکی نے سر اوپر کو اٹھایا اور ہرمن ایک لمحے کے لئے اُس کی سیاہ مست آنکھیں نظر آئیں۔

بس ایک لمحے نے ہرمن کی قسمت کا فیصلہ کر دیا۔

۳

ایک دن جب کہ دو نوکر بڑی مشکل سے کونٹس کو گاڑی میں بٹھا رہے تھے۔ لزابیٹا نے دیکھا کہ وہ نوجوان افسر اُس کے بالکل قریب کھڑا ہے۔ اُس نے محسوس کیا کہ اس نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا ہے۔ وہ خوف سے کانپ اٹھی۔ ایک لمحہ بعد وہ اسکی انگلیوں میں ایک خط دے کر غائب ہوگیا۔ لزابیٹا نے اسے تیزی سے دستانے میں چھپا لیا اور گاڑی میں بیٹھ گئی۔

دوران سیر میں اُس نے نہ کوئی بات کی اور نہ کوئی چیز دیکھی۔ اُس نے کونٹس کے ہر سوال کا جواب

بالکل مہمل سا دیا۔ اور اس سے کونٹس کو بے حد تکلیف ہوئی۔

گھر واپس آکر لزابیٹا اپنے کمرے میں گئی۔ اُس خط کو دستانے سے نکالا اور پڑھنا شروع کیا۔ اس میں اظہار محبت تھا۔ خیالات اعلےٰ اور محبت سے لبریز تھے۔ جو ایک جرمن ناول میں سے لفظ بلفظ ترجمہ کئے گئے تھے۔ لزابیٹا چونکہ جرمن زبان نہ جانتی تھی۔ اس لئے وہ اس عبارت سے بہت محظوظ ہوئی۔

لیکن وہ پریشان بھی تھی۔ اُس کی زندگی کا یہ پہلا راز تھا۔ ایک نامعلوم الاسم انسان کا محبت نامہ! وہ اس کی دلیری کے خیال سے کانپ اٹھی۔ پھر اپنی بے حیائی پر افسوس کرنے لگی۔ اُس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کرے۔

کیا وہ کھڑکی میں بیٹھ کر کام کرنا چھوڑ دے اور ایک سرد مہر نگاہ سے نوجوان افسر کو بد دل کر دے؟ کیا اس کا خط اُسے واپس بھیج دینا چاہئے؟ ——— یا اُسے ایک فیصلہ کن جواب دینا چاہئے۔ کون سی راہ بہتر ہے؟ یہ تھے وہ خیالات جو غریب لزابیٹا کو پریشان کر رہے تھے۔ اُسے کوئی مشورہ بھی نہ دے سکتا تھا۔ کیونکہ وہ اپنی مشیر آپ ہی تھی۔

آخر اُس نے جواب دینے کا فیصلہ کر لیا۔

اُس نے کاغذ اور قلم اُٹھایا۔ اُس نے کئی دفعہ خط شروع کیا اور پھاڑ دیا۔ بعض دفعہ تحریر بہت پھیکی تھی اور بعض دفعہ خودداری سے یکسر خالی۔ آخر کار وہ چند ایسی سطور لکھنے میں کامیاب ہوگئی جنھوں نے اسے مطمئن کر دیا۔

اُس نے لکھا "مجھے یقین ہے کہ تم مجھے ایک شریف انسان کی طرح محبت کرتے ہو۔ اور تمہارے دل میں اپنے اس بے باکانہ برتاؤ سے مجھے ناراض کرنے کی کوئی خواہش نہیں لیکن تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اس طرح ہماری دوستی نہیں نبھ سکتی ہیں تمہارا خط واپس بھیج رہی ہوں اور امید کرتی ہوں کہ تم مجھے اپنی بیباکی پر افسوس کرنے کا موقع نہ دوگے۔

دوسرے دن جب اُس نے بازار میں ہرمن کو دیکھا تو اُس نے کام کرنا بند کر دیا اور کھڑکی کھول کر خط نیچے پھینک دیا۔ اُسے یقین تھا کہ نوجوان افسر ضرور اُسے حاصل کریگا۔ ہرمن نے وہ خط فوراً اُٹھا لیا خط زیادہ نا اُمید کرنے والا نہ تھا۔ اسلئے وہ مطمئن ہو کر گھر واپس آگیا۔

ہر روز لزابیٹا کو کسی نہ کسی طرح ایک خط مل جاتا اب خطوط میں جرمن ناولوں کے تراجم نہ ہوتے تھے۔ کیونکہ اُن میں زیادہ جوش اور سرگرمی کا اظہار نہ پایا جاتا تھا بلکہ وہ ایک ایسے انداز میں لکھے ہوتے تھے جو سادہ اور پُر از محبت ہوتا تھا۔ بہت جلد ان خطوط کی خوش کلامی لزابیٹا کے حجاب پر غالب آ گئی۔ اب وہ ان خطوط کے ملنے سے مسرور ہوتی تھی اور فوراً جواب لکھنے کے لئے تیار ہو جاتی تھی۔ آخر ایک دن اُس نے خط پھینکا جس کا مضمون یہ تھا:۔

"آج رات سفیر کے ہاں محفل رقص ہے۔ کونٹس جا رہی ہے ہم دو بجے تک وہیں رہینگے میں تمہیں بتاتی ہوں کہ تم مجھ سے کسی مزاحمت کے بغیر کس طرح مل سکتے ہو سنو جب کونٹس ۱۱ بجے محفل میں شریک ہونے کے لئے جائیگی تو سب نوکر اپنے اپنے کام میں مشغول ہونگے۔ صرف سوس ڈیوڑھی میں موجود ہوگا۔ لیکن وہ ہمیشہ اپنے ڈبے میں سویا رہتا ہے۔ ۱۱ بجے کے بعد فوراً مکان میں داخل ہو جاؤ۔ اور جتنی تیزی سے ہو سکے سیڑھیوں پر چڑھ جاؤ۔ اگر تمہیں راستہ میں کوئی ملے تو تم پوچھ سکتے ہو کہ کاؤنٹس موجود ہے یا نہیں۔ بلاشبہ تمہیں بتایا جائے گا کہ وہ باہر ہے۔ اس حالت میں تم چلے جانے پر ہی قناعت کرنا لیکن قیاس غالب ہے کہ تمہیں راستہ میں کوئی مزاحم نہ ہوگا۔ کونٹس کی تمام کنیزیں بہت دور رہتی ہیں ملاقات کے کمرے میں پہنچکر بائیں طرف مڑ جاؤ اور سیدھے چلتے جاؤ یہاں تک کہ تم کونٹس کے کمرے میں پہنچ جاؤ اسمیں ایک لمبے پردے کے پیچھے دو دروازے ملیں گے۔ دائیں جانب کا دروازہ ایک تاریک غیر مستعمل چھوٹے سے کمرے میں کھلتا ہے اور بائیں جانب کا ایک غلام گردش میں۔ جسکے خاتمے پر ایک چھوٹا سا پیچ دار زینہ ہے۔ یہ میرے کمرے کو جاتا ہے۔"

۴

دس بجے کے بعد ایک شیر کی مانند جو اپنے شکار پر تاک لگائے بیٹھا ہو۔ ہرمن مقررہ وقت کے انتظار میں جوش سے کانپتا ہوا کونٹس کے مکان کے دروازے کے باہر پھرتا رہا۔ ہوا تیز تھی اور برف گر رہی تھی۔ لیمپوں کی روشنی مدھم تھی اور بازار سنسان تھا۔

آخر کونٹس کی گاڑی دروازے پر آ کر ٹھہری۔ ہرمن نے دو نوکروں کو پژمردہ ضعیف عورت کو اٹھاتے اور نرم گدیلوں پر بٹھاتے دیکھا۔ ایک لمحہ بعد لزابیٹا ایک لبادے میں لپٹی اور سر پر پھولوں کا ہار پہنے نکلی، اور بجلی کی سی تیزی کے ساتھ گاڑی میں سوار ہو گئی۔ دروازہ بند ہو گیا۔ اور گاڑی نرم اور سفید برف پر چلنے لگی۔

ہرمن ادھر اُدھر گھومتا رہا۔ بہت جلد وہ ایک لیمپ کے پاس پہنچ گیا۔ اپنی گھڑی دیکھی "۱۱ بجنے میں بیس منٹ رہتے تھے۔ وہ لیمپ کے کھمبے کے ساتھ لگ کر انتظار کرنے لگا۔ ٹھیک گیارہ بجے وہ مکان کی ڈیوڑھی میں داخل ہوا۔ اور یہ دیکھ کر کہ وہاں دیکھنے والا کوئی بھی نہیں بڑا خوش ہوا۔ وہ تیزی سے سیڑھیوں پر چڑھا۔ چند لمحہ بعد وُہ ملاقات کے کمرے میں تھا۔ جہاں ایک نوکر پرانی کرسی پر سو رہا تھا۔ ہرمن تیزی سے اُسکے پاس سے گزر گیا اور دیوان خانے میں پہنچا جہاں کوئی روشنی نہ تھی۔ صرف ملاقات کے کمرے کی روشنی راستہ دکھا رہی تھی۔ آخر وہ کونٹس کی خوابگاہ میں پہنچ گیا۔

ایک سنہری لیمپ اس کمرے کو روشن کر رہا تھا قیمتی آرام کرسیاں اور سوفے جو زنگ برنگ کے چینی ریشم سے ڈھکے تھے۔ دیواروں کے ساتھ ساتھ قرینے سے رکھے تھے ہر کونے میں قسم قسم کے ظروف، ٹوکریاں، پنکھے اور ہزاروں کھلونے جن میں عورتوں کو شغف ہوتا ہے پڑے تھے۔

ہرمن ایک پردے کے پیچھے ہو گیا۔ اس نے دونوں دروازوں کو دیکھا۔ داہنا جو تاریک کمرے میں جاتا تھا اور بایاں جو غلام گردش میں کھلتا تھا۔ اُس نے موخرالذکر دروازہ کھول کر اس چھوٹے

سے زینے کو دیکھا جو غریب لزابیٹا کے کمرے کو جاتا تھا۔ پھر اس نے وہ دروازہ بند کر دیا اور تاریک کمرے میں چلا گیا۔

وقت آہستہ آہستہ گزر رہا تھا۔ مکان میں ہر طرف خاموشی تھی۔ دیوان خانے کے کلاک نے بارہ بجائے اور پھر خاموشی چھا گئی۔ ہرمن ایک دیوار کے ساتھ تکیہ لگائے تاریک کمرے میں کھڑا تھا۔ اُس کا دل ایسے آدمی کے دل کی طرح دھڑک رہا تھا جس نے تمام خطرات کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر رکھا ہو۔

اسی حالت میں اُس نے ایک بجنے کی آواز سُنی۔ پھر دو بجے اس کے تھوڑی دیر بعد دُور سے گاڑی کے پہیوں کی آواز آئی اور مکان کے پاس آکر رُک گئی۔ نوکروں کی پریشان آوازیں آنے لگیں آخر خود کونٹس کمرے میں داخل ہوئی جو ایک چلتی پھرتی لاش معلوم ہوتی تھی۔ وہ ایک آرام کرسی پر دراز ہو گئی۔ ہرمن دروازے کے ایک شگاف میں سے سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اُس نے لزابیٹا کو اپنے پاس سے گزرتے دیکھا۔ پھر چھوٹے زینے پیچ دار زینے پر چڑھتے وقت اسکے قدموں کی آہٹ سُنی۔ اُسوقت اُس نے اپنے دل میں ایک بات محسوس کی جو پشیمانی سے مشابہ تھی لیکن بہت جلد اُس نے ان خیالات پر غلبہ پالیا۔ اور ایک دفعہ پھر اُس کا دل پتھر کی مانند سخت ہو گیا۔

اکثر ضعیف لوگوں کی طرح کونٹس بھی بے خوابی کا شکار تھی۔ جب اُسکے سونے کی تیاریاں مکمل ہو چکیں تو اُس نے اپنی کنیزوں کو کھڑکی کے پاس آرام کرسی رکھنے کا حکم دیا اور پھر انھیں رخصت کر دیا۔ شمعیں بجھا دی گئیں۔ صرف ایک مدھم سی روشنی جو ملاقات والے کمرے سے آ رہی تھی۔ کمرے میں دکھائی دیتی تھی۔ کونٹس زرد ہو رہی تھی۔ اُس کا چہرہ پژمردہ تھا اور وہ کرسی پر ادھر اُدھر ہل رہی تھی۔ اُسکی آنکھیں حرکت نہ کرتی تھیں۔ بلکہ وہ ایک مُردے کی آنکھوں کی طرح ساکن تھیں۔

فوراً اسکی حالت متغیر ہو گئی۔ اُس کے ہونٹ کانپنے لگے اور اسکی آنکھیں اِدھر اُدھر پھرنے

لگیں ایک نامعلوم آدمی اُسکے سامنے آ کھڑا ہُوا۔ یہ ہرمن تھا۔

اُس نے ایسی آواز میں جو مدھم تھی لیکن جو صاف سُنی جا سکتی تھی کہا "مادام ڈرو نہیں۔ خدا کے لئے ڈرو نہیں۔ میرے دل میں گزند پہنچانے کی کوئی خواہش نہیں۔ بلکہ میں صرف تم سے ایک مہربانی کا طالب ہوں"۔

ضعیفہ نے خاموشی سے اس کی طرف دیکھا۔ گویا وہ اس کی بات کا مطلب نہ سمجھتی ہو۔ ہرمن نے خیال کیا، شاید وہ بہری ہے اور اُس نے جُھک کر اُسکے کان میں پھر وہی بات دہرائی۔ کونٹس پھر خاموش رہی۔

ہرمن نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا "تم مجھے ساری زندگی کے لئے ایک بے پایاں مسرت دے سکتی ہو، میں جانتا ہوں کہ تم مجھے وہ تین پتّے بتا سکتی ہو جو ——"

وہ ٹھہر گیا۔ بلاشبہ کونٹس سمجھ گئی تھی۔ کہ وہ کیا چاہتا ہے۔ لیکن وہ خاموش رہی۔ گویا وہ کسی موزوں جواب کی تلاش میں ہو۔

پھر کہنے لگی "یہ مذاق تھا۔ خدا قسم یہ مذاق تھا"۔

ہرمن نے غصّہ سے کہا "نہیں مادام یہ مذاق نہ تھا۔ کیا تم چپلٹسکی والے معاملہ کو بھول گئیں"؟

ایک لمحے کے لئے کونٹس کے چہرے سے پریشانی اور اضطراب کے آثار نمایاں ہوئے۔ لیکن بہت جلد پہلا سا سکون واپس آ گیا۔

ہرمن نے کہا "کیا تم مجھے تین جیتنے والے پتّے نہیں بتا سکتیں"؟

کونٹس بدستور خاموش رہی۔ اُس نے پھر کہا "اپنے دل میں اس راز کو کیوں چھپاتی ہو؟ کیا اپنے پوتوں کے لیے؟ وہ تو اسکے بغیر بھی امیر کبیر ہیں۔ وہ روپیہ کی قدر نہیں جانتے۔ تمہارے تین پتّے اُن کے کس کام؟ لیکن میں، میں ایک پختہ ارادے کا انسان ہوں اور روپے کی قدر و قیمت کو اچھی طرح جانتا

ہوں۔ مجھے بتادو کہ وہ تین پتّے کون کونسے ہیں"۔

وہ جواب کی توقع میں رُک گیا لیکن کونٹس نے زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکالا۔

ہرمن دو زانو ہو کر کہنے لگا" اگر تمہارا دل کبھی محبت سے آشنا ہوا ہے اگر تمہیں اسکی شیریں مسرتیں یاد ہیں۔ اگر کبھی ایک نوزائیدہ بچّے کی بھولی بھالی شکل دیکھ کر تمہارے لبوں پر تبسم نمودار ہوا ہے۔ اگر کبھی کسی انسانی خیال نے تمہارے دل کو متاثر کیا ہے۔ تو میں تمہیں ایک خاوند، عاشق، والد اور جو کچھ زندگی میں مقدس ہے اُس کا واسطہ دے کر التجا کرتا ہوں کہ میری درخواست کو رد نہ کرو۔ مجھے اپنا راز بتادو! شاید کوئی خوفناک گناہ اس راز سے وابستہ ہے ------ دائمی مسرت کا نقصان؟ کیا تم شیطانی طاقتوں سے کوئی عہد وپیمان کرنا چاہتی ہو۔ اگر چاہتی ہو تو خیال کرو کہ تم ضعیف ہو اور برلبِ مرگ ہو۔ میں تمہارے سارے گناہ اپنے ذمے لینے اور خدا کے سامنے جواب دہ ہونے کے لئے تیار ہوں۔ مجھے وہ راز بتادو۔ سوچو ایک انسان کی مسرّت تمہارے اختیار میں ہے۔ نہیں، نہیں صرف میری نہیں۔ بلکہ میرے بچّوں کی اور بچوّں کے بچّوں کی بھی۔ وہ سب تمہیں یاد رکھیں گے اور ایک سرپرست کی طرح ہمیشہ تمہاری تعظیم کرینگے!"

ضعیف کونٹس نے ایک لفظ بھی زبان سے نہ کہا۔ ہرمن اُٹھا اور دانت پیس کر چلانے لگا۔ "ملعون بڑھیا۔ میں جانتا ہوں کہ کس طرح یہ راز معلوم کیا جاسکتا ہے"۔

اور اُس نے جیب سے ایک پستول نکالا۔

پستول دیکھ کر کونٹس پھر مضطرب ہوئی۔ اس کا سر زیادہ تیزی سے کانپنے لگا۔ اُس نے اپنے بازو پھیلا دیئے گویا وہ پستول سے بچنا چاہتی ہو۔ پھر معاً وہ کرسی پر گر پڑی اور بےحس و حرکت لیٹی رہی۔

ہرمن نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر کہا"۔ اس قدر مکاّر نہ ہو۔ اور سیدھی طرح مجھے وہ راز بتادو۔

میں آخری دفعہ پھر التجا کرتا ہوں کہ مجھے وہ تین پتے بتا دو۔ کیا بتاتی ہو یا نہیں ؟

کونٹس نے کوئی جواب نہ دیا۔ ہرمن خوف اور استعجاب سے کانپ گیا۔ کونٹس مر چکی تھی۔

۵

لزابیٹا اپنے کمرے میں بیٹھی تھی۔ وہ ابھی تک رقص کے لباس میں تھی اور خیالات میں غرق تھی گھر واپس آکر اس نے اپنی کنیز کو یہ کہہ کر کہ وہ خود ہی لباس اُتارے گی چلے جانے کا حکم دیا تھا اور زینہ پر چڑھ کر کمرے میں چلی گئی تھی۔ وہ ہرمن کے خیال سے خوفزدہ تھی اور چاہتی تھی کہ وہ نہ آیا ہو جب اُس نے اُسے وہاں نہ پایا تو شکر کیا۔ وہ خیالات میں غرق کھڑی رہی۔ اور رقص کا لباس اتارے بغیر اس محبت کے گذشتہ واقعات کو دہراتی رہی۔ جو اتنا تھوڑا عرصہ قائم رہی تھی۔ اور تاہم اتنی زیادہ ہو گئی تھی۔

وہ یونہی بیٹھی تھی۔ اُسکے ہاتھوں پر دستانے نہ تھے۔ اسکے کندھے ننگے تھے۔ اور اسکا سر اُس کے سینے پر جھکا ہوا تھا۔ معاً دروازہ کھُلا اور ہرمن کمرے میں داخل ہوا۔

وہ خوف سے چونکی اور کانپ کر پوچھنے لگی "تم کہاں تھے" ؟

ہرمن نے جواب دیا "میں کونٹس کی خواب گاہ میں تھا۔ وہ مر گئی ہے"۔

"اوہ میرے اللہ تمہارا اس سے کیا مطلب ہے" ؟

اُس نے آرام سے کہا۔ "وہ مر گئی ہے اور مجھے خوف ہے کہ اس کی موت کا سبب میں ہی ہوں"۔

لزابیٹا نے حیرت سے اُس کی طرف ٹکٹکی لگا کر دیکھا۔ ہرمن کھڑکی کے پاس بیٹھ گیا اور اطمینان آمیز لہجے میں اُسے سارا واقعہ سنانے لگا۔

لزابیٹا بیٹھی خوف سے سنتی رہی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کیا وہ محبت بھرے خطوط۔ وہ شعلہ زن فقرات وہ عشقبازی محض جھوٹ تھی۔ ان خطوط میں سے ایک بھی سچی محبت سے متاثر ہو کر نہ لکھا گیا تھا ؟ کیا ہرمن

کی روح صرف سونے کے لالچ سے لبریز تھی؛ کیا صرف بین نے ہی حقیقی طور پر اپنا دل اُسے دیا تھا، اس نے محسوس کیا کہ وہ ایک ظالم لٹیرے کے ہاتھ میں صرف ایک آلہ کار تھی۔ اپنی ضعیف مالکہ کے قاتل کے ہاتھ میں۔ اور وہ فرطِ غم سے ہچکیاں لے لے کر رونے لگی۔

ہرمن خاموشی سے رونا دیکھتا رہا۔ ناخوش حسینہ کے آنسو اور اس کا چہرہ جو غم کی وجہ سے زیادہ دلکش ہو گیا تھا۔ اُس کے پتھر دل کو نرم نہ کر سکا۔ وہ صرف کونٹس کی موت پر افسوس کر رہا تھا۔ صرف ایک خیال اُسے رہ رہ کر تکلیف پہنچا رہا تھا اور وہ یہ کہ وہ راز جس کے متعلق اُسے بڑی بڑی توقعات تھیں اب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کونٹس کے ساتھ دفن ہو جائیگا۔

تھوڑا عرصہ خاموش رہنے کے بعد لزا بیٹا چلائی "آہ تم ظالم ہو!"

ہرمن نے سرد مہری سے جواب دیا "میرا ارادہ اُسے مارنے کا بالکل نہ تھا۔ میرا پستول خالی تھا!"

کچھ عرصے تک ایک دوسرے کی طرف دیکھے اور زبان سے کوئی لفظ نکالے بغیر وہ یونہی کھڑے رہے۔ پو پھوٹنے لگی تھی۔ لزا بیٹا نے شمع بجھا دی۔ اُس نے اپنے آنسو پونچھے اور نگاہیں ہرمن کے چہرے پر جما دیں۔

آخر اُس نے پوچھا "تم اب یہاں سے باہر کیسے نکلو گے؟ میرا ارادہ تمہیں خفیہ زینہ سے باہر نکالنے کا تھا۔ لیکن اُس کے لئے کونٹس کے کمرے میں سے ہو کر گزرنا پڑتا ہے میں بیحد خوفزدہ ہوں۔"

"اگر تم مجھے زینے کا پتہ بتا دو تو میں خود چلا جاؤنگا۔"

وہ اُٹھی اور ایک دراز سے چابی نکال کر اُس نے ہرمن کو دی اور چور دروازے کا پتہ بتا دیا۔

وہ پیچ دار زینے سے اُتر کر کونٹس کے کمرے میں جا داخل ہوا جہاں سے اُسے ایک چھوٹا سا دروازہ ملا۔ جسکے کھلنے سے ایک زینہ نظر آیا۔

زینے کے خاتمے پر ایک اور دروازہ تھا جو چابی لگانے سے کھل گیا۔ پھر وہ ایک غلام گردش

میں پہنچا اور چند لمحہ بعد وہ بازار میں تھا۔

۶

اس منحوس رات کے تین دن بعد صبح کے نو بجے ہرمن گرجا میں داخل ہوا۔ جہاں شہر کے تمام امیر لوگ بوڑھی کونٹس کی نعش کی تجہیز و تکفین کی آخری رسوم ادا کرنے کے لئے جمع تھے۔ اُس نے کسی قسم کی پشیمانی محسوس نہ کی گو وہ اس حقیقت سے پوری طرح باخبر تھا کہ وہی اس بیچاری کا قاتل ہے۔ اسکے دل میں مختلف اوہام پیدا ہو رہے تھے۔ اُسے یہ خیال نہ چھوڑتا تھا کہ شاید مردہ کونٹس اُس پر شیطانی طاقتوں کی مشق کرے گی اور اب وہ اس لئے آیا تھا کہ اُس کے جنازے پر حاضر ہو کر اُس کی رُوح کو تسکین دے۔

گرجا لوگوں سے کھچا کھچ بھرا تھا۔ اس لئے اُسے نشست حاصل کرنے میں بڑی دقت ہوئی۔ نعش سفید ساٹن کے کفن میں لپٹی ہوئی مخمل کے ایک شامیانے کے نیچے ایک شاندار تختے پر رکھی تھی۔

وعظ مروجہ دعا کے ساتھ ختم ہو گیا۔ ایک مشہور مبلغ نے مردہ عورت کی خوبیوں کو خوب بڑھا چڑھا کر بیان کیا۔ اسکے بعد رشتہ دار کونٹس کی آخری نعش کو آخری الوداع کہنے کے لئے نزدیک آئے۔

ہرمن بھی تابوت کے نزدیک گیا۔ کچھ دیر کو وہ زمین پر دوزانو بیٹھ گیا پھر ایک مردہ کی طرح زرد ہو کر اٹھا اور کونٹس کا چہرہ دیکھنے کے لئے آگے جھکا معاً اُسے معلوم ہوا کہ مردہ کونٹس نے آنکھیں کھول دی ہیں اور اسکی طرف ٹکٹکی لگا کر دیکھ رہی ہے۔

وہ گھبرا کر پیچھے ہٹا اور سر کے بل سیڑھیوں پر گر پڑا۔ اُسے اٹھاتے وقت گرجا میں ہل چل پڑ گئی۔ اسی اثنا میں لزابیٹا بے ہوش ہو گئی۔ اس واقعے نے تجہیز و تکفین کی شان کو پھیکا کر دیا۔ کئی لوگ سرگوشیاں کرنے لگے کہ ہو نہ ہو یہ نوجوان افسر جو اسقدر متاثر ہوا ہے ضرور مردہ کاؤنٹس کا کوئی

گمنام نزدیکی رشتہ دار ہے۔

دن کے باقی ماندہ حصّے میں ہرمن سخت بے آرام اور بے چین رہا۔ خلافِ عادت اُس نے اس ہوٹل میں جہاں وہ کھانا کھایا کرتا تھا۔ خوب شراب پی۔ اس اُمید پر کہ شاید اس طرح وہ ڈراؤنے خیالات سے نجات حاصل کرلے لیکن شراب نے اُس کے تصورات اور خیالات کو اور بھڑکا دیا۔ اُسی وقت وہ گھر واپس آیا اور لباس اُتارے بغیر بستر پر دراز ہوگیا۔ اور سوگیا

جب وہ بیدار ہوا تو رات ابھی سر پر کھڑی تھی اور چاندنی اُسکے کمرے میں داخل ہو رہی تھی۔ اُس نے گھڑی دیکھی۔ تین بجنے میں پندرہ منٹ تھے۔ اب اُسکے دل میں سونے کی کوئی خواہش نہ تھی۔ اس لئے وہ اُٹھ کر بستر میں بیٹھ گیا اور بوڑھی کونٹس کا خیال کرنے لگا۔

معاً اُس نے کسی شخص کو گلی میں کھڑکی کے پاس کھڑے دیکھا۔ گویا کوئی کمرے میں جھانک رہا ہو اور پھر جلدی سے آگے چلا گیا۔ ہرمن نے بالکل توجہ نہ دی۔ پھر اُسے معلوم ہوا کہ کسی نے بیرونی کمرے کا دروازہ کھولا ہے۔ اُس نے خیال کیا کہ شاید یہ اس کا اردلی ہے جو حسبِ معمول مخمور ہو کر سیر گشت سے واپس آیا ہے لیکن غور سے سننے کے بعد اُسے معلوم ہوا کہ یہ اُس کے قدموں کی آہٹ نہیں۔ کوئی شخص دبے پاؤں نزدیک آرہا تھا۔

دروازہ کھلا، اور ایک عورت جو سفید لباس پہنے ہوئے تھی۔ کمرے میں داخل ہوئی۔

ہرمن نے خیال کیا کہ یہ ضرور اُس کی بوڑھی دایا ہے۔ اور حیران ہوا کہ اس وقت وہ کیوں آئی ہے لیکن ایک لمحہ بعد وہ عورت اسکے بستر کے پاس کھڑی تھی —— یہ کونٹس تھی۔

عورت نے بلند آواز میں کہا "میں اپنی خواہش کے خلاف تم سے ملنے آئی ہوں۔ میں تمہاری درخواست منظور کرنے پر رضامند ہوگئی ہوں۔ سنو —— تگی —— ستا —— اکا —— یہ جیتنے والے پتے ہیں لیکن یاد رکھو کہ ۲۴ گھنٹوں کے اندر ایک سے زیادہ پتوں پر شرط نہ لگانا۔ اور

اس کے بعد پھر کبھی جوا نہ کھیلنا! مَیں تمہیں معاف کرتی ہُوں۔ بشرطیکہ تم میری سہیلی لزا بیٹیا سے شادی کر لو۔"

یہ کہہ کر وہ دروازہ کی طرف مُڑی اور غائب ہو گئی۔ ہرمن نے بیرونی کمرے کا دروازہ بند ہونے کی آواز سُنی، اور پھر اُس نے کونٹس کے جسم کو گلی میں جاتے دیکھا ایک لمحے کے لئے وہ کھڑکی کے پاس اُسے دیکھنے کے لئے رُکی اور پھر غائب ہو گئی۔

کچھ عرصے تک وہ حیرت میں غرق رہا۔ پھر اُٹھ کر بیرونی کمرے میں گیا۔ اُس کا اردلی زمین پر گہری نیند سو رہا تھا۔ اُس نے اُسے بڑی مشکل سے جگایا۔ لیکن اُس نے کوئی تسلی بخش جواب نہ دیا۔ پھر بازار والا دروازہ دیکھا۔ وہ مقفل تھا۔

ہرمن اپنے کمرے میں واپس آ گیا اور اُس نے جلد جلد سارے حالات قلمبند کر لئے۔

۷

"تگّی —— ستّا —— اکّا ——!" اس خیال نے ہرمن کے دماغ میں کونٹس کے آخری لمحات کی یاد کو تازہ کر دیا۔

"تگّی —— ستّا —— اکّا ——!" یہ الفاظ پل بھر کے لئے بھی اُس کے دماغ سے نہ نکلے۔ سارا سارا دن یہ الفاظ اس کی زبان پر رہتے۔ اگر وہ بازار میں کسی حسین عورت کو دیکھتا تو آہستہ سے کہتا "کیسا خوبصورت جسم ہے۔ بالکل پان کی تگّی ہے۔" اگر اس سے کوئی پوچھتا تو وہ جواب دیتا "مائینٹ کے ستّے میں ۵ منٹ!" اگر اسے کوئی موٹا تازہ آدمی ملتا تو وہ اُسے حکم کے اکّے کی یاد دلا دیتا۔

اُس کے تمام خیالات ایک مسئلہ پر مرتکز تھے۔ اور وہ یہ کہ وہ اُس علم کو جو اسے اتنی محنت کے بعد حاصل ہوا تھا۔ کیونکر استعمال کرے؟ اُس نے رخصت حاصل کر کے سفر کا خیال کیا۔ اس نے سوچا کہ اسطرح شاید پیرس میں کوئی قمار خانہ مل جائے جہاں اُسکے لئے صرف تین شرطیں جیت کر دولت حاصل

کرنا ممکن ہو لیکن قسمت نے اس کی مشکل حل کر دی۔

ماسکو میں ایک قمار خانہ تھا جس کے مالک کا نام چیکالنسکی تھا۔ وہ کروڑپتی تھا۔ اُس نے اپنی طویل زندگی میں جو قمار بازی پر قربان بھی صرف چند روپے ہارے تھے اور نوٹوں کے نوٹ جیتے تھے۔ وہ ایک شاندار مکان کا مالک تھا اور عام طور پر لوگوں میں ہر دلعزیز اور قابلِ عزت سمجھا جاتا تھا۔ یہی چیکالنسکی اب سینٹ پیٹرزبرگ میں وارد ہوا۔ بہت جلد اس کا مکان دارالحکومت کے قماربازوں سے بھر گیا، جنہوں نے رقص و سرود کی محفلوں میں جانا بالکل چھوڑ دیا اور یہیں کے ہو رہے۔

نارومف ہرمن کو چیکالنسکی کے مکان پر لے گیا۔

وہ کمروں کے ایک لمبے سلسلے میں سے گزرے جن میں خوشامدی نوکر کھڑے تھے۔ سارا مکان مہمانوں سے بھرا تھا جرنیل اور پریوی کونسل کے ارکان گنجفہ کھیلنے میں مشغول تھے۔ نوجوان افسر آرام کرسیوں پر لیٹے قلفیاں کھا رہے تھے اور لمبے لمبے پائپ پی رہے تھے۔ سب سے بڑے کمرے میں ایک لمبی سبز پوش میز کے گرد کھلاڑی جمع تھے۔ میزبان "فارو" کے ایک کھیل میں ساہوکار کا پارٹ ادا کر رہا تھا۔ اُس کی عمر ساٹھ کے لگ بھگ تھی۔ اُس کا چہرہ مہربان اور امیرانہ تھا۔ اُس کے بال برف کی مانند سفید تھے خوش مذاقی، شفقت اور تندرستی اُس کے خدّوخال سے ٹپکی پڑتی تھی۔ نارومف نے اُس سے ہرمن کا تعارف کرایا اور چیکالنسکی نے ہاتھ ملا کر خوش آمدید کہی اور پھر پتّے کاٹنے میں مشغول ہو گیا۔

پتّوں کی تقسیم میں کچھ عرصہ لگا۔ کیونکہ تیس سے زیادہ پتّے واپس کئے گئے تھے۔ ہر پتّے کی وصولی کے بعد چیکالنسکی جیتنے والوں کو شرط دگنی کرنے کا موقع دینے کے لئے ٹھہر جاتا، روپے ادا کرتا اور ہارنے والوں کے نازیبا کلمات بڑی تہذیب اور شائستگی سے سنتا اور اس سے بھی زیادہ شائستگی کے ساتھ اُن پتّوں کے کونے سیدھے کرتا جو کھلاڑیوں کے بے پروا ہاتھوں سے مڑ جاتے جب پتّوں کی تقسیم ختم ہو گئی تو اُس نے اُن کو ملا دیا۔ اور پھر ایک تازہ تقسیم کے لئے تیار ہو گیا۔

ہرمن نے اپنا بازو ایک موٹے تازے آدمی کے کندھے پر سے جو سب سے زیادہ جیت رہا تھا۔ آگے بڑھا کر کہا۔ "کیا آپ مجھے ایک پتا لینے کی اجازت دیجئے گا؟"

چیکالنسکی اُسکی طرف دیکھ کر مسکرایا، اور رضا مندی ظاہر کرنے کے لئے جُھکا۔

نارومف ہنسا اور اپنے دوست کو گذشتہ پارسائی سے نجات حاصل کرنے پر مبارکباد دینے لگا۔ اور کہنے لگا کہ خدا تمہاری قمار بازی کی ابتدا میں تمہاری قسمت اچھی کرے۔

ہرمن نے اپنے پتّے کی پشت پر اپنی شرط لکھ کر کہا "یہ لیجئے"!

چیکالنسکی نے آنکھیں جھپک کر پوچھا "کتنی؟ معاف کیجئے میری نظر زیادہ صاف نہیں ہے"۔

ہرمن نے کہا۔ "۴۷ ہزار روبلز!"

اِن الفاظ سے سارے کھلاڑیوں کے سر اُٹھ گئے اور ہر آنکھ بولنے والے کے چہرے پر گڑ گئی۔

نارومف نے دل میں کہا۔ "یہ دیوانہ ہو گیا ہے!"

چیکالنسکی نے مسکرا کہا۔ "مجھے یہ عرض کرنے کی اجازت دیجئے کہ آپ کی شرط بہت زیادہ ہے اس کھیل میں زیادہ سے زیادہ شرط ۲۷۵ روبلز مقرر ہے"۔

ہرمن نے جواب دیا۔ "بہت خوب لیکن کیا آپ میری یہی شرط منظور فرمائیں گے؟"

چیکالنسکی یہ ظاہر کرنے کو کہ اُسے یہ شرط منظور ہے جھکا اور کہنے لگا "میں چاہتا ہوں کہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ گو مجھے اپنے دوستوں پر اعتبار ہے لیکن جب تک نقد روپیہ ادا نہ کر دیا جائے میں کوئی پتا تقسیم نہیں کرتا۔ مجھے معلوم ہے کہ آپ کا صرف وعدہ ہی کافی ہے۔ لیکن ممنون ہونگا کہ اگر آپ کھیل کو باقاعدہ بنانے اور حساب کتاب کی الجھن سے بچنے کے لئے اپنی شرط اپنے پتّے پر رکھ دیں"۔

ہرمن نے اپنی جیب سے نوٹوں کا ایک پلندا نکالا اور چیکالنسکی کو دے دیا جس نے اُسے دیکھ

کر پتّے پر رکھ دیا۔

اُس نے پتّے تقسیم کئے۔ دائیں طرف ایک دہلا تھا اور بائیں طرف ایک تگی۔

ہرمن نے اپنا پتّا دکھا کر کہا "میں جیت گیا ہوں"۔

کھلاڑی حیرت سے سرگوشیاں کرنے لگے۔ ایک لمحہ کے لئے چیپکالنسکی کے ابرو تن گئے۔ لیکن پھر وہ حسبِ معمول مسکرانے لگا۔

اُس نے ہرمن سے پوچھا "کیا میں حساب چکا دوں؟"

ہرمن نے کہا "جیسا آپ مناسب سمجھیں"۔

چیپکالنسکی نے اپنی پاکٹ بک سے نوٹ نکال کر اُسی وقت ادا کر دیئے۔ ہرمن نے اپنی جیت جیب میں ڈالی۔ میز سے اُٹھا۔ لیمینڈ کا ایک گلاس پیا اور گھر چلا آیا۔

اگلی شام کو وہ پھر چیپکالنسکی کے مکان پر آیا۔ اور اُسے پتّوں کی تقسیم میں مشغول پایا۔ ہرمن میز کے قریب گیا۔ اس مرتبہ کھلاڑیوں نے اس کے لئے خود بخود جگہ چھوڑ دی۔ چیپکالنسکی عزت کے ساتھ اسکی طرف جھکا۔

ہرمن ایک تازہ تقسیم کے شروع ہونے تک انتظار کرتا رہا پھر اس نے ایک پتّا منتخب کیا اور ۴۷ ہزار روبلز اور اسکے علاوہ گذشتہ شام کی جیت بھی اس پر لگادی

چیپکالنسکی نے تقسیم شروع کی۔ دائیں طرف ایک غلام تھا اور بائیں طرف ایک ستّا۔

ہرمن نے ستّا نکال کر دکھایا۔

اس پر حیرت کی ایک عام صدا بلند ہوئی۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ چیپکالنسکی بے قرار ہو گیا اُس نے ۹۴ ہزار روبلز گن کر ہرمن کے حوالے کر دیئے جن کو ہرمن نے پورے سکون سے وصول کیا۔ میز سے اُٹھا اور جلدی سے مکان سے باہر نکل گیا۔

اگلی شام کو وہ پھر آیا۔ ہر شخص کو اس کے آنے کی توقع تھی۔ بڑے بڑے امرا نے اس غیر معمولی قمار بازی کو دیکھنے کے لئے گنجفہ چھوڑ دیا۔ نوجوان افسر بھی اپنی کرسیوں سے اُٹھ کر بڑے کمرے میں آ گئے اور ہرمن کے گرد کھڑے ہو گئے۔ تمام قمار بازوں نے کھیلنا بند کر دیا۔ وہ بڑی بے صبری سے ہرمن اور چیکالنسکی کی جنگ دیکھنے کے منتظر تھے۔ چیکالنسکی مردے کی طرح زرد تھا لیکن حسب معمول مسکرا رہا تھا۔ ہرمن میز کے قریب ہو گیا۔

دونوں حریفوں نے میز پر پتے پھیلا دیئے۔ ہرمن نے ایک پتا اٹھایا اور اس پر نوٹوں کا ایک پلندا رکھ دیا۔ دائیں طرف ایک بیگم تھی اور بائیں طرف ایک اکا۔

ہرمن نے پتا اٹھا کر کہا۔ "اکا جیتا ہے"۔

چیکالنسکی نے ایک شیریں لہجہ میں جواب دیا۔ "آپ کی بیگم ہر گئی ہے!"

ہرمن کانپ اُٹھا۔ بجائے اکے کے جس کے متعلق اُسے پختہ یقین تھا۔ اسکے سامنے میز پر اینٹ کی بیگم رکھی تھی۔ اُسے یقین نہ آتا تھا۔ اسکی آنکھیں نہ مانتی تھیں کہ یہ غلطی کس طرح ہوئی۔ اس نے ٹکٹکی لگا کر اس منحوس پتے کو دیکھنا شروع کیا۔ اُسے ایسا معلوم ہوا کہ اینٹ کی بیگم ایک آنکھ بند کر کے اسکی طرف ایک طنز آمیز نگاہ کے ساتھ غور سے دیکھ رہی ہے۔ اپنے خوف و ہراس میں اُس نے دیکھا کہ اس کی شکل بالکل مردہ کونٹس کی شکل سے ملتی ہے اور —

وُہ غضب ناک ہو کر چلایا۔ "ذلیل، نابکار بڑھیا!"

چیکالنسکی نے اپنی جیت اکٹھی کی۔ ہرمن کچھ دیر تک بے حس و حرکت کھڑا رہا۔ پھر وُہ کمرے سے باہر چلا گیا۔ ہر طرف گفتگو ہونے لگی کہ واقعی یہ ایک لاثانی جوا تھا۔ سب قمار باز اس سے متفق تھے۔ چیکالنسکی نے پتے ملائے اور کھیل شروع ہو گیا۔

ہرمن کا انجام ایک پاگل خانہ میں ہوا جہاں وہ ہر سوال کا جواب دینے سے انکار کر دیتا۔ وہ

ہر وقت اپنے دل سے کہتا رہتا "تگّی —— ستّا —— اِکّا ! تگّی ——
ستّا —— اِکّا !"

فرشتہ

کبھی کبھی ساشکا زندگی کے چکر سے بھاگنا چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اُسے ہر روز صبح سویرے برف ایسے ٹھنڈے پانی سے منہ نہ دھونا پڑے۔ سکول جا کر جھڑکیاں نہ سہنی پڑیں اور ماں کے حکم سے گھنٹوں دوزانو ہو کر تکلیف برداشت نہ کرنی پڑے لیکن ابھی اسکی عمر صرف تیرہ سال کی تھی۔ اور وہ ان طریقوں سے ناواقف تھا جن کی بدولت لوگ زندگی کے چکر سے نجات حاصل کر لیتے۔ اس لئے وہ بدستور سکول جاتا رہا اور شام کو دوزانو بیٹھتا رہا۔ اُس کا خیال تھا کہ زندگی کبھی ختم نہ ہوگی۔

ایک سال اور گذر گیا۔ مگر وہ سکول جاتا رہا۔ ساشکا ایک بیباک اور خودسر لڑکا تھا۔ اور یہ تکلیفیں صبر و شکر سے برداشت نہ کر سکتا تھا۔ اس لئے اس نے زندگی سے انتقام لینے کی ٹھان لی۔ اُس نے اپنے ہم سبقوں کو پیٹا۔ استادوں کی بے عزتی کی۔ کتابیں پھاڑ ڈالیں اور اپنی ماں سے

گئی باتوں کے متعلق جھوٹ بولا صرف اپنے باپ سے وہ کبھی جھوٹ نہ بولتا تھا جب وہ ایک لڑائی میں کسی سے پٹا تو اس نے ڈھیر آنسو بہائے اسقدر زور زور سے چلانا شروع کر دیا کہ لوگوں نے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں۔ جب وہ جی بھر کر چلا چکا تو یکایک خاموش ہو گیا اور زبان باہر نکال کر اپنی کاپی میں ایک تصویر بنانے لگا۔ جس میں وہ اپنے اُستاد کی طرف دیکھ کر چلاّ رہا تھا اور استاد کانوں پر ہاتھ رکھے ہوئے تھا۔ اُس کی ساری کاپی اسی قسم کی تصویروں سے بھری پڑی تھی لیکن اس میں ایک موٹی عورت کی کئی تصویریں تھیں جو ایک موٹا ڈنڈا ہاتھ میں لئے ایک بہت ہی پتلے دُبلے مریل سے لڑکے کو پیٹ رہی تھی ان تصویروں کے نیچے لکھا تھا "معافی مانگ بدمعاش" پھر جواب تھا "ہرگز نہیں۔ مجھے مار ڈالو۔ لیکن میں معافی نہ مانگونگا۔

کرسمس سے پہلے ساشکا کو سکول سے نکال دیا گیا۔ اور جب اُس کی ماں نے اُسے مارا تو ساشکا نے اُسکی انگلی چبا ڈالی۔ اب ساشکا آزاد ہو گیا۔ اور اُس نے صبح سویرے منہ دھونا چھوڑ دیا۔ وہ سارا سارا دن دوسرے لڑکوں سے کھیلتا اور لڑتا جھگڑتا رہتا سوائے بھوک کے وہ کسی چیز سے نہ ڈرتا تھا۔ اُسکی ماں نے اُسے کھانا دینا بند کر دیا تھا لیکن اُس کا باپ اُس کے لئے روٹی وغیرہ چھپا رکھتا تھا۔ ساشکا نے نتیجہ نکالا کہ ان حالات میں زندگی گذارنا کچھ خاص مشکل کام نہیں ہے۔

کرسمس سے پہلے جمعہ کے دن ساشکا دیر تک لڑکوں کے ساتھ کھیلتا رہا۔ رات ہو گئی اور ایک گہری دھند چھا گئی جب وہ گھر پہنچا تو اسکی ماں نے اُسے مارنے کی کوشش کرتے ہوئے چلا کر پوچھا "تم اتنی دیر کہاں رہے؟"

وہ اپنی آستینیں چڑھانے لگی۔ اُس کے موٹے موٹے سفید بازو نظر آنے لگے۔ اور چہرے پر پسینہ کے قطرے نمودار ہو گئے۔ ساشکا نے نفرت سے ناک بھوں چڑھائی اور ساتھ والے کمرے میں چلا گیا۔ جب وہ ماں کے پاس سے ہو کر گذرا تو اُسے شراب کی سخت بدبو آئی۔

دوسرے کمرے میں اُس کا باپ بیٹھا ہوا مشکل سے سانس لے رہا تھا۔ اُسے سردی لگ رہی تھی اور وہ اس وقت لحاف اوڑھے سکڑا ہوا اپنے آپ کو گرم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ کہنے لگا "ساشکا صوفیہ کے خاندان والوں نے تمہیں کرسمس منانے کے لئے اپنے ہاں مدعو کیا ہے۔ ابھی ابھی ایک نوکر پیغام لے کر آیا تھا۔"

ساشکا نے حیرت سے پوچھا "مجھے بلایا ہے؟"

"ہاں ہاں تمہیں۔ گو تمہاری ماں نے تمہیں بتایا نہیں لیکن اس نے تمہارے کپڑے تیار کر رکھے ہیں۔"

ساشکا بہت حیران ہوا صوفیہ کے خاندان والوں نے جن کی وساطت سے وہ سکول میں داخل ہوا تھا۔ اُسکے سکول سے نکلنے کے بعد سے اُس کا اپنے ہاں آنا جانا بند کر دیا تھا وہ کہنے لگا۔ لیکن میں تو اُن کے ہاں نہیں جاؤنگا۔ وہ مجھے دیکھ کر ناراض ہونگے اور مجھے بدالڑکا کہیں گے۔"

اُس کا باپ خاموش بیٹھا کانپ رہا تھا۔ دوسرے کمرے سے ایک مدھم سی روشنی اُس کی آنکھوں اور پیشانی پر پڑ رہی تھی۔ ایک زمانہ تھا کہ وہ ہر وقت شراب پی کر مست رہتا تھا اور اُس کی بیوی اُس سے خوف کھاتی اور نفرت کرتی تھی لیکن جب اسکے پھیپھڑوں سے خون آنے لگا۔ اور اُس نے شراب نوشی ترک کر دی تو اس کی بیوی شراب پینے لگی اور اپنے خاوند سے اُن تمام تکالیف کا بدلہ لینے لگی جو اُسے اسکے ہاتھوں برداشت کرنی پڑی تھیں۔ وہ جب کبھی پیتا تو ایسے الفاظ استعمال کرتا۔ جو وہ بیچاری بالکل نہ سمجھ سکتی۔ وہ گھر میں لمبے لمبے بالوں والی بیسوائیں لے آتا اور داد عیش دیتا لیکن اُسکی بیوی نے ایسا نہ کیا۔ وہ جوں جوں شراب پیتی جاتی زیادہ اچھی بنتی جاتی۔ وہ جو جی میں آتا کہتی۔ عورتوں اور مردوں کو گھر پہ مدعو کرتی اور اُن کے ساتھ مل کر خوب ناچتی گاتی۔ اس عرصہ میں اُس کا خاوند ساتھ والے کمرے میں لیٹا ان کی زندگی کی تباہ حالی اور بے انصافی کے متعلق

نہ جانے کیا کیا سوچتا رہتا۔ اُس کی بیوی سے جو کوئی ملتا وہ یہی کہتی کہ اُس کا خاوند اور بیٹا دونوں اُسکے بدترین دشمن ہیں۔

وہ ساشکا سے کہنے لگی۔ "اور میں کہہ رہی ہوں کہ تمہیں وہاں جانا ہوگا۔"

یہ کہتے ہوئے وہ اپنی مٹھی بند کر کے میز پر مارنے لگی جس پر رکھے ہوئے شیشے کے گلاس جھن جھن بجنے لگے۔

ساشکا نے سرد مہری سے جواب دیا "اور میں کہتا ہوں کہ میں ہرگز نہیں جاؤنگا۔"

اُس نے منہ بنایا۔ اور دانت دکھائے۔ سکول میں اس عادت کی وجہ سے اُس کا نام بھیڑیے کا بچہ پڑ گیا تھا۔ اس کی ماں چلائی "میں تمہیں ماروں گی۔ ایسا ماروں گی کہ یاد ہی کرو گے۔"

"اچھا۔ مار کے دیکھ لو۔"

وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ ایک ایسے بیٹے کو مارنا ناممکن ہے۔ جو انگلی چبا ڈالتا ہے اور اگر وہ کان پکڑ کر اُسے گھر سے نکال دے تو وہ وہاں نہیں جائیگا۔ بلکہ ساری رات آوارہ گردی کرتا رہیگا اور سردی سے ٹھٹھر جائیگا۔ اس لیئے اس نے یہی بہتر جانا کہ اُس کے باپ سے کہے اس

روپیہ پیسہ سے اُس کی مدد کرتے رہے اور اُس کی بیوی گو اُن سے نفرت کرتی تھی جیسا کہ وہ کتابوں اور ہر اس چیز سے نفرت کرتی تھی جس کا تعلق اُس کے خاوند کی گزشتہ زندگی سے تھا۔ لیکن اس دوستی کو غنیمت جانتی تھی۔ ساشکا کے باپ نے کہا "شاید تم وہاں سے میرے لئے کچھ لا سکو"

ساشکا اپنے باپ کا مطلب سمجھ گیا۔ اور اس کمزوری کے لئے اُس کی طرف حقارت سے دیکھنے لگا۔ گو وہ چاہتا تھا کہ اپنے بیمار باپ کے لئے وہاں سے ضرور کچھ لائے جس نے مدت سے عمدہ تمباکو نہ پیا تھا۔ اُس نے کہا "اچھا میں جاؤں گا۔ میرے کپڑے تیار کر دو"۔

۲

ابھی بچوں کو اُس کمرے میں جانے کی اجازت نہ ملی تھی جس میں کرسمس کا درخت رکھا تھا وہ باہر بیٹھے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ ساشکا اُن کی باتیں سنتا رہا اور جیب میں ہاتھ ڈال کر سگریٹ کے اُن ٹکڑوں سے کھیلتا رہا جو اُس نے وہاں سے اُٹھا کر جیب میں ڈال لئے تھے صوفیہ کے خاندان کا سب سے ننھا بچہ کولیا اُس کے قریب آیا اور اپنے منہ میں انگلی ڈال کر تھوڑی دیر کھڑا رہا جچھ نہینے ہوئے کولیا نے اپنے والدین کے متواتر سمجھانے پر منہ میں انگلی ڈالنے کی عادت چھوڑ دی تھی لیکن کبھی کبھی ایسا کرنے سے وہ باز نہ رہ سکتا تھا۔ اس کے بال سنہری تھے۔ جو اُس کے کندھوں پر پڑتے تھے اُس کی آنکھیں نیلی تھیں اور حقیقت میں یہ اُس قسم کا بچہ تھا جسے تنگ کرنا ساشکا کا محبوب مشغلہ تھا۔

کولیا نے پوچھا "کیا تم خراب لڑکے ہو۔ میری انا کہتی ہے کہ تم بہت خراب ہو۔ میں بڑا اچھا لڑکا ہوں۔"

ساشکا نے اُس کی مخملیں برجس کو دیکھتے ہوئے جواب دیا "ہاں تم بہت نیک لڑکے ہو"۔

کولیا نے اُسے ایک بندوق دے کر جس کی نال میں ایک کارک لگا تھا پوچھا "یہ بندوق

تمہیں پسند ہے۔"

ساشکا نے وہ لے لی اور کولیا کی ناک کا نشانہ باندھ کر گھوڑا دبا دیا۔ کارک اُسکی ناک پر لگا اور پھر تاگے سے لٹکنے لگا۔ کولیا کی نیلی آنکھیں کھل گئیں اور اُن میں آنسو بھر آئے اور وہ بولا "بدمعاش"

اتنے میں کمرے میں ایک نوجوان اور خوبصورت عورت داخل ہوئی۔ اس کا نام صوفیہ تھا اور میزبان کی بہن تھی۔ ساشکا کا باپ کبھی اس کا اتالیق تھا۔ اُس نے اپنے ساتھ والے مرد سے کہا "یہ ہے وہ لڑکا۔ کہو ساشکا تمہارا کیا حال ہے۔ تمہیں بدتمیزی چھوڑ دینی چاہیے۔"

لیکن ساشکا نے اُن دونوں میں سے کسی کو سلام تک نہ کیا۔ صوفیہ کو یہ گمان تک نہ تھا۔ کہ ساشکا سب کچھ جانتا ہے۔ لیکن وہ یہ ضرور جانتی تھی کہ کبھی اُس کے باپ کو اُس سے از حد محبت تھی اور اس نے ایک اور سے شادی کر لی تھی۔ اور گو ساشکا کے باپ نے اپنی محبوبہ سے پہلے شادی کر لی تھی۔ لیکن ساشکا کے خیال میں اُس عورت نے اُس کے باپ سے بیوفائی کی تھی۔ صوفیہ کہنے لگی۔ "بُری تربیت! کیا تم اسے پھر سکول میں داخل نہیں کرا سکتے پلاٹن! میرے خاوند کا خیال ہے کہ اسکے لئے یہ بہتر ہے کہ اسے کسی صنعتی سکول میں داخل کرا دیا جائے۔ کیا تمہیں صنعتی سکول پسند ہے ساشکا!"

ساشکا نے کہا "نہیں۔"

اُس مرد نے پوچھا "کیا تم کسان بننا پسند کرو گے؟"

"نہیں"

"تو پھر تم کیا کرنا چاہتے ہو۔"

ساشکا کو کچھ معلوم نہ تھا کہ وہ کیا کرنا چاہتا ہے۔ وہ مرد اس عجیب و غریب لڑکے کو دیکھ

کر بڑا پریشان ہُوا۔ اور اُس نے اُس کی طرف نگاہ اُٹھا کر دیکھا۔ ساشکا نے زبان نکال کر پھر اتنی جلدی منہ میں ڈال لی۔ کہ صوفیہ کچھ نہ دیکھ سکی لیکن وہ ادھیڑ عمر کا آدمی سخت برافروختہ ہو گیا۔ ساشکا نے کہا "میں صنعتی سکول میں داخل ہونا چاہتا ہوں"۔

صوفیہ اسکے اس ارادہ سے بہت خوش ہوئی۔ اور ایک آہ بھر کر سوچنے لگی کہ محبت کی یاد بھی دلوں پر کیا اثر چھوڑ جاتی ہے۔ اُس مرد نے ساشکا سے آنکھیں نہ ملاتے ہوئے کہا۔ "تمہیں بہت کم چھٹیاں ملیں گی۔ ہم تمہارے لئے جو کچھ بھی کر سکیں گے کریں گے"۔

بچے ادھر اُدھر گھوم رہے تھے اور درخت کے انتظار میں بے صبری سے شور مچا رہے تھے۔ ساشکا کی بندوق والی شرارت سے دوسرے لڑکوں کی رگ بھی بھڑک اٹھی۔ اور انہوں نے اس کی پیروی کرنی شروع کر دی اور کئی لڑکوں کی ناکیں سرخ کر دیں۔ لڑکیاں ہنسنے لگیں اور تالیاں بجانے لگیں۔ یکایک دروازہ کھلا اور کسی نے کہا "بچو اب تم اندر جا سکتے ہو لیکن آرام سے جانا"۔

بچے بڑے اشتیاق سے روشن کمرے میں جانے لگے اور اس درخت کے قریب پہنچے جس میں کئی شمعیں روشن تھیں۔ چند منٹوں تک وہ خاموش رہے پھر یکایک بولنے لگے۔ ایک لڑکی اپنی مسرت کے جوش کو نہ دبا سکی اور ناچنے لگی۔ ایک اور لڑکی نے بھی ایسا ہی کیا۔ ساشکا خاموش تھا۔ اُس کا شریر دماغ چاہتا تھا کہ وہ کوئی شرارت کرے۔ وہ درخت کی شمعوں سے جو روشنی نکل رہی تھی اُس سے مسحور ہو رہا تھا۔ اُس کے لئے یہ عجیب چیز تھی اور اُسے اس سے نفرت سی تھی جس طرح اُسے اچھے کپڑوں والے بچوں سے نفرت تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ اس درخت کو اُن کے سروں پر گرا دے۔ اُسے ایسا معلوم ہُوا کہ کوئی آہنی ہاتھ اُس کے دل کو پکڑ رہا ہے اور اُس کے دل کا آخری قطرہ نچوڑ لینا چاہتا ہے۔ وہ ایک کونے میں بیٹھ گیا اور بے خبری میں اپنی جیب میں ڈالے ہوئے سگریٹ کے ٹکڑوں کو توڑنے لگا اور خیال کرنے لگا کہ اُس کے بھی ماں باپ ہیں۔ گھر ہے پھر اُس نے

ایسا محسوس کیا کہ دنیا میں اُس کا کوئی نہیں یکایک اُسے اپنے قلمتراش کا خیال آیا جس سے اُسے بہت ہی لگاؤ تھا۔ کل وہ اُسے چھین لیگا اور پھر اسکے پاس کچھ نہ رہیگا۔

لیکن یکایک ساشکا کی آنکھیں حیرت سے چمک اُٹھیں۔ درخت کا وہ حصہ جو اس کی طرف تھا۔ ذرا کم روشن تھا۔ اُس نے اس میں ایک عجیب چیز دیکھی جس کے بغیر اُسے دنیا کی ہر چیز بے معنی دکھائی دینے لگی۔ یہ ایک موم کا بنا ہوا فرشتہ تھا۔ جو تاریک شاخوں میں بے پروائی سے لٹکا ہوا تھا۔ اور ہوا میں جھول رہا تھا۔ اُس کے چمکیلے پر روشنی میں چمکتے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ زندہ ہے اور اُڑ رہا ہے۔ اُس کی نازک نازک انگلیوں والے گلابی ہاتھ اُس کے سر سے بلند تھے۔ اور اُس کے بالوں کی رنگت کولیا کے بالوں کی سی تھی لیکن اس میں کوئی ایسی بات نہ تھی جو کولیا میں نہ تھی۔ فرشتے کا چہرہ نہ تو مسرت سے منوّر تھا۔ اور نہ غم سے پژمردہ اس میں ایک ایسی بات تھی جس کی تعریف کے لئے لفظ نہیں مل سکتے تھے۔ ساشکا کو معلوم نہ تھا کہ کونسی پوشیدہ طاقت اُسے فرشتہ کی طرف کھینچ رہی ہے لیکن اُسے ایسا معلوم ہوا کہ وہ مدت سے اُسے جانتا ہے۔ اور اُسے چاہتا ہے۔ اپنے قلمتراش، اپنے باپ اور دنیا کی ہر شے سے زیادہ چاہتا ہے۔ غیر ارادی طور پر ساشکا نے دونوں ہاتھ سینہ پر باندھ کر کہا "پیارے —— پیارے فرشتے!"

جتنے غور سے ساشکا فرشتہ کی طرف دیکھتا اتنا ہی فرشتہ اُسے پیارا معلوم ہوتا۔ وہ اس کے گرد و پیش کی ہر چیز سے مختلف تھا۔ دوسرے کھلونے اس بات پر مسرور معلوم ہوتے تھے۔ کہ وہ زیادہ روشن حصّوں میں لٹکے ہوئے ہیں لیکن یوں معلوم ہوتا تھا گویا فرشتہ روشنی میں آنے سے گھبراتا ہے اور اسی لئے اُس نے اپنے آپ کو ایک تاریک کونے میں چھپا رکھا تھا۔ تاکہ اُسے کوئی بھی نہ دیکھ سکے۔ اُس کے نازک پروں کو چھونا ایک ظلم ہوگا۔ ساشکا نے پھر آہستہ سے کہا۔ میرے پیارے پیارے فرشتے!"

ساشکا فرشتے سے خوفزدہ ہوگیا اور بڑی احتیاط سے اِدھر اُدھر ٹہلنے لگا۔ وہ فرشتہ کی طرف بالکل نہ دیکھتا تھا تاکہ دوسرے لڑکوں کی توجہ اِدھر نہ ہو جائے لیکن وہ اس کی موجودگی کو محسوس کر رہا تھا اور جانتا تھا کہ وہ اُڑ نہیں گیا۔ میزبانہ دروازے میں نمودار ہوئی۔ بچوں نے اُسے گھیر لیا۔ وہ لڑکی ناچ رہی تھی۔ اُسکے ہاتھ سے چمٹ گئی۔ ساشکا بھی اُس کے قریب گیا اور اپنے خیال میں بڑے اخلاق سے کہنے لگا "چچی، چچی"!

اُس نے بالکل نہ سُنا۔ اُس نے بے صبری سے اس کا لباس کھینچا۔ وہ حیرت سے بولی "کیا بات ہے تم میرے کپڑے کیوں کھینچ رہے ہو۔ یہ کیا بدتمیزی ہے؟"

"چچی جان وہ فرشتہ مجھے دے دو"

اُس نے آرام سے جواب دیا "نہیں میں نہیں دے سکتی۔ یہ درخت نئے سال تک اسی طرح رہیگا۔ یہ کیا بات ہے۔ تم کوئی ننھے بچے تو نہیں ہو"

ساشکا کو محسوس ہوا کہ وہ کسی گہرے گڑھے میں گر رہا ہے۔ اُس نے آخری کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ میں شریر تھا۔ اب میں شرارت نہیں کرونگا"

لیکن اس چال نے جو اُس کے استادوں کے حق میں ہمیشہ مؤثر ثابت ہوتی تھی اس عورت پر کوئی اثر نہ کیا اور وہ کہنے لگی "تم شریر ہی نہیں بلکہ چالاک بھی ہو"

ساشکا نے پھر کہا "فرشتہ مجھے دے دو"

"میں نہیں دے سکتی، اور نہ دونگی۔ تم سمجھتے کیوں نہیں؟"

لیکن ساشکا اس پر بھی نہ سمجھ سکا اور جب وہ عورت دروازے کی طرف چلی تو وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ اُسکے دل میں اسوقت ایک لڑکے کا خیال آگیا جس نے اپنے اُستاد سے ایک درخواست کی تھی۔ درخواست نامنظور کر دی گئی تھی اور وہ لڑکا دو زانو ہو کر اور ہاتھ جوڑ

کر منت کرنے اور رونے لگا۔ اُستاد بہت ناراض ہوا تھا لیکن اُس نے درخواست منظور کر لی تھی۔ ساشکا نے اپنی تصویروں والی کاپی میں اس واقعے کی تصویر بنا کر اس کو گویا بزعمِ خویش بقائے دوام دے دی تھی۔ اور اب اُسے ایسا معلوم ہوا کہ اس کی مصیبت کا واحد حل یہی ہے۔ اس لئے اس نے پھر عورت کا لباس پکڑ لیا۔ اور جب وہ پلٹی تو دو زانو ہو کر اور ہاتھ جوڑ کر بیٹھ گیا لیکن وہ رو نہ سکا۔ وہ عورت کہنے لگی "کیا تم پاگل ہو گئے ہو، تمہیں کیا ہو گیا ہے؟"

ساشکا کی آنکھیں اُسکے ہونٹوں پر جمی ہوئی تھیں۔ اُس نے کہا۔ "فرشتہ مجھے دے دو"۔

اُس عورت نے جلدی سے جواب دیا۔ "اچھا، اچھا، تمہیں مل جائیگا لیکن تم کتنے بیوقوف لڑکے ہو۔ اب اُٹھو پھر کبھی کسی کے سامنے دو زانو نہ بیٹھنا۔ اس سے انسان ذلیل ہو جاتا ہے۔ صرف خدا کے سامنے دو زانو ہونا چاہئیے"۔

ساشکا نے اس کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھا۔ جب اُس نے وُہ فرشتہ درخت سے اُتارا۔ وُہ خوف زدہ ہو گیا کہیں یہ عورت فرشتے کو توڑ نہ دے۔ اُس عورت نے ایسی خوبصورت چیز کو ایسے خراب لڑکے کو دینے پر افسوس کرتے ہوئے کہا۔ کیسا اچھا بنا ہوا ہے مجھے سمجھ نہیں آتی کہ اسے اس جگہ کس نے لٹکایا۔ اچھا اب میری بات غور سے سنو۔ تم اس کھلونے کو لے کر کیا کرو گے، تمہیں پتہ ہے کہ تم اب بڑے ہو گئے ہو۔ تمہارے یہ کس کام آئے گا۔ تم ان با تصویر کتابوں میں سے ایک لے لو۔ میں نے کولیا سے وعدہ کیا تھا کہ یہ فرشتہ اُسے دونگی۔ اُس نے بڑی منت کی تھی"۔

ساشکا کی روحانی تکلیف زیادہ ہو گئی اور دانت پیسنے لگا۔ وہ عورت اس نظارے سے خوفزدہ ہو گئی۔ اس لئے اُس نے وہ کھلونا۔ اس کے حوالے کر دیا۔ اور کہا "یہ لو۔ تم کتنے ضدی لڑکے ہو"۔

ساشکا نے فرشتے کے لئے ہاتھ بڑھائے۔ لیکن اُس کی گرفت اتنی ڈھیلی اور نرم تھی کہ فرشتہ ہوا میں اُڑتا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ اُسکے سینے سے ایک لمبی گہری آہ نکلی اور دو آنسو اس کی آنکھوں میں اگر

رُک گئے۔ اُس نے فرشتہ کو سینے سے لگا لیا اور اس عورت کی طرف دیکھ کر مسکراتا رہا۔ اور اُسے ایسا معلوم ہوا کہ اُسے جنّت کی تمام خوبیاں مل گئی ہیں۔ جب فرشتے کے چمکدار پر ساشکا کے سینہ کے ساتھ لگے۔ تو اُسے یوں محسوس ہوا کہ دنیا میں کوئی عجیب بات ہوگئی ہے۔ ایسا واقعہ جو اس سے پہلے اُس کی غموں مصیبتوں اور گناہوں سے بھری ہوئی دنیا میں کبھی نہیں ہوا۔ ساشکا نے ایک آہ بھری اور فرشتے کے سامنے وہ چمکدار درخت اُس کی نظروں سے غائب ہوگیا۔ اس قلیل وقفہ میں ہر ایک نے دیکھا۔ کہ اُس شریر لڑکے میں جو خوشی کے مارے آپے سے باہر ہو رہا تھا اور فرشتے میں کتنی مشابہت ہے لیکن دوسرے ہی لمحے میں یہ نظارہ بالکل بدل گیا۔ ایک شکاری چیتے کی طرح ساشکا اچھلا اور شرارت سے لبریز آنکھوں سے ہر ایک کی طرف دیکھنے لگا۔ اور کہنے لگا "میں گھر جا رہا ہوں۔ اپنے والد کے پاس"۔

۳

اُس کی ماں سو رہی تھی۔ اور سارا دن کام کرنے اور شراب پینے کے بعد آرام کر رہی تھی۔ چھوٹے سے کمرے میں ایک چھوٹی سی انگیٹھی جل رہی تھی اور اُس کی عجیب مدھم روشنی ساشکا اور اس کے باپ کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ ساشکا اُس فرشتے کو ہاتھ میں لئے باپ سے دُور کھڑا تھا تاکہ وہ اسے چھوئے اُس نے آہستہ سے کہا "کیا تمہیں یہ پسند ہے؟"

اُس کے باپ نے متفکرانہ انداز سے اُس کی طرف دیکھ کر کہا۔ "ہاں اس میں کوئی خاص بات ہے"؟

باپ بیٹے دونوں کے چہروں سے مسرت کی یکساں جھلک نمایاں تھی۔ باپ بولا۔ "دیکھنا! کہیں یہ اُڑ نہ جائے"۔

ساشکا نے جواب دیا۔ "نہیں۔ یہ نہیں اُڑے گا۔ اسکے پر تو دیکھو لیکن انہیں چھونا نہیں"۔

باپ نے ہاتھ ہٹا لئے اور غور سے فرشتہ کے خد و خال دیکھنے لگا۔ ساشکا نے آہستہ سے کہا۔

"دیکھو بابا تمہیں ہر چیز کو ہاتھ لگانے کی عادت ہے۔ ایسا نہ ہو تم اسے توڑ دو"

دیوار پر دونوں کے جھکے ہوئے سروں کا سایہ پڑ رہا تھا۔ باپ فرشتہ کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا جو اس کی نظروں کے سامنے بڑھتا جاتا تھا اور لمحہ بہ لمحہ پہلے سے زیادہ پھیلا دکھائی دیتا تھا۔ اور اُسکے پر پھڑپھڑا رہے تھے۔ اور اس کے گرد و پیش کی ہر چیز گم ہو رہی تھی۔ اس غریب غم نصیب انسان کو ایسا معلوم ہونے لگا کہ اُسے اُس دنیا سے ایک آواز آ رہی ہے جس میں کبھی وہ رہا کرتا تھا اور جس سے اُسے ہمیشہ کے لئے جلا وطن ہونا پڑا تھا۔ وہاں گندگی کا نام و نشان تک نہیں۔ نہ پریشانی ہے۔ نہ غم۔ اُس دنیا کے باشندوں کو اُس شخص کی تکالیف کی خبر نہیں۔ جیسے بازار میں گرفتار کر کے تھانے میں لے جایا جائے۔ وہ سب نیک اور مسرور ہیں اور یہ بھی اُس عورت کے سینے میں پناہ گزیں ہے جس سے کبھی اُسے محبت تھی۔ اور جسے کھو کر اُس نے یہ زندگی شروع کی تھی۔ موم کی خوشبو میں جو اس کھلونے سے نکل رہی تھی۔ ایک اور خوشبو بھی ملی ہوئی تھی۔ اور اس دہری خوشبو سے اُسے ایسا محسوس ہوا کہ اُس عورت کی نازک انگلیاں فرشتہ کو چھو رہی ہیں۔ وہ انگلیاں جنہیں وہ مرتے دم تک ایک ایک کر کے چومنا چاہتا تھا۔ اُسکے خیال میں یہ کھلونا محض اس وجہ سے حسین تھا کہ اُس نے اپنی انگلیوں سے اُسے چھوا تھا اور اُس ہی سے یہ خاص قسم کی خوشبو آ رہی تھی۔ فرشتہ آسمان سے نازل ہوا تھا۔ اور اُس نے اس دھندلے کمرے میں لیٹے ہوئے غم نصیب انسان کے قلب کو ایک لطیف جذبے سے لبریز کر دیا تھا۔ اُس انسان کے قلب کو جس سے محبت، مسرت اور زندگی ——— سب کچھ چھین لیا گیا تھا۔ اور اُس انسان کی آنکھوں کے قریب جس نے زندگی کی کئی بہاریں دیکھی تھیں۔ اُس لڑکے کی نظریں فرشتہ پر گڑی تھیں۔ جس نے زندگی میں قدم رکھا تھا۔ اُسکے لئے ماضی، حال اور مستقبل اُسکے دکھی باپ، اُسکی سخت مزاج ماں اور گالیوں کی بوچھاڑ اور ذلتوں سے لبریز تھا۔ ساشکا کے خواب عجیب بے جوڑ تھے لیکن اُس کا قلب بڑی حد تک متاثر ہو چکا تھا اور وہ فرشتہ کی محبت اور خدا کا قرب حاصل کرنا چاہتا تھا

باپ بیٹا ایک دوسرے کو بالکل نہیں دیکھ رہے تھے۔ اُن کے بیمار دل ہنس بھی رہے تھے اور رو بھی رہے تھے لیکن دونوں کے رونے اور ہنسنے کی وجہ مختلف تھی۔ پھر بھی اُن کی حالتوں میں ایک قسم کی یکجہتی تھی جو انہیں ایک دوسرے سے وابستہ کر رہی تھی۔ باپ نے غیر ارادی طور پر اپنا ہاتھ بیٹے کی گردن پر پھیرا۔ اور بیٹے کا سر باپ کے سینہ سے لگ گیا۔ باپ نے فرشتہ پر بدستور نظریں جمائے ہوئے اُس سے پوچھا "کیا یہ اُسی نے تم کو دیا تھا؟"

اگر کوئی اور موقع ہوتا تو ساشکا بدتمیزی سے جواب دیتا لیکن وہ کہنے لگا "ہاں اور کس نے دیا تھا؟"

دونوں خاموش ہو گئے۔ دوسرے کمرے سے کوئی آواز آتی اور گھڑی نے تین بجائے۔ باپ نے پوچھا۔ "ساشکا کیا کبھی تم نے خواب دیکھا ہے؟"

ساشکا نے کہا "ہاں ایک مرتبہ ضرور دیکھا تھا کہ میں ایک چھت سے نیچے گر پڑا ہوں ہم پرندوں کے گھونسلے اُتار رہے تھے۔"

"میں ہمیشہ خواب دیکھا کرتا ہوں۔ حیرت انگیز خواب۔ جن میں مجھے ایسی ہی خوشی ہوتی ہے جیسے جاگتے میں —— اور ایسا ہی غم بھی ہوتا ہے۔"

پھر خاموشی طاری ہو گئی۔ ساشکا نے دیکھا کہ اُس کا باپ رو رہا ہے۔ اُس نے سسکی لیتے ہوئے کہا۔ "ساشکا، ساشکا، اس کا کیا مطلب ہے؟"

ساشکا نے آہستہ سے پوچھا "کیا ہوا ابا! یہ تم رو کیوں رہے ہو؟"

اُسکی والدہ بستر پر کروٹیں بدل رہی تھی۔ وہ نیند میں بڑبڑا رہی تھی۔ انہیں نیند آ رہی تھی لیکن پہلے وہ فرشتہ کو کسی مناسب جگہ پر سنبھال کر رکھنا چاہتا تھا۔ وہ زمین پر نہ ٹھیر سکتا تھا اس لئے اُسے دھاگہ باندھ کر لٹکا دیا گیا۔ دونوں باپ بیٹا اُسے دیکھ رہے تھے۔ ساشکا نے اپنے کپڑے ایک کونے میں پھینک دیئے اور چت لیٹ گیا تاکہ فرشتے کو دیکھتا رہے۔ اُسکے والد نے کانپتے اور لحاف اوڑھتے ہوئے پوچھا۔

"تم کپڑے اُتار کر کیوں نہیں سوئے؟"

"میں صبح سویرے جاگنا چاہتا ہوں۔"

وہ یہ بھی کہنا چاہتا تھا کہ وہ سونا ہی نہیں چاہتا۔ لیکن وہ کہنے نہ پایا تھا کہ نیند نے اس کی آنکھیں بند کر دیں۔ اُسکے تھوڑی دیر بعد اُس کا باپ بھی سو گیا۔ تھوڑے عرصہ کے لیے اس کمرے میں خاموشی رہی۔ ایک سکون تھا۔ اور غم نصیب باپ اور بیٹے کے چہروں پر ایک عجیب سی روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ لیکن فرشتہ گرم انگیٹھی کے قریب ہی لٹکا ہوا تھا۔ اسلئے وہ پگھلنے لگا۔ اس لیمپ نے جو ساشا کے کہنے پر بجھایا نہیں گیا تھا۔ کمرے کو مٹی کے تیل کی بُو سے بھر دیا تھا۔ فرشتے کی گلابی ٹانگیں پگھل پگھل کر بستر پر گرنے لگیں۔ اور مٹی کے تیل کی بدبُو میں موم کی بُو بھی مل گئی۔ اب فرشتہ نے اپنے پر پھڑپھڑائے۔ ایسا معلوم ہوا کہ وہ اڑنا چاہتا ہے اور بڑے آرام سے جلتی ہوئی انگیٹھی میں گر پڑا۔ ایک عجیب سا شعلہ اٹھا اور پھر فرشتہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غائب ہو گیا۔

دن نکل آیا کمرے میں روشنی داخل ہو رہی تھی اور سردی سے ٹھٹھرا ہوا سقہ مشکیزہ لئے دروازے کی زنجیر کھٹکھٹا رہا تھا۔

تعمیرِ گناہ

"آہ تم کو کس طرح سمجھاؤں کہ میری رُوح گناہ کے بوجھ سے دب رہی ہے!"

"تم مجھے اپنی داستان سناؤ بیٹا!"

"میں تمہیں کیا سُناؤں اماں؟"

"تم تین سال سے بیمار پڑے ہو، تین بہاریں ایک نہ ختم ہونے والے نظاروں کی طرح گزر گئی ہیں۔ لوگ تمہارے مکان کی کھڑکی کے سامنے سے گزرتے ہیں اور تمہیں دیکھتے ہیں، تین مرتبہ شاہ دانے پک کر تیار ہوئے لیکن تم نے انہیں توڑنے اور کھانے کو اپنا ہاتھ نہیں بڑھایا، کیا خدا کی دنیا تمہیں اب پیاری نہیں لگتی، کیا تمہارے دل میں یہ شوق نہیں ہے کہ تم سورج کی روشنی میں باہر نکلو، اور درختوں اور گیہوں کے کھیتوں اور عظیم الشان پل کو دیکھو، کیا تمہارے دل میں یقیناً نہیں کہ تم نوعمر لڑکیوں سے ملو، تین بہاریں گزر گئیں —— پھر بھی تم اپنے بستر سے نہیں اُٹھے۔"

میں نے دنیا کو چھوڑ نہیں دیا لیکن اب میرے دل میں اس کی کوئی آرزو بھی نہیں۔"

"تم مرد ہو۔ تمہارے دل میں ایک مرد کی اُمنگیں ہونی چاہئیں تم مجھ سے ایسی باتیں کیوں کرتے ہو" ؟

شمع نے بیمار آدمی کے چہرے کو روشن کر دیا۔ اُس کی بوڑھی ماں نے آہستہ سے اپنا ہاتھ اُس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ وہ اس کی مدد کرنا چاہتی تھی لیکن اُسے معلوم نہ تھا کہ اُس سے کیونکر اس کا حال پوچھے۔ ایک آنسو مریض کے رخسار پر آگرا۔ باہر چاندنی رات میں سڑکوں پر پڑی ہوئی برف چمک رہی تھی۔ سڑک کی دونوں طرف درخت سرگوشیوں میں محوِ دعا تھے۔ مکان کی چمنی گھنی شاخوں میں سے باہر نکل کر اِدھر اُدھر جھانک رہی تھی۔ گویا وہ معلوم کرنا چاہتی ہو کہ واقعی ساری دنیا خواب گراں میں محو ہے یا نہیں بلی کا سفید بچہ ٹکٹکی باندھ کر اُن کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیا تمہیں یاد ہے اماں" ؟

"کیا" ؟

"وہ دن جب لوگوں نے دریائے روزیٹا پر پل بنانا شروع کیا۔ اُس دن ملکہ نے میرے لئے سرخ حاشیہ والی سفید قمیص سی تھی۔"

"یہ تو ابھی کل کی بات ہے اُس موسم بہار میں تم بائیس سال کے ہوئے تھے۔"

"سب لوگ یہ کہ کر مجھ پر ہنستے تھے کہ میں دریائے روزیٹا پر پتھر کا پل بنانے میں ہرگز کامیاب نہ ہو نگا لیکن میں جانتا تھا کہ میں ایسا کر سکتا ہوں میں اور ابا جان سات سال تک ملک کے مختلف حصّوں میں عمارتیں تعمیر کر رہے تھے اور میں فن تعمیر میں پختہ کار ہو گیا تھا۔ ابا جان مجھ پر از حد خوش تھے ایک دن ہم دریا پر چنار کا ایک درخت کاٹنے گئے۔ تمہیں یاد ہو گا اماں! ـــ اور ہم کنارے پر بیٹھ گئے روزیٹا ہمارے پاس سے گنگناتا ہوا گذر رہا تھا۔ بید مجنوں کے درختوں نے اپنی شاخوں کو سرد پانی پر

جھکا رکھا تھا۔ ابا نے مجھ سے کہا "بیٹا میں تو یہ کام نہیں کر سکا لیکن تم ضرور کرنا یہی وہ جگہ ہے جہاں پل تیار ہوگا۔ اور اس طرح دو ملک ایک دوسرے سے ملحق ہو جائیں گے دریا کے اُس پار لوگ گیہوں بوتے ہیں تم انھیں پل بنا دو تاکہ وہ فصل کاٹ کر روپیہ کما سکیں۔"

"چنار پر ایک پرندہ گا رہا تھا میں نے ابا کی باتیں سُن کر کہا۔ کیا میں ہی وہ آدمی ہوں جو روز بیٹا پر پل بنائے گا۔"

"ہاں تم ہی ہو۔ اور یاد رکھو کہ یہی وہ مقام ہے جہاں چار محرابوں والا پل تیار ہونا چاہئے۔ تھرسیں سے سنگتراش منگوا لو۔ کسانوں سے مدد لو۔ اور ایک عظیم الشان پل تعمیر کرو۔ لوگ قیامت تک تمہارا نام عزت سے لیں گے۔"

"اس پرندے کے پر جو چنار پر بیٹھا گا رہا تھا۔ چاندی کے ننھے جن سے شبنم کے قطرے گر رہے تھے اگر ابا نہ بھی کہتے تب بھی میں پل ضرور بناتا۔ میں نے اس کا تصور کیا۔ اور میں نے دیکھا کہ دریا بل کھاتا، لہریں لیتا، وحشیانہ اور آزادانہ انداز سے نیلگوں پہاڑوں کی طرف جا رہا ہے۔ اس پر پل کھڑا ہے۔ اناج سے لدے ہوئے چھکڑے اس پر سے گزر رہے ہیں اور دیہات کی بھینسیں اپنے سروں کو اِدھر اُدھر جھٹکتی ہوئی چلی جا رہی ہیں۔

ابا جان نے کہا "پل کی تعمیر شروع کرتے وقت اُس کی بنیاد میں وہ چیز دفن کر دینا جو دنیا میں تمہیں سب سے زیادہ عزیز ہے۔"

"کونسی چیز ہے جو مجھے دنیا میں سب سے زیادہ عزیز ہے؟"

"یہ تم خود جانتے ہو۔"

بیمار لڑکا چپ ہو گیا چاند کی زرد شعاعیں کھڑکی میں سے اندر داخل ہو رہی تھیں۔ رات ایک سہمی لحاف میں لپٹی ہوئی خواب راحت میں محو تھی۔ شاہ دانے کے درختوں کے سائے ایک دوسرے

کے پیچھے بھاگتے ہوئے آنکھ مچولی کھیل رہے تھے۔

لڑکے نے بستر سے ذرا اُٹھ کر کہا۔ "ابا انتقال کر گئے اور مجھے پل بنانے کے لئے چھوڑ گئے۔ میں پل بنانا چاہتا تھا لیکن یہ نہیں جانتا تھا کہ کس کی قربانی کروں اور وہ کون سی عزیز شے ہے جسے میں پل کی بنیاد میں دفن کروں۔

"موسم بہار آگیا۔ سارسوں نے اسکی آمد کا اعلان کر دیا۔ پتھرلیس سے سنگتراش بھی آگئے۔ انہوں نے پتھر کاٹنے اور تراشنے شروع کر دیئے۔ میں از حد خوفزدہ تھا۔ تاہم مسرور تھا۔

"اماں کسی کی جان لینا کوئی آسان سی بات نہیں میں کس طرح اس کی جرائت کر سکتا تھا۔ میں دیوانہ وار پھرتا تھا اور ڈرتا تھا کہ کہیں حواس باختہ نہ ہو جاؤں۔ ایک رات میں ابا کی قبر پر گیا اور اُس پر گر کر کہنے لگا "خدا کیلئے مجھے بتاؤ کہ میں کسے قربان کروں"۔

قبر خاموش تھی کیا کبھی قبریں بھی بولتی ہیں؟

"میں گھر آیا اور سو گیا۔ میں نے خواب میں ابا کو دیکھا۔ گویا وہ زندہ ہیں۔ اُنہوں نے اونی لبادہ اور سرخ پیٹی پہن رکھی تھی۔ ان کے ہاتھ میں ایک سفید باز تھا۔ وہ دریا کے کنارے پر کھڑے تھے اور مجھ سے کہنے لگے۔ باز کو نیچے اُترتے دیکھتے رہو یہ تمہیں بتا دیگا کہ تمہیں پل کے نیچے کس کو قربان کرنا چاہیئے"۔

باز نے اپنے پر پھیلا دیئے اور آسمان کی طرف اُڑنے لگا۔ اُس نے گاؤں کے گرد تین چکر کاٹے اور نیچے اُترا لیکن مجھے معلوم نہ ہوا کہ وہ کہاں اُترا ہے۔ اباجان نے میری طرف دیکھا۔ اپنا سر ہلایا اور کنارے سے ہٹ آئے۔ معاً میرا پل میری آنکھوں کے سامنے آگیا۔ اباجان نے اُسے عبور کیا اور پار جا کر ٹھہر گئے۔ پل کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک دیکھا۔ اور اپنا ہاتھ ہلا کر کہا "الوداع"!

میں جاگ پڑا اور دیکھا کہ تم میرے بستر کے قریب کھڑی ہو۔ اماں تم نے مجھ سے کہا۔ "اُٹھو منول صبح ہو گئی ہے۔ بڑی دیر سے چھکڑے گذر رہے ہیں۔ اور سنگ تراشوں نے کام شروع کر دیا ہے۔ اُٹھو"۔

"میں پل کی طرف جانے کے بجائے گاؤں کی طرف چل دیا۔ مجھے ملکا سے ملنے، باتیں کرنے اور دلی اطمینان حاصل کرنے کی اُمید تھی۔ جب میں اُس کے مکان پر پہنچا تو مجھے ازحد صدمہ ہوا کیونکہ وہاں اخروٹ کے درخت پر ایک سفید باز بیٹھا تھا۔ یہ وہی باز تھا جو ابا نے چھوڑا تھا۔ میری آنکھوں میں دنیا اندھیر ہو گئی۔ میرے کان خون کی تیز حرکت کے باعث بہرے ہو گئے۔ میں ابا کی قبر کی طرف دوڑا۔ میں ان سے پوچھنا چاہتا تھا کہ وہ مجھے ملکا جیسی حسین لڑکی سے کیونکر محروم رکھ سکتے ہیں۔ وہ جو میرے والد ہیں۔ میں چل دیا۔ گو میں اچھی طرح جانتا تھا کہ مُردوں سے سوال نہیں کیا کرتے۔

پُل پر معمار کام کر رہے تھے اور ساتھ ساتھ گاتے جاتے تھے۔ دریا اُن کی آواز کو دُور تک پہنچاتا تھا۔ انہیں کسی قسم کا غم نہ تھا۔ وہ اس قابل تھے کہ کام کرتے وقت گاتے جائیں۔ وہ اپنے بڑے بڑے مضبوط ہاتھوں سے پتھر لگا رہے تھے اور گیتوں کو بھی پتھروں کے ساتھ ساتھ پل کی عمارت میں چُنتے جاتے تھے۔ وہ خوش قسمت انسان تھے!

"کس کو پُل کی بنیاد میں دفن کروں؟"

"میں ابا کی قبر پر بیٹھ گیا۔ اور ملکا کے مکان میں اخروٹ کا جو درخت تھا اُس کی طرف نگاہ ڈالی آسمان پر ایک سفید بادل حرکت کرنے لگا۔ یہ کسی فرشتہ کی روح تھی جو صبح کے نُور میں غسل کر رہی تھی۔ اُس شام میں ملکا سے ملا لیکن میری زبان سے ایک لفظ تک نہ نکلا۔

"میں قبر پر جھک گیا۔ کانپتا ہوا ——— روتا ہوا ———

سڑک پر میں نے گرد و غبار کا ایک بادل اُٹھتے دیکھا۔ پھر گھنٹیوں کی آواز اور بلند چھکڑے جن میں اناج بھرے ہوئے چھکڑے ایک قطار میں گزر رہے تھے۔ ایک چھکڑے پر وہی پرندہ بیٹھا تھا جسے میں نے چنار کے درخت پر گاتے سُنا تھا۔ لوگ دریا پر پہنچ کر رُک گئے اور انتظار کرنے لگے۔ وہ کس بات کا انتظار کر رہے تھے؟ میں آنکھیں ملتا ہوا اُٹھ بیٹھا۔ مجھے کوئی شخص نظر نہ آیا۔ معمار اپنے کام میں مشغول

تھے اور بدستور گا رہے تھے۔

میں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ یہ ضرور ہو کر رہے گا۔

شام کو میری پیاری ملکا کنوئیں پر پانی بھرنے آئی جب وہ جھکی ------ آہ صرف چاند نے مجھے ایسا کرتے دیکھا۔"

اتنا کہہ کر بیمار آدمی رُک گیا۔ باہر شاخوں میں ایک پرندہ پھڑپھڑایا۔ بلی کا بچہ ایک جست میں کھڑکی کے قریب پہنچ گیا۔ بیمار آدمی پرندے کی آواز سُن رہا تھا جس نے اپنا گیت چنار کے درخت پر گایا تھا۔ یہ کئی راتوں سے گانے آتا تھا۔ آج پھر آیا تھا۔ وہ شاہ ولئے کے درخت کے پتوں میں محفوظ بیٹھا تھا۔ بلی کا بچہ کھڑکی کے ساتھ لگا منتظر تھا۔ مینول کی ماں بستر کے قریب بیٹھی تھی اور شش و پنج میں تھی کہ آیا اُس کا بیٹا واقعی سچ کہہ رہا ہے۔

وہ کہنے لگی "لعنت ہو اس پل پر! کاش پانی اُسے بہالے جائے۔"

"اُس پر لعنت کیوں بھیجتی ہو اماں میں نے ہی فیصلہ کیا۔ پل بنایا اور میں نے ہی ملکا کو اس پر قربان کر دیا۔ لعنت مجھ پر بھیجو۔"

مینول کی آنکھیں چمک اُٹھیں اور وہ کہنے لگا۔ اماں کیا تمہیں وہ دن یاد ہے جس دن پل کی تعمیر ختم ہوئی؟ آہ کس قدر پُر جوش اجتماع تھا! نو دیہات کے باشندے پل کے افتتاح پر جمع تھے۔ کئی نوجوان اس دن کو عمر بھر یاد رکھیں گے۔ کیا تمہیں ان دو پہاڑی گڈریوں کی بین یاد ہے؟ اُن میں سے ایک ہمارے ہاں اکثر آیا کرتا تھا اس نے بہن کونا سے شادی کی درخواست کی تھی۔ لیکن تم نے منظور نہ کی۔ کیونکہ تم ایک اجنبی سے کونا کی شادی مناسب نہ سمجھتی تھیں معتمر لوگ پل پر جمع ہوئے۔ انھوں نے اس پر اپنی لاٹھیاں ماریں۔ اسکے مربع پتھروں کو چھُوا اور کہا "خدا نے مینول کو پل بنانے کی طاقت دی!" لیکن یہ طاقت مجھے کس طرح نصیب ہوئی۔ آہ یہ میں ہی جانتا تھا اماں۔"

سب لوگوں نے خوشی منائی۔ اُنہوں نے شوخ رنگ صراحیوں سے ایک دوسرے کا جام صحت پیا۔ لیکن میں خاموش تھا مغموم تھا اور کسی کا جام صحت نہ پی سکتا تھا جب بین کے سُر فضا میں بلند ہوئے۔ تو ہر چھوٹا بڑا کھڑا ہو گیا۔ اور ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر رقص کرنے لگا۔ کسی شخص نے کہا بیزول کہاں ہے! وہ کیوں ہمارے ساتھ رقص میں شریک نہیں ہوتا؟"

"معاً موسیقی بند ہو گئی۔ لوگ خاموش ہو گئے۔ اور چلے گئے! ور میں پلٹا۔ اماں! او خدا! میں نے ایک نعش دیکھی۔ تمہیں معلوم ہے اُنہوں نے کس کی نعش اُٹھائی؟

" میں اُن کے پیچھے قبرستان کو گیا۔ اُس کی قبر پر مٹی ڈالی، اور دعا مانگی۔ کہ خدا اس کی روح کو تسکین دے!

" جب میں لوٹا تو رقص پھر شروع ہو گیا تھا۔ میں نے شراب کی ایک صراحی لی اور پوری چڑھا گیا۔ یہاں تک کہ میں مدہوش ہو گیا ہم نصف شب تک رقص کرتے رہے۔ ایک طرف میدان میں دعوت کے لیے نو بھیڑیں ابالی جا رہی تھیں، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میدان پہلے سے وسیع ہو گیا ہے۔ ابابیلیں گیہوں کے کھیتوں پر کلبلیں کر رہی تھیں۔ زمین اُن لوگوں کی آرزومند تھی۔ جو گاتے ہوئے آئیں اور ہل چلانے لگیں۔

آگ روشن کی گئی۔ دو شبیرہ لڑکیوں کی آنکھیں شعلوں کی مانند دہکنے لگیں لیکن آہ میرا دل شکستہ تھا۔ میں نے خیال کیا ملکا کو بھلا دوں۔ اس کا خیال دل سے نکال دوں۔ دنیا میں اور بھی لڑکیاں ہیں۔ آہ میں مدہوش تھا۔ خدا مجھے معاف کرے!

" نصف شب کے بعد جب مرغ نے اذان دی۔ تو تمام لوگ لڑکھڑاتے ہوئے گھروں کو سدھارے میں ان کے ساتھ جانے کے بجائے ایک پتھر پر بیٹھ گیا میرے دماغ میں خیالات کا ہجوم تھا۔ ناگہاں میں نے ایک آواز سنی۔

"مے ــــ نو ــــ ل ــــ"

میں اس آواز کی سمت چلا۔ چاند کی زرد زرد روشنی کھیتوں کو نور کے دریا میں نہلا رہی تھی۔ میں چلتا گیا۔ یہاں تک کہ میں گیہوں کے کھیتوں کے درمیان چھوٹی سی پہاڑی کے قریب ٹھہر گیا۔ ایک عریاں عورت میرے سامنے کھڑی تھی۔ اس کے بال زمین کو چھوتے تھے۔

"وہ بائیں طرف سے آئی تھی۔ اور کون کہہ سکتا ہے کہ وہ کہاں سے آئی تھی، کھیتوں میں سے گرگٹ کی آواز آرہی تھی۔ شاید میں ابھی تک مدہوش تھا۔ میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔

"میں اُس عورت پر سے آنکھیں نہ ہٹا سکا جس نے مجھے بلایا تھا۔ اور جو میری منتظر تھی۔

"مے ــــ نو ــــ ل ــــ"

گاؤں میں کتے چاند کی طرف منہ کر کے بھونکنے لگے۔ میں بے اختیار کانپتا ہوا اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ گیہوں کا کھیت بھی میرے ساتھ کانپا۔ یہ عورت کون تھی؟ میں نے اُسے کہاں دیکھا تھا؟ کیسی رُوح میں اُتر جانیوالی سیاہ آنکھیں تھیں! آہ اماں! ان دلکش آنکھوں سے میں آشنا تھا!

اُن آنکھوں نے مجھے مسحور کر لیا۔ اس سفید اور حسین جسم نے میری طرف حرکت کی میں نے آج تک کسی عورت کو نہ دیکھا تھا۔ اس کے بال نسیم صبح کے مست جھونکوں سے لہرانے لگے۔ اس کی آنکھوں نے میرے سینہ میں آگ لگا دی۔ ایکا ایکی کھیت سیاہ ہو گئے اور اُس نے اپنے عریاں بازو میری طرف بڑھا دیئے اور کہا "میں مدت سے تمہاری منتظر ہوں"۔

جب اسکے منہ سے یہ الفاظ نکلے۔ میں نے فوراً پہچان لیا کہ یہ ملکا ہے مجھ پر خوف طاری ہو گیا اور میں کھیتوں میں بھاگ نکلا۔

یکایک آواز آئی "تم مجھ سے کیوں ڈرتے ہو میںول؟ آج رات ہماری منگنی ہوئی ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمام دیہات کے لوگ ہمیں مبارکباد دینے آئے تھے؟

"میں نے اسکے سیاہ ملائم بالوں کے لمس کو محسوس کیا۔ انہوں نے مجھے اپنی ریشمیں شکنوں میں لپیٹ لیا۔ اور میرا گلا دبا دیا۔"

کمرے کی شمع ٹمٹمائی اور بجھ گئی۔ چاند شاہ دانے کے درخت کے پیچھے چھپ گیا۔ بڑھیا نے اپنا ہاتھ بیمار بیٹے کی پیشانی پر رکھ دیا اور رونے لگی۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ پھر بولا "اماں ہفتے کو جب تم قبرستان جاؤ تو اسکی قبر پر ضرور ٹھہرنا ——— جب سب چلے جائیں ——— اور اُسے بتانا کہ تین سال سے دریا میرے پل کے پتھروں کو لگاتار دھو رہا ہے اُس سے پوچھنا۔ کہ ابھی تک اُس نے میرے گناہ دھوئے ہیں یا نہیں؟ اماں اس سے ضرور پوچھنا ——— وہ تمہیں ضرور بتا دیگی۔ کہ اس نے میرے گناہوں کو ابھی تک فراموش کیا ہے یا نہیں۔"

زائر

جیاکومو کئی سال کے بعد گھر واپس آ رہا تھا۔ وہ اُس بل کھاتی ہوئی سڑک کے ایک موڑ پر ٹھہرا جو کوہِ اٹنا کے لہراتے ہوئے میدانوں سے ہوتی ہوئی اوپر پہاڑی کو چلی جاتی تھی۔ جہاں سے اُس کا آبائی شہر سینٹا روزا اور اس کا موروثی قلعہ بخوبی دکھائی دیتے تھے۔

سینٹا روزا کے گرد مستحکم فصیل تھی اور مضبوطی سے اُسکی قلعہ بندی کی گئی تھی۔ شہر پہاڑی پر آباد تھا، پہاڑی پر سبزہ اُگا تھا۔ اور وہ ان زرخیز وادیوں اور وسیع میدانوں کی طرف ڈھلوان ہوتی چلی گئی تھی۔ جو کوہِ اٹنا کے دامن میں ہیں۔

جیاکومو نے اپنی زائرانہ ٹوپی اُتار سینٹا روزا کے شہر اور اپنے قلعے کو سلام کیا۔ جو شہر کے کل مکانات سے اونچا تھا۔

اُسے اپنا وطن چھوڑے پندرہ یا سولہ برس ہوئے تھے۔ یا شاید اس سے بھی زیادہ عرصہ گذرا تھا۔

کیونکہ اس نے اپنا وقت کچھ تو الجیریا کے ایک قید خانے میں گزارا تھا کچھ ایک ترکی جہاز میں اور کچھ ایک غلام کی حیثیت سے ٹیونس میں اور اب وہ اس مدّت کا حساب بھول گیا تھا۔

اس عرصہ کے دوران میں وہ بہت "متغیر" ہو چکا تھا ——— اور وہ بھی اس سے بخوبی واقف تھا۔ اس گردشِ ایّام نے اس کی تمام رعنائی اور جوانی اُس سے چھین لی تھی۔ حالانکہ ابھی وہ ادھیڑ عمر کا بھی نہ تھا۔ لیکن تمام دنیاوی خوشیاں اپنے ہم جنسوں کی محبت اور دلی مسرّت اُس سے چھین لی گئی تھی۔

وہ اپنے آبائی شہر کو کھڑا دیکھ رہا تھا۔ اور اس وقت اُس کے دل میں تمام دنیا کی طرف سے نفرت اور سختی کے سوا کچھ نہ تھا۔ اسے کسی شخص کی مہربانی اور شفقت یاد نہ تھی۔ اور اس لئے اُسے سوائے تلخی کے کچھ اور محسوس نہ ہوتا تھا۔ چونکہ اس کی ساری زندگی اُس کے چچا کے گناہ سے تاریک ہو چکی تھی جس نے اُسے قید اور غلامی کے ناقابلِ شدید عذاب میں مبتلا کیا۔ اسلئے وہ دنیا کو اپنی روح کی تاریکی سے دیکھتا تھا۔

دنیا میں صرف ایک انسان تھا جس کی وہ عزّت کرتا تھا۔ اور وہ عقلیہ کا وائسرائے تھا جس نے اُس کی درد بھری داستان پر یقین کیا اور اسے انتقام کے ایک مضبوط ہتھیار سے آراستہ کیا تھا۔ اب وُہ خوشی خوشی گھر آرہا تھا۔ اُس شخص سے انتقام لینے کے لئے جس نے آج سے پندرہ برس پہلے اُسے دامِ فریب میں پھنسا کر ایک افریقی بحری ڈاکو کے حوالہ کر دیا تھا۔ جو ایک جہاز میں عقلیہ کی طرف جارہا تھا۔

جیاکومو نے وائسرے سے یہ معلوم کر لیا تھا کہ اُس کا چچا بڑے آرام و اطمینان سے قلعول اور زمینوں کی آمدنی سے عیش کر رہا ہے اور کسی نے بھی اس کے چچا کے قول کے مطابق جیاکومو کے سمندر میں غرق ہو جانے کے متعلق ذرا شک نہیں کیا۔ لیکن کسے گمان تھا کہ جب سمندر کا خوشگوار سفر ختم ہؤا تو یہ لڑکا کشتی میں بٹھا کر سمندر میں تن تنہا چھوڑ دیا گیا اور کسے خیال تھا۔ کہ یہ لڑکا ایک بحری ڈاکو کی مدد سے بال بال بچ گیا ہے۔

اُس نے موت سے زیادہ تکلیف اُٹھائی تھی اس قدر تکلیف کہ صرف آئندہ انتقام کے خیال ہی نے

اُسے مصیبت اور غلامی میں زندہ رکھا تھا۔ اور خدا کی قدرت سے اُسے بہت جلد اس کا موقع مل گیا۔ وہ ایک ترکی جہاز میں نوکر تھا جسے لیپنٹو کی جنگ میں ہسپانوی بیڑے نے گرفتار کر لیا اور وہ صقلیہ کے ایک بندرگاہ پر ٹھہرا۔ وہاں سے جیاکومو بھٹے پرانے لباس میں پرمو کی طرف روانہ ہؤا۔ اور واٹسرائے سے مل کر اسے دام کہانی سُنائی۔ اب وہ اپنی جیب میں اپنے چچا کی برطرفی اور اپنی بحالی کے احکام لے کر سینٹا روزا کو آ رہا تھا۔ وہ شاید سیدھا اپنے ساتھ سپاہیوں کا ایک دستہ لے کر غاصب کو گرفتار کرنے آ جاتا لیکن وہ اپنے دشمنوں کو اچانک حیرت میں ڈال دینا چاہتا تھا۔ اور اُسے مارنے سے پہلے عذاب دینا اور اپنے انتقام کو ڈھیل دے کر اُس کے ہر ایک لمحہ سے لطف اندوز ہونا چاہتا تھا۔ یہ تمام باتیں جیاکومو کے دل میں مضبوطی سے جگہ پکڑ گئی تھیں۔ اپنے چچا کی شکست اور مکمل انتقام ہی وہ واحد مسرت تھی جسے وہ حاصل کرنے کا متمنی تھا۔

اس لئے وہ چپکے سے ایک زائر کا سا پھٹا پرانا بھیس بدل کر آیا تھا۔ وہ جو کونٹ ڈی بیکیمی تھا۔ وہ جو سینٹا روزا اور جہاں تک نظر کام کرتی تھی اردگرد کے تمام کھیتوں، میدانوں اور پہاڑوں کا واحد اور جائز مالک تھا۔

اُس نے آہستہ آہستہ بل کھاتی ہوئی سڑک پر چڑھنا شروع کیا۔ اُس روز اولیا کی یادگار کا دن تھا۔ خانقاہوں کے میناروں اور گنبدوں میں گھڑیال بج رہے تھے۔ فصل انگور گزر چکی تھی اور فصل زیتون شروع ہوئی تھی۔ خچر جو زیتون سے بھرے ہوئے ٹوکروں سے لدے تھے لگاتار جیاکومو کے پاس سے گزر رہے تھے اُن کے سروں پر نیلے اور گلنار اُون کے پھندنے تھے۔ کسان اُن کے پہلو بہ پہلو چل رہے تھے۔ کسانوں کے ہاتھوں میں لمبے لمبے ڈنڈے تھے جن سے وہ زیتون جھاڑتے تھے۔ جیاکومو کو یہ باتیں اچھی طرح یاد تھیں لیکن اپنے محبوب بچھڑے ہوئے وطن کے یہ مناظر اُس کے دل کو نرم نہ کر سکے۔ لمبے لمبے بالوں والی بکریوں کا ایک ریوڑ اسکے قریب سے گزرا جنہیں بچے ہانک رہے تھے۔ بچوں نے بھڑکیلے کپڑے

بہن رکھتے تھے وہ آئندہ صبح کی مسرتوں پر بحث کر رہے تھے۔ کل "مُردوں کا دن" تھا جب مردہ شدہ وارثوں کی روحیں زندوں کو چند تحائف بھیجتی ہیں۔ جب اُس نے بچّوں کی جوشیلی گفتگو سُنی اُس نے اپنی رفتار تیز کر دی۔ اور دل سے کہا "میرا چچا مُردوں کی طرف سے یہ تحفہ قبول کریگا۔"

جیاکومو آگے ہی آگے بڑھتا گیا۔ اُس نے سب سے چھوٹا راستہ منتخب کیا جو سیدھا قلعہ کو جاتا تھا اور جہاں خچر بھی مشکل سے اپنے قدم جما سکتے تھے۔ قلعے کے برج میں ابھی تک روشنی تھی، شاید اُس کی چچازاد بہن آرسولا، جسے وہ بچپن سے جانتا تھا۔ وہاں بیٹھی اپنی مردہ ماں کے لئے ہار گوندھ رہی تھی اُس نے اُس وقت کا تصوّر کیا جب وائسرائے نے رحم سے "تمہاری حسین اور بیگناہ چچازاد بہن" کہا تھا، اور وہ صرف مُسکرا کر چپ ہو گیا تھا۔ شاید وائسرائے نے یہ خیال کیا ہو کہ اس سرگرمی کو جو انتقام کے جوش سے پیدا ہوئی تھی آرسولا کا حُسن کیسی شعریت سے لبریز خاتمہ تک پہنچا دے۔ اور جیاکومو دام محبت میں گرفتار ہو کر اپنی چچازاد بہن سے شادی کر لے لیکن وہ جیاکومو کو نہیں جانتا تھا۔ اب کوئی عورت اُسے مغلوب نہ کر سکتی تھی۔

تاریکی بڑھتی جاتی تھی۔ کاروباری لوگ اپنے گھروں کو واپس جا رہے تھے۔ دوکاندار اپنی دوکانیں سنبھالنے میں مشغول تھے۔ جیاکومو اب اُس ڈھلوان سڑک پر ہو لیا جو قلعے کو جاتی تھی۔ مکانوں کی کھڑکیوں میں سے خوشنما چراغ جھلملاتے نظر آ رہے تھے اور چاند نکل رہا تھا جب وہ قلعہ کے قریب پہنچا تو اُس نے ہر سمت خاموشی طاری پائی۔ صرف ایک اُبھرا ہوا کھڑکی میں سے ایک لیمپ دکھائی دیا۔ وہی لیمپ جس کی روشنی اُس نے نیچے سے دیکھی تھی۔

قلعے کا دروازہ ابھی تک کھلا تھا۔ جیاکومو اندر داخل ہوا۔ ایک دربان آگے بڑھا، جیاکومو نے کہا "میں صرف ایک رات بسر کرنا چاہتا ہوں۔"

دربان نے ذرا تامّل کے بعد جواب دیا "تم عجب موقعہ پر آئے ہو۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں سیدونا آرسولا

انکار نہ کر دے۔"

اُس نے تمکنت کے انداز سے زائرہ کی طرف دیکھا اور قلعہ کے تاریک دروازے کی طرف چلا جیا کو مو نے اپنے دل میں کہا "میری بہن آرسولا کیا اپنے والد کے مکان میں وہ اتنی جلدی مالکہ بن بیٹھی ہے؟"

وہ دربان کے پیچھے گیا۔ اور دروازے کی دہلیز پر کھڑا ہو گیا، اپنے مکان کے دروازے کی دہلیز پر ایک لڑکا شمع لایا۔ جیا کو مو نے دیکھا کہ جگہ صاف ستھری اور عمدگی سے آراستہ ہے۔ اس نے اپنے دشمن کو دیکھنے کے شوق میں سیڑھیوں کی طرف دیکھا۔ دربان واپس آیا۔ آرسولا نے میزبانی قبول کر لی تھی۔ اور یہ سن کر وہ شرقی ہو آیا ہے۔ اس نے خود ملنے کی خواہش ظاہر کی تھی، وہ دربان کے پیچھے پتھر کی سیڑھیوں پر چڑھ کر اُس عظیم الشان ہال میں پہنچا جس سے وہ بخوبی واقف تھا۔

اچانک اُس نے اپنے تئیں ایک دراز قامت عورت کے روبرو پایا۔ جو ایک سیاہ کرسی سے سلام کرنے کے لئے اٹھی۔ اُسکے پہلو میں ایک نوجوان شخص ایک چھوٹی سی چوکی پر بیٹھا تھا۔ کمرہ ایک لیمپ سے روشن تھا۔ جیا کو مو جانتا تھا کہ یہ وہی لیمپ ہے جو اُس نے نیچے سڑک پر سے دیکھا تھا۔ اُس نے سلام کا جواب دیئے بغیر اپنی چچا زاد بہن کی طرف بغور دیکھا۔

وہ کچھ ایسی خوبصورت نہ تھی لیکن اُسکے ہر نقش اور ہر حرکت میں ایک رعنائی اور نزاکت تھی۔ اس کے سیاہ بال اُسکے نازک چہرے کے گرد بل کھاتے تھے۔ اسکی پلکیں گھنی تھیں اور اسکی سیاہ آنکھیں ملائمت اور کشش سے لبریز تھیں۔

وہ سیاہ لباس میں ملبوس تھی اور اُس نے کوئی زیور وغیرہ نہیں پہن رکھا تھا ریشم کا ایک دو شالہ جس پر ایک خوشنما جھالر تھی۔ اُسکے نازک کندھوں پر پڑا تھا۔ وہ کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس کا چہرہ موتی کے مانند سفید تھا۔ زائر کی مستقل ڈور پر جمی ہوئی نظر نے اُسے ایک قسم کے تزبذب میں ڈال دیا تھا۔ اُس نے اپنے ہاتھ دوشالے سے باہر نکالے گویا وہ اپنے تئیں بچانا چاہتی ہے۔ جیا کو مو جو اُس کے سیاہ لباس کو

ٹکٹکی لگائے دیکھ رہا تھا۔ کہنے لگا" کونٹ ـــــ کونٹ کہاں ہے؟"

اس فقرے نے اُسے اور خوفزدہ کر دیا۔ وہ نوجوان کی طرف پلٹی جس نے زائر کی طرف دیکھ کر مختصر سا جواب دیا" کونٹ کو مرے دو دن ہوگئے ہیں کل ہی اُسے دفن کیا گیا ہے۔"

جیا کومو کانپ گیا۔ آہ! ایک ہی لحظہ میں اُسکے انتقام کی تمام امیدیں خاک میں مل گئی تھیں۔ گویا اب ایک مردہ انسان تھا جس پر وہ فتح حاصل کرنا چاہتا تھا۔ ایک مردہ انسان کو بے حرمت اور ذلیل کرنے کی اُمید میں تھا۔ آرسولا نے آرام و سکون سے کہا" اے زائر! یہ ماتم کدہ تمہاری مہمان نوازی کے لئے تیار ہے جتنی دیر چاہو رہو۔"

وہ حقارت سے مسکرایا" ہاں تو جتنی دیر چاہوں رہوں۔"

آرسولا نے کہا" مجھے اندیشہ ہے کہ میں نے اپنے الفاظ کے مفہوم پر پورا غور نہیں کیا۔ کیونکہ میں یہ نہیں جانتی کہ میں کب تک اس گھر کی مالکہ ہوں۔"

جیا کومو اپنے خیالات سے چونکا اور اسکی طرف تیز نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ آرسولا نے اس کے جواب میں کہا" میں اپنے والد کی وارث نہیں ہوں۔"

جیا کومو کہنے لگا" غالباً وہ اپنی جائداد کسی اور کے لئے چھوڑ گیا ہے؟"

اُس نے یہ فقرہ بڑی اداسی سے کہا۔ کیونکہ ناکامی کے صدمہ نے اُس کی زندگی برباد کر دی تھی۔ انتظار کے یہ تمام سال بیکار ثابت ہوئے تھے۔ اُس کا دشمن زندہ رہا اور خوشی اور چین سے مر گیا تھا صرف دو دن پہلے اگر وہ انتقام لے سکتا تھا۔ لیکن اب اس نے اس خواہش کے سوا اپنے دل میں کچھ نہ پایا کہ تمام اُن واقعات کو معلوم کرے جو اُسکے بعد وقوع پذیر ہوئے۔ اور اپنے مستقبل کا فیصلہ کرے۔

نوجوان آدمی بے صبری سے اٹھا۔ وہ بھی ماتمی لباس میں تھا جب وہ آگے بڑھا تو اسکے پیچھے ایک میز دکھائی دی جس پر دستاویز تھیلیاں اور کاغذ رکھے تھے۔ انکو دیکھتے ہی جیا کومو کی آنکھوں میں اچانک

ایک چمک سی پیدا ہوگئی۔ دستاویز! اسکے پاس بھی چند دستاویز تھیں اُس نے اپنا کمزور ہاتھ جیب میں ڈالا۔ اور اُن کاغذات کو دیکھا جو اُسے وائسرائے نے دیئے تھے اور جو اسکے جائز کونٹ ہونے کے دعوے کو ثابت کرتے تھے۔

وہ ابھی تک نیم حیران نگاہ سے اُس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اُس نے اپنے نازک ہاتھ کی ایک ہلکی سی جنبش سے اپنے ساتھی کو چپ رہنے کی ہدایت کی اور جیاکومو سے پوچھا "کیا تم مشرق سے آئے ہو؟"

"ہاں۔"

"کیا تم صقلیہ کے باشندے ہو؟"

"ہاں"

"کس شہر کے؟"

"اسی شہر کا"

"مینڈاروزا کے! تو پھر تم ایک مدت مدید تک باہر رہے ہو میں مینڈاروزا کے تمام باشندوں کو پہچانتی ہوں لیکن تمہیں بالکل نہیں جانتی۔"

"مجھے یہ شہر چھوڑے پندرہ برس یا اس سے بھی زیادہ عرصہ گذرا ہے۔"

اُس نے ایک سرد آہ بھری۔ نوجوان آدمی سختی سے بولا "ہاں اے زائر! تو تم نے بہت سفر کئے!

جیاکومو نے جواب دیا "ہاں اور بڑے عجیب تجربات حاصل کئے۔"

پھر کہنے لگا "جناب آپ کون ہیں؟"

آرسولا نے جھٹ جواب دیا "یہ میرا ہونے والا شوہر ڈان اجینیو ہے۔ بہت جلد ہماری شادی ہونے والی ہے۔ آج رات یہ کفن دفن کے چند معاملات میں میری مدد کرنے آیا ہے۔"

اچانک اُس کی آواز رُک گئی اور اسکی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہوگئیں۔ ڈان اجینیو نے کہا۔

لیکن ہم تمہیں یہاں رکھیں گے میرے خیال میں تمہیں آرام اور کھانے کی ضرورت ہوگی"۔

جیاکومو تاڑ گیا کہ یہ مجھے یہاں سے ہٹانا چاہتا ہے۔ وہ مسکرا کر کہنے لگا۔ جیسے آپ کی مرضی۔ باقی جو کچھ مجھے کہنا ہے کل "مُردوں کے دن" کہونگا۔ کیوں ٹھیک ہے نا؟ جب تمام لوگ اپنے بستر کے قریب وہ تحائف پاتے ہیں جو ان کے مردے انہیں بھیجتے ہیں۔ میں عیسائی رسوم بالکل بھول گیا ہوں۔ شاید میں بھی مُردوں کی طرف سے کوئی تحفہ لاؤں"۔

یہ کہہ کر اُس نے پھر اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر کاغذات کو چھیڑا۔ آرسولا نے آرام سے کہا۔ کیا تمہارا بھی کوئی مردہ یہاں ہے جو تمہیں کل تحفہ دے؟ کیا کوئی قبر الیسی ہے جس پر تم جاؤ؟"

جیاکومو ہنس کر کہنے لگا۔ "میرے مُردے بھی سینٹا روزا میں ہیں لیکن میرا کام تو زندوں سے ہے"۔

ڈان اجینیو نے کہا۔ "انا اب جاکر آرام کرو تاریکی زیادہ ہوتی جاتی ہے"۔

جیاکومو ہل بھی رہا تھا کہ آرسولا بولی۔ "اسے یہاں ٹھہرنے دو۔ آج میں اس سے باتیں کرنا چاہتی ہوں"

اجینیو نے غصّے سے کہا۔ "یہ فضول ہے۔ وہ اسکے متعلق کیا جانتا ہے۔ دوسرے اس سے پوچھنے کا یہ مطلب ہے کہ اسے تمام راز کی خبر ہو جائیگی"۔

وہ ذرا کانپی اور کہنے لگی۔ "نہیں یہ بات ضرور بتاؤنگی آخر ایک نہ ایک دن اس راز کا سب کو علم ہو جائیگا۔ مجھے اس سے باتیں کر لینے دو"۔

وہ کرسی پر بیٹھ گئی۔ اور کہنے لگی۔ "میں ایک آدمی کی تلاش میں ہوں جو کہیں مشرق میں کھویا گیا ہے۔ اور چونکہ تم وہاں رہے ہو۔ اسلئے تم سے پوچھنا چاہتی ہوں"۔

جیاکومو نے بانداز استغنا اپنے کندھے ہلا کر کہا۔ "یہ بعید از قیاس ہے۔ میں آپ کی مدد نہیں کرسکتا میں بہت تھوڑے عیسائیوں سے ملا ہوں"۔

آرسولا نے اُس کی طرف دیکھ کر کہا۔ "وہ آدمی جسے میں اور ڈان اجینیو تلاش کر رہے ہیں انگریز ہے

کہ عیسائی نہ ہو بلکہ ایک مرتد بے دین ہو ——— یا شاید کسی جہاز میں غلام یا قیدی ہو!"

جیاکومو نے غور سے اُسکی طرف دیکھ کر کہا "ہاں بحری ڈاکوؤں اور افریقی تاجروں کی زنجیروں میں سینکڑوں بیگناہ گرفتار ہیں۔"

دوبارہ وہ کانپی اور کہنے لگی "بس وہ بھی اُنہیں میں سے ایک ہوگا۔ ہم اُسے ضرور تلاش کرینگے اُسے ضرور آزاد کرائیں گے۔"

"یہ بہت مشکل ہے۔"

"نہیں ہم اُسے تلاش کرینگے اور ضرور کرینگے۔"

"وہ آدمی کتنے سال سے گم ہے؟"

"سولہ سال سے۔"

"اور آپ اُسکے ملنے کی اُمید رکھتی ہیں؟"

ڈان جینیویٔ نے کہا "یہ ایک مقدس جستجو ہے۔ اور اے زائر! ہم ضرور کامیاب ہو کر رہیں گے۔ یہ فرض جس کے لیے ہم اپنی جانیں دے دینگے۔"

آرسولا نے کہا۔ "وہ فرض جو خدا نے ہم پر عائد کیا ہے۔"

اُس نے کرسی کی طرف اشارہ کرکے جیاکومو سے بیٹھنے کو کہا۔ وہ بیٹھ گیا اور اپنی نگاہ اُس لیمپ پر جمادی جو آرسولا کے پیچھے لٹک رہا تھا۔ وہ لیمپ جس کی روشنی اُس نے مرک پر سے دیکھی تھی جب کہ وہ ایک ایسے آدمی سے انتقام لینے کے منصوبے باندھ رہا تھا۔ جواب قبر میں تھا۔ لڑکی نے بیقراری سے پوچھا "کیا تم ایسے آدمیوں سے ملے ہو ——— عیسائی قیدیوں سے ملے ہو۔"

اُس نے مختصر سا جواب دیا "ہاں بہت سے قیدیوں سے ملا ہوں۔"

"اُن میں سے بعض کے ساتھ تم نے باتیں بھی کی ہونگی۔ اُنکے نام اور حالات بھی سنے ہونگے؟

"ہاں"

"تو مجھے بتاؤ کیا تم نے ایسی کہانی سُنی؟"

یہ کہتے وقت اس کی آواز کا لہجہ ایسا تھا کہ جیا کو مو لیمپ سے نظریں ہٹا کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

اُس کا چہرہ سفید دکھائی دیتا تھا۔ وہ بھی کانپا اور کہنے لگا "کونسی کہانی؟"

"ایک ایسے آدمی کی کہانی جس کے چچا نے ظلم سے اُسے غلامی کی دائمی نیند میں دبا دیا ہو"

"اُنہوں نے ایک دوسرے کی طرف حیرت سے دیکھا، جیا کو مو نے کہا۔ آپ کو یہ کہانی کس نے سنائی؟"

"میرے والد نے، اُس وقت جبکہ اُس کی جان نکل رہی تھی۔ سولہ سال ہوئے اُس نے کونٹ جیا کو مو بیسیکیمی کو جو جائز کونٹ ہے ایک بحری ڈاکو کے حوالے کر دیا اور تمام لوگوں کو یقین دلا دیا کہ وہ ڈوب گیا ہے۔ اُس نے اپنا یہ گناہِ کبیرہ مجھے بتایا۔ اور میں نے صلیب پر ہاتھ رکھ کر اُسکی تلافی کرنے کی قسم کھائی۔"

جیا کو مو نے کہا "اپنے والد کی رُوح کو بچانے کے لئے؟"

اُس نے جواب دیا "ایک گناہِ عظیم کو بخشوانے کیلئے مجھے میرا چچا زاد بھائی ضرور ملنا چاہیے۔"

نوجوان نے کہا "وہ ضرور ملیگا"۔

جیا کو مو نے پوچھا "اگر آپ اُس آدمی کو پا لیں تو؟"

"تو وہ کونٹ ہے ——— اُسی وقت جب وہ سینٹا رونا میں واپس آئے۔"

"اور آپ اپنے تئیں اُس کے لئے اتنی دولت سے محروم رکھیں گی؟"

"اُس نے جواب دیا۔ "یہ سب اُسی کا حق ہے میرا کچھ نہیں۔ میں اُس دولت سے ایک پائی بھی نہیں لے سکتی جو میری نہیں"۔

ایک کمزور اور نازک ہاتھ سے اُس نے اُن کاغذات کی طرف اشارہ کیا جنہیں ڈان اجینیو اُلٹ پلٹ رہا تھا۔ وہ کہنے لگی "اپنی ماں اور ڈان اجینیو کی جائداد سے میں خزانے کی کمی پوری کر دونگی۔"

زائر نے مسکرا کر پوچھا۔ "اور آپ خود کیا کرینگی؟"

اُس نے جواب دیا۔ "ڈان اجینیو میری خبر گیری کریگا۔"

پھر کہنے لگی۔ "کیا تم نے ایسی کہانی سُنی؟ کیا تم ہماری مدد کر سکتے ہو؟ کیا تم جیاکومو کے متعلق کچھ جانتے ہو؟"

وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ ڈان اجینیو نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ "یہ کیا جانتا ہے؟"

جیاکومو نے اچانک اپنا سر اُٹھایا اور کہا۔ "نہیں آپکا خیال صحیح نہیں ہیں نے ایسی کہانی سُنی ہے اور اسی کہانی کے باعث میں سینٹا روزا میں آیا ہوں۔"

آرسولا کا چہرہ سُرخ ہو گیا اُس نے کہا۔ "تم ——— تم اُس آدمی کے متعلق جانتے ہو جس کی ہمیں تلاش ہے؟ آہ اجینیو! میرے والد کی دعا قبول ہو گئی! یہ اُسی کی توبہ کا نتیجہ ہے۔ یہ ایک معجزہ ہے!"

جیاکومو نے کسی قدر خشونت سے ایک مشتاق چہرے سے دوسرے چہرے کی طرف دیکھ کر کہا۔ "مَیں جائز کونٹ بسیکیمی کو جانتا ہوں اور اُسی نے مجھے یہاں بھیجا ہے۔"

آرسولا زرد ہو گئی اور اپنے منگیتر کے ساتھ لگ گئی، جیاکومو نے کہا "مَیں اُس وقت الجیریا میں تھا جب میں آپکے چچا زاد بھائی سے ملا۔"

اُس نے آہستہ سے کہا "آہ کس حالت میں کس مصیبت میں؟"

"پہلے وہ غلام بنا کر بیچا گیا لیکن اُس کے آقا نے اُسے اپنا متبنےٰ بنا لیا، اور ایک بیٹے کی مانند اُس سے سلوک کیا۔ جب اُس کا آقا مر گیا۔ تو وہ اُسکی جائداد کا وارث ہوا اور ایک بیش بہا دولت اُسکے ہاتھ لگی"

ڈان اجینیو نے کہا "لیکن وہ یہاں آکر اپنی اس جائداد کو حاصل کرنے کی کوشش کیوں نہیں کرتا؟"

ایک طنز آمیز تبسم زائر کے لبوں پر پھیلا۔ وہ کہنے لگا۔ "اُس نے مشرق کی زندگی کو بہت خوشگوار پایا، صرف چند لوگ جانتے تھے کہ وہ عیسائی ہے ——— اُسکی رام کہانی کسی نے نہیں سُنی۔"

"تاہم اُس نے تمہیں بتادی"؟

"ہاں مجھے بتائی، میں موروں کا قیدی تھا۔ اُس نے مجھے خرید لیا اور ایک رات مجھے بلا کر اپنی یہ کہانی سنائی"۔

"اے زائر! یہ کس لئے"؟

جیاکومو کی تھکی ہوئی نگاہ آرسولا پر پڑی اور وہ کہنے لگا "کیونکہ وہ مر رہا تھا"۔

لڑکی نے کانپ کر کہا "مر رہا تھا"!

"ہاں ایک سریع الاثر زہریلے بخار سے ——— اُس نے مجھے آزاد کر دیا۔ اور مجھ سے کہا جب تم یورپ جاؤ۔ تو صقلیہ کے شہر سینٹا روزا میں جا کر اُس آدمی کو ضرور تلاش کرنا۔ جسے کونٹ بسکیمی کہتے ہیں۔ اور پھر اُس نے چند الفاظ میں مجھے وہی کہانی سنائی جو آپ نے ابھی سنائی ہے"۔

"وہ ——— وہ مر گیا"؟

"ہاں اسی رات ——— آرام سے اور اُس نے مجھے آپکے والد کے نام ایک پیغام دیا، جواب کئی برس کے بعد میں آج رات لایا ہوں لیکن بعد از وقت"۔

"آرسولا نے کہا" مجھے سناؤ"۔

ایک لمحہ کیلئے جیاکومو متامل ہوا، پھر کہنے لگا "اُس نے یہ پیغام دیا تھا۔ کہ میں نے اپنی زندگی یہاں عمدگی سے بسر کی تم زمینوں کی اچھی طرح نگہداشت کرنا اور میری بہن آرسولا کو شادی کے موقع پر خاطر خواہ جہیز دینا۔ اور یہ کہ میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے"۔

آرسولا نے اپنا سر ڈان جنیو کے سینے سے لگا دیا، اور اسکی آنکھوں سے آنسو بہ نکلے وہ کہنے لگی۔ "اُس نے معاف کر دیا! کاش ابا جان زندہ ہوتے! آہ میں نے تو زنجیروں، چابکوں اور غلامی کا تصور کیا تھا!

ایک بار وہ پھر مسکرایا، اُس کے بدن پر ابھی تک زنجیروں اور چابکوں کے نشانات تھے! اس نے

جواب دیا "بہن آپ کا بھائی بڑے اطمینان سے مرا آپ کو اُسکے متعلّق کسی قسم کے تردد کی ضرورت نہیں"۔

وہ اجینیو سے الگ ہو کر گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔ اور نرمی سے زائر کی آستین کو بوسہ دیا۔ جیاکومو نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے آرسولا کو اُٹھا کر اجینیو کی طرف کر دیا اور کہا "آپ اپنے بھائی کی جائز وارث ہیں۔ کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ میں بھی مُردوں کی طرف سے تحائف لاؤنگا۔ مرحوم جیاکومو سبکیسی آپ کے لئے یہ تحفہ بھیجتا ہے"۔

وہ جانے کے لئے فوراً کرسی سے اُٹھا۔ اُنہوں نے روکا، لیکن اُس نے جواب دیا "نہیں اب کل پھر اسکے متعلّق گفتگو کرینگے اب میں تھک گیا ہوں"۔

وُہ انہیں اکیلا چھوڑ کر نیچے اُترا، جہاں دربان ایک انگیٹھی کے سامنے بیٹھا تھا۔ جیاکومو نے کہا "دوست میں بہت پیاسا ہوں"۔

دربان پانی لینے گیا، جیاکومو اب اکیلا رہ گیا۔ اُس نے جھٹ اپنی جیب سے کاغذات نکال کر آگ میں جھونک دئے۔ جب وہ جل کر راکھ ہو گئے تو بڑبڑا کر کہنے لگا "مُردہ کے تحائف ——— مُردہ کے تحائف!"

پھر اُس مکان کی طرف دیکھ کر، جو اُسکی ملکیت تھا، اور جسے اب اُس نے ترک کر دیا تھا، وہ آہستہ سے دروازے سے باہر نکل گیا، چاند آسمان پر چمک رہا تھا، رات از حد سرد تھی اور کوہ اٹینا سے سرد ہوا چل رہی تھی۔ چند لمحہ بعد آرسولا زائر کو کھانا کھلانے نیچے اُتری لیکن اُس کا کچھ پتہ نہ تھا۔ وہ چلا گیا۔ اسکے بعد آج تک کسی نے اسے سینٹا روزا یا صقلیہ میں نہیں دیکھا۔

عشقِ غیور

ڈی فلیوری حسین تھی۔ اسکی بڑی بڑی آنکھیں حیرت انگیز اور اسکے دراز بال سنبل کی طرح سیاہ تھے لیکن قدرت نے اُسے زبان بہت خطرناک دی تھی۔ وہ اپنے روزنامچہ میں لکھتی ہے "میں اس حقیقت کی شاکر ہوں کہ میرا حسن لوگوں کو میرے چہرے کی طرف بغور دیکھنے سے باز رکھتا ہے"۔

بہت سے لوگ اسکی شمعِ حُسن کے پروانے تھے اس کا دلکش تبسم دلوں پر بجلیاں گراتا ہے اور اسکی گفتگو سارے دربار کو فرحت بخشتی تھی۔

خاوند کی وفات کے بعد اُس نے زرکثیر برباد کرنا شروع کیا لیکن کسی عاشق نے بھی اس کا بل ادا کرنے کی عزت حاصل نہ کی۔ وہ لوگوں کو صرف فرضی افسانے سنایا کرتے کہ وہ ہمیں اپنے مکان میں ملی جبکہ ایک مرصع ہار اور سنہری نقاب اسکے زیب تن تھا۔

ڈی مارسک شہنشاہ لوئی چہاردہم کا منظور نظر وزیر تھا۔ اُس نے ڈی فلیوری سے شادی کی

درخواست کی جس پر اس نے غور کرنے کا وعدہ کیا۔ اس درخواست کی بنا پر وہ عوام میں ڈی مارسک کی معشوقہ مشہور ہوگئی لیکن بعض لوگ اس پر شبہ کرتے تھے کہ وہ شہنشاہ لوئی کو اپنا گرویدہ بنانے میں کوشاں ہے۔ مگر لوئی ایک متقی انسان تھا۔ اسلئے وہ ہمیشہ اس سے دور رہا۔

ایک روز جبکہ وہ شکار سے واپس آکر باغ کے نظارے میں مشغول تھی۔ اس کی نظر ایک نوجوان فوجی افسر پر پڑی جو ابھی ابھی فوجی اسکول سے فارغ التحصیل ہوا تھا۔ اس کا نام ڈی سیورن تھا۔ اور وہ ایک غریب خاندان کا چشم وچراغ تھا۔

ڈی فلیوری ایک خوبصورت سرخ لباس پہنے سیاہ عربی گھوڑے پر سوار تھی اسکی ٹوپی پر ایک نٹ اونچی زنگار رنگ کے پروں کی کلغی تھی۔ اسکی صراحی دار گردن میں سونے کی ایک قیمتی مالا تھی جس کا ہیرا الصبح آب وتاب چمک رہا تھا۔

اس نے ڈی سیورن کی طرف دیکھ کر کچھ اشارہ کیا لیکن وہ قدرتی نظارے کی سیر میں اس قدر محو تھا۔ کہ اس نے ذرہ بھر توجہ نہ کی وہ کہنے لگی "ذرا میرا ہاتھ پکڑنا میں گھوڑے سے اترنا چاہتی ہوں۔ کیا تم نووارد ہو؟"

"ہاں ابھی کل ہی آیا ہوں"۔

"خوب! ذرا خیال رکھنا کہیں کوئی دیو نہ تمہیں کھا جائے"!

"اس نے مسکرا کر جواب دیا: میں سپاہی ہوں۔ مجھے کسی دیو کا خوف نہیں"۔

"تو کیا سپاہی خطرات سے آزاد ہیں؟"

"ہاں وہ معمولی خطرات کی کچھ حقیقت نہیں جانتے"۔

ڈی فلیوری اس نوجوان کی باتوں پر حیران تھی۔ وہ دیر تک اسکے ساتھ باتیں کرتی رہی اور چلی گئی لیکن کس طرح؟ ایک مجروح دل کے ساتھ! وہ اس پر پہلی ہی نظر میں فریفتہ ہوگئی تھی۔ وہ گھر پہنچی تو اس نے اپنے دل میں خیالات کا تلاطم بپا پایا۔ اور آنکھوں کے سامنے نوجوان ڈی سیورن کی دلربا تصویر!

اُسی شام جب وہ شطرنج کھیل رہی تھی۔ اسکے ایک جاسوس نے اُکو اُسے بتایا کہ "ڈی مارسک نے ڈی سیوران کو شاہی گارد سے تبدیل کرکے شہزادہ ڈی روہن کی رجمنٹ میں بھیجدیا ہے"۔

اُسے یہ وہم و گمان بھی نہ تھا کہ ڈی مارسک اتنی جلدی وار کردیگا۔ اسی خیال میں کرسی سے تکیہ لگا کر بیٹھ گئی۔ کمرہ اطالوی مطربوں کی دلکش آواز سے گونج رہا تھا۔ چھت میں دس فانوس آویزاں تھے۔ ہر ایک میں پانچسو شمعیں روشن تھیں عورتیں شطرنج کی میزوں کے گرد بیٹھی کھیل رہی تھیں۔ اور ان کی موہنی صورتوں اور پریشان زلفیں دیکھنے والے کے دل میں عجیب کیفیت پیدا کرتی تھیں۔

ڈی مارسک کمرے میں داخل ہوا اور ڈی فلیوری کی میز کے قریب کھڑا ہوگیا۔ وہ سلطنت کے سیاہ و سفید کا مالک تھا۔ شاہی طاقت اُسکی مٹھی میں تھی۔ ڈی فلیوری نے خیال کیا کہ شاید اس نے نوجوان افسر کی بات سن لی ہے۔ اور واقعی اُسے سارا واقعہ معلوم تھا۔ اور دل میں بہت ہی خفا تھا۔ لیکن جونہی وہ مسکرائی اور جواہرات سے چمکتا ہوا ہاتھ اُسکے ہاتھ میں دیا تو ڈی مارسک کی ساری خفگی یکلخت کافور ہوگئی۔ اور وہ مسکرا کر کہنے لگا "قلوپطرا"

"وہ تو بڑی حسین تھی اور اُس نے اپنے عشاق پر ظلم کئے تھے لیکن میں ویسی ظالم تو نہیں"۔

"ظالم نہیں تو اس سے کم بھی نہیں ہو"۔

"خوب ہاں تو تمہیں علم ہے کہ شہزادہ روہن کی رجمنٹ میدانِ جنگ کو کب روانہ ہوگی؟"

"جب میں حکم دونگا۔ تمہیں معلوم ہے کہ میرا حکم تمہاری مرضی پہ منحصر ہے۔ کیوں اُس رجمنٹ میں بھی تمہارا کوئی عاشق ہے؟"

یہ طنز آمیز فقرہ سن کر وہ خفا ہوگئی۔ اُس نے ڈی مارسک سے انتقام لینے کا فیصلہ کرلیا۔ اُس نے خیال کیا۔ وہ کونسی بات ہے جس سے اُسے تکلیف پہنچے۔ معاً اسکے دل میں ڈی سیوران سے شادی کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ لیکن وہ ایسا کرنے سے مجبور تھی۔ کیونکہ وہ آزاد رہنا چاہتی تھی۔

۲

ایک رات نوجوان سیورن بازاروں میں گشت کر رہا تھا کہ چند آدمیوں نے اس پر حملہ کیا اور پکڑ کر ایک لبادے میں لپیٹ لیا۔ اور رات کی مہیب تاریکی میں اُٹھا کر لے چلے تھوڑی بعد اُس نے دروازہ کھلنے کی آواز سنی۔ اُس نے چیخنے کی کوشش کی لیکن بے سُود، کیونکہ اُسکے منہ میں خوب مضبوطی سے کپڑا ٹھونسا ہُوا تھا۔ پھر ایک دروازہ کھلا اور وہ اُسے کمرے میں چھوڑ کر دروازہ بند کر کے چلے گئے۔

وہ بہت غضبناک ہو رہا تھا۔ لیکن اس کے پاس کوئی نہ تھا جو اُسے بتاتا کہ اس کا سبب ڈی ہارنک کی رقابت ہے۔ اور یہ کام ظالم، طاقتور اور کینہ پرور وزیر کی تحریک سے رونما ہوا ہے۔ کیونکہ ڈی ہارنک آزادانہ اپنے خفیہ احکام صادر کیا کرتا تھا جس پر شہنشاہ کے دستخط ہُوا کرتے تھے جن کی رُو سے ایک انسان بغیر کسی قصور کے اپنی باقی ماندہ زندگی قید میں بسر کرتا تھا اور اب ویسا ہی حکم ڈی فلیوری نے ڈی ہارنک سے حاصل کر کے ڈی سیورن پر استعمال کیا تھا۔

وہ کمرہ جہاں وہ کھڑا تھا کسی کثیف مکان میں واقع تھا جس کی کھڑکی سلاخ دار تھی جس پر پردے پڑے تھے۔ ایک خستہ و خراب میز پر ایک شمع روشن تھی جس کی روشنی بہت مدھم تھی۔

بازار کی مٹھ بھیڑ کی وجہ سے اسکی تلوار کھوئی گئی تھی۔ اس کا سارا لباس خراب ہو گیا تھا۔ اس کے گھنے بال بے ترتیب ہو گئے تھے۔ اس کا گلوبند بڑھا ہو گیا تھا اور کوٹ پھٹ گیا تھا۔ ابھی وہ اپنے تئیں درست کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ دروازہ کھلا اور میڈم ڈی فلیوری مسکراتی ہوئی داخل ہوئی۔ اور آگے بڑھکر شمع کے پاس کھڑی ہو گئی۔ ڈی سیورن نے غصے سے سلام کیا۔ وہ کہنے لگی "کیا ابھی تک میری محبت میں گرفتار نہیں ہوئے؟"

"وہ دو ہفتوں سے اسے جانتی تھی اور اُسے درجنوں خطوط اور گلدستے بھیج چکی تھی۔ اُس نے اسے زمرد کی ایک انگوٹھی بھیجی جس پر اُس نے ذرا التفات نہ کی اور یہ کہہ کر واپس کر دی "کہ میں عورتوں کے تحائف قبول نہیں کیا کرتا"۔

ڈی سیورن نے اپنے بازو چھاتی پر لپیٹ لئے۔ اُس کا لباس بے ترتیب تو تھا لیکن وہ خوبصورت معلوم ہوتا تھا۔ اُس نے کہا "میڈم میں حیران ہوں کہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟"

ڈی فلبوری نے آہستہ سے کہا "تم کیسے کور ذوق انسان ہو؟"

"میڈم خدا تعالےٰ نے مجھے عورتوں سے کچھ ایسا مانوس نہیں بنایا۔"

وہ چلا کر کہنے لگی۔ "سنگدل انسان! میں تمہیں تقریباً دو ہفتوں سے جانتی ہوں اور تم میری طرف نگاہ تک نہیں اُٹھاتے۔"

"اگر میں نے کسی عورت کا ہی غلام بننا ہوتا تو فوج کی نوکری کیوں کرتا۔"

"لیکن میں تو محبت کے بارے میں پوچھ رہی ہوں۔"

"آہ میڈم! میرے لئے یہ ایک مُردہ زبان کا مُردہ لفظ ہے۔"

اُس نے اپنا سر مضبوطی سے پکڑ لیا اور کہا "شاید تم یہ نہیں جانتے۔ لیکن میں تمہارے عہدہ میں ترقی کروا سکتی ہوں؟"

"ہاں ترقی! وہ ترقی جو کبھی ایمانداری سے نہیں دی جاتی اور ......"

اُس نے بات کاٹ کر کہا "تم نے میرے متعلق کیا سُنا ہے؟"

سیورن نے جواب دیا "کچھ بھی نہیں۔"

وہ کہنے لگی "جاہل کیا تمہیں مجھ سے محبت نہیں؟"

"کیا میں یہاں یہی بتانے آیا ہوں؟"

اُس نے مسکرا کر جواب دیا "تم نے مجھے اور کوئی موقعہ نہ دیا۔ اسلئے میں نے یہ طریقہ اختیار کیا۔"

وہ اب اس شکستہ میز کے قریب بیٹھ گئی۔ شمع کی روشنی اُسکے چہرے پر پڑ رہی تھی اور وہ آج غیر معمولی طور پر خوبصورت معلوم ہوتی تھی۔ اسکے جواہرات چمک رہے تھے اُس نے کہا "میں یہ جاننا چاہتی ہوں کہ تمہیں

مجھ سے محبت ہے اور میں تمہیں ایسا کرنے پر مجبور کرونگی۔"

"دھمکیوں سے؟"

"اور اس امر کے لئے میرے پاس ڈی مارسک کا خفیہ حکم ہے جس پر شاہی مہر ہے۔"

اُس نے طنز آمیز لہجہ میں کہا۔ "ایک شخص اس عورت کے لئے سب کچھ کر سکتا ہے جس سے اُسے محبت ہو۔"

ڈی فلیوری غصے سے بیتاب ہوگئی مگر اُسے "قلوپطرا" کا خیال آیا۔ وہ اچھل پڑی اور آرام سے کہنے لگی تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ میں اُن سے عنقریب شادی کرنیوالی ہوں۔"

اُس نے جھک کر کہا "تو میڈم میری طرف سے مبارکباد قبول فرمایئے۔"

وہ اس جواب پر جھنجلا کر کہنے لگی۔ "وقت ضائع نہ کرو۔ تمہیں پتہ ہے کہ تمہیں مجھ سے محبت ہے ہر انسان کو مجھ سے محبت ہے اور تم نے بھی انکار نہیں کیا۔"

"کیا یہ ضروری ہے؟"

وہ اس پر بھی شکستہ دل نہ ہوئی۔ وہ اس سرکش آدمی پر حیران تھی۔ اُس نے تحکمانہ انداز سے کہا۔ "تمہیں قلعے میں قید کر دیا جائیگا۔ اور وہاں تم مزے سے رہو گے۔"

اس پر وہ اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکا۔ وہ دھمکی کی بیہودگی پر نہیں۔ بلکہ اسلئے کہ جب اُس نے یہ الفاظ ایک شریر بچے کیطرح کہے تو وہ بہت خوبصورت معلوم ہوئی۔

اس سے پہلے کبھی اسکی درخواست نامنظور نہیں ہوئی تھی لیکن اب ڈی سیلورن رد کر رہا تھا۔ وہ حیران تھی کہ یہ نوجوان ایسا زرین موقعہ پا رہا ہے۔ اور اُسے کھو رہا ہے۔ اُس نے پوچھا۔ "کیا تمہارے دل میں خواہشات نہیں کہ ذلیل سپاہیوں سے نکل کر تم دربار میں پہنچ جاؤ۔"

اُس نے جواب دیا۔ "میرے دل میں خواہشات ہیں میں انہیں حاصل کرنیکا متمنی بھی ہوں۔ لیکن

ایک عورت کی مدد سے حاصل کرنا نہیں چاہتا۔

اس فقرے نے ڈی فلیبری کی آتشِ غضب کو بھڑکا دیا۔ اُسے معلوم ہو گیا کہ یہ ایک غیر معمولی انسان ہے۔ اُسے دل میں کامیابی کی اُمید تھی لیکن اس نوجوان کی انوکھی باتوں نے اس کے نازک دل پر کاری ضرب لگائی وہ سب مردوں کو کھلونا سمجھتی تھی۔ اُسے یہ گھمنڈ تھا کہ وہ چاہے تو شہنشاہ کو بھی اپنے تبسم دلکش سے رام کر لے لیکن وہ اس نوجوان گنوار کو رام کرنے میں ناکام رہی۔

اُسکی آنکھیں جوش سے چمک اٹھیں۔ وہ اس شخص سے شادی کرنے کے لئے تیار تھی جو اس سے دُور بھاگ رہا تھا۔ اُس نے کہا "میں اور تم دونوں بڑے سے بڑا مرتبہ حاصل کر سکتے ہیں"۔

"میں اکیلا بھی کر سکتا ہوں"۔

"ناممکن! تم دربار میں اکیلے ہرگز رسائی پیدا نہیں کر سکتے۔ تم ہرگز کوئی بات حاصل نہیں کر سکتے"۔

وہ غصے سے کھڑی ہو گئی، اُسکے رخسار سرخ ہو گئے وہ اسکی محبت میں گرفتار تھی لیکن اس وقت نا اُمید ہو رہی تھی۔ وہ حیران تھی کہ اسکی ہمت کو کس طرح توڑ دے۔ وہ اسکی گہری آنکھوں کو ٹکٹکی لگائے دیکھ رہی تھی۔ وہ اس سے پہلے کسی کی محبت میں گرفتار نہ ہوئی تھی۔ اسکا دل پاش پاش ہو رہا تھا آخر اُس نے کہا "بہتر ہے کہ اب تم چلے جاؤ"۔

اُس نے پوچھا "میری تلوار؟"

وہ دوسرے کمرے میں گئی اور تلوار اُٹھا لائی۔ اس نے نظر بچا کر ایک انچ باہر نکالی۔ اور اُسکے فولاد کو چوما، جو اپنے مالک کیطرح خوبصورت اور سرد تھا۔ پھر اسکے پاس لیجا کر کہنے لگی "یہ بہت بھاری ہے"۔

یہ کہتے وقت اسکی آواز بڑی پیاری معلوم ہوتی تھی۔ وہ فوراً مہربان اور حلیم الطبع ہو گئی۔ اُسکے گال شرم سے سرخ ہو گئے۔ ڈی سیورن نے تلوار بائیں ہاتھ میں پکڑ لی اور دائیں ہاتھ سے ڈی فلیبری کا ہاتھ پکڑ کر چوم لیا یہ اس نے بڑی عزت سے کیا۔ اور وہ نادم ہو گئی۔ وہ مکان سے باہر نکل گیا۔ اُس نے دل میں سوچا کہ ایک طاقتور عورت کو ناراض کرنا از حد خطرناک ہے لیکن وہ ہراساں نہ ہوا کیونکہ وہ بیخوف۔ بات کا پورا۔ اور ارادہ کا پکا تھا۔

ڈی فلیوری یہاں سے نکل کر سیدھی ڈی مارسک کے پاس پہنچی۔ اور کہنے لگی "ڈی سیورن کے منصب میں ترقی کرو"۔ سو میں سے ایک عورت بھی ایسی دلیری نہیں کر سکتی لیکن ڈی فلیوری کے طریقے ہمیشہ انوکھے ہوتے تھے۔ اس نے ڈی مارسک سے کہا۔ "پیارے یہ میرا مشغلہ ہے۔ اگر تم میری مخالفت کرو گے تو میں اس سے شادی کر لونگی۔ اور اگر تم میری ناز برداری کرو گے۔ تو میں اپنے وہم سے اکتا جاؤنگی اور تم سے شادی کر لونگی"۔

یہ ایک عارضی وعدہ تھا لیکن ڈی مارسک کے لئے یہ بھی نعمتِ عظمٰے تھا۔ اس نے کہا "کیا وہ نوجوان بھی تم پر فریفتہ ہے یا نہیں؟"

"آہ نہیں یہ میں ہی ہوں جو اس پر پروانہ وار نثار ہوں اور تم سے التجا کرتی ہوں کہ اسکے منصب میں ترقی کر دیں اُسے معزز بنانا چاہتی ہوں اور خاص طور پر شہنشاہ کی خدمت میں رکھنا چاہتی ہوں"۔

وزیر نے اسکی بات پر یقین کر لیا لیکن حیران ہوا کہ ڈی فلیوری جیسی عورت ایک معمولی آدمی میں اتنی دلچسپی کیوں لیتی ہے۔ اُس نے ڈی سیورن کے عہدے میں ترقی کر دی اور اُسے خاص شہنشاہ کی خدمت پر مامور کر دیا۔

ڈی فلیوری بے صبری سے اُسکے تقرر کا انتظام کرتی رہی۔ وہ دل میں اس سے شادی کرنے اور ڈی مارسک کو شکست دینے کا عزم بالجزم کر چکی تھی۔ ڈی سیورن عہدے پر فائز بھی ہو گیا۔ لیکن اس نے ڈی فلیوری کیطرف مطلق توجہ نہ کی اور میدان جنگ کو جانے کی تیاریاں کرنے لگا۔

ڈی فلیوری نے وہ نظارہ بھی دیکھا جب وہ شہر کے بازاروں میں چند فوجی افسروں کے درمیان سیر کر رہا تھا۔ اور وہ عورتیں بھی اسکے گرد تھیں جنہیں اس سے محبت تھی۔ ڈی مارسک نے بھی اس نوجوان کی بے رُخی کو دیکھا۔ کہ یہ کس قسم کا انسان ہے۔

ڈی فلیوری نے اس دفعہ اپنے آدمیوں کو اسے پکڑ لانے کے لئے نہ بھیجا۔ اور اسوقت کا انتظار کرتی رہی کہ وہ خود اس سے ملنے آئے۔ وہ صرف اس سے چند باتیں کرنا چاہتی تھی لیکن وہ میڈم بوفلن کے ساتھ

رہ کر اسکی بدگمانی میں اضافہ کر رہا تھا۔ جو اُن دنوں دربار میں ایک مشہور حسینہ تھی۔

ایک دن سب درباری جن میں ڈی فلمیڈی اور ڈی سیورن بھی تھے۔ سیر کرتے کرتے ایک چشمہ پر پہنچے۔ جس میں خوبصورت کنول کھلے ہوئے تھے اور ننھی ننھی مچھلیاں تیر رہی تھیں۔ اس چشمہ پر شاہ بلوط کے درختوں کا سایہ تھا۔ وہ چشمہ کے قریب گھاس پر بیٹھ گئے۔ عورتوں نے خوبصورت لباس پہن رکھے تھے۔ اور وہ اپنے بندروں اور طوطوں سے کھیل رہی تھیں۔

ڈی سیورن جو گھاس پر میڈم بوفلن کے ساتھ ٹہل رہا تھا چھوٹے سے گروہ کے پاس پہنچا۔ ڈی فلمیڈی نے جو سب سے زیادہ نزدیک تھی۔ بے پروائی سے اپنا ہاتھ اسکے راستے میں بچھا دیا لیکن ڈی سیورن نے جان بوجھ کر اپنا پاؤں اسکی نازک ہتھیلی پر رکھ دیا۔ اور اُسے مسل کر آگے چل دیا۔

اس نے میڈم بوفلن کے قہقہے کی آواز سُنی اور اپنے غصہ اور درد کو ضبط کر کے رہ گئی۔ اُس نے اپنا ہاتھ بے پروائی سے رومال میں لپیٹ لیا اور حسب معمول اپنی سہیلیوں سے مذاق میں مشغول ہو گئی۔

اسی شام کو وہ ڈی مارسک کے پاس جا کر کہنے لگی۔ "اس آدمی کو موقوف کر دو جسے تم نے میرے لئے دربار میں جگہ دی تھی"

وزیر نے اسکی طرف بغور دیکھا۔ وہ غصے سے کانپ رہی تھی۔ ڈی مارسک بڑا خوش تھا اور اس سے انتقام لینا چاہتا تھا۔ بیچاری اپنے دستانے کے نیچے زخمی ہاتھ کو دبا رہی تھی اور لباس کے نیچے اپنے زخمی دل کو تسکین دے رہی تھی۔ ڈی مارسک نے کہا۔ "کیا تم اس غریب چھوکرے سے اتنی جلدی اُکتا گئی ہو"؟

اس نے چلا کر کہا۔ "ہاں اُکتا گئی ہوں بہت اُکتا گئی ہوں وہ جاہل گنوار اور بیوقوف ہے۔ میں آزمانا چاہتی تھی کہ وہ اپنے تئیں امیرانہ ٹھاٹھ باٹھ میں کس طرح رکھتا ہے۔ افسوس وہ کچھ نہ نکلا۔ اسے موقوف کر دو۔

ڈی مارسک کہنے لگا۔ اب میں کیا کروں"؟

"اُسے تباہ کر دو"

"لیکن کیا تمہیں بدنامی کا ڈر نہیں؟ ایک آدمی کو عزت دے کر اتنا ذلیل کرتی ہو؟"

"مجھے یقین ہے کہ تم کسی ایسی تدبیر سے کام لے سکتے ہو جس میں بدنامی کا خوف نہ ہو۔"

"اب وہ بادشاہ کا منظورِ نظر ہے اور میرا خیال ہے کہ میڈم بوفلن بھی اُسے چاہتی ہے اور تمہیں معلوم ہے کہ وہ دونوں کتنے کار آمد ہیں؟"

میڈم بوفلن کا نام سن کر وہ غصّے سے کانپنے لگی۔ اس کا زخمی ہاتھ دکھ رہا تھا اور اسے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس میں کوئی چاقو مار رہا ہے۔ اُس نے کہا، "اگر تم میری قدر کرتے ہو، تو اُسے تباہ کر دو۔"

ڈی مارسک نے جواب دیا "میں قدر کرتا ہوں میں تو تمہارے حکم کا بندہ ہوں۔ اچھا بتاؤ اس سے کیا سلوک کروں؟"

وہ یہ بالکل نہ جانتی تھی کہ اُسے کس طریقہ سے شکست دی جائے۔ ایسی زبردست شکست جو اس نے پہلے کبھی نہ کھائی ہو۔ ڈی مارسک کہنے لگا۔ آج کل ملک میں ایک خطرناک بغاوت پھیل رہی ہے۔ ایک دو دن میں باغی اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ جائیں گے۔ اغلب ہے کہ تمہارا دوست بھی ان میں شامل ہو۔"

"کیا وہ نہیں؟"

"نہیں لیکن اگر میں اس کا نام فہرست میں لکھ دوں تو وہ بھی باغیوں کی صف میں شامل ہو جائیگا۔"

ڈی ٹلیوری کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ کیا یہ ڈی ہیورن کی تباہی تھی؟ وہ کہنے لگی "میں خون کی پیاسی نہیں ہوں میں قتل نہیں چاہتی۔"

"لیکن میں نے ابھی کوئی سزا تجویز نہیں کی۔"

"تو کیا انہیں قید کر دوگے؟"

"نہیں۔"

"تو پھر تم نے ان باغیوں کے لئے کیا سزا مقرر کی ہے؟"

ڈی مارسک کہنے لگا "شاید انہیں مکمل طور پر ان کے منصبوں سے موقوف کر کے ان کی جائداد ضبط کر لی جائے گی۔"

ڈی فلیوری کے سامنے ڈی سیورن کی تصویر آ گئی۔ یہ مغرور آدمی تباہ ہو جائیگا اور اپنی جاگیر سے برطرف کر کے جلاوطن کر دیا جائیگا۔ وہ سپاہ، دربار اور شاہانہ لباس چھوڑ کر پھر ذلیل زندگی بسر کریگا تو میں ایک غریبانہ لباس میں اُسکے دروازے پر جا کر کہونگی "میں نے تمہارے لیئے سب کچھ چھوڑ دیا کیا اب بھی تمہیں مجھ سے محبت ہے یا نہیں؟"

ایسی بات سوائے الف لیلہ کے قصوں کے اور کہیں وقوع پذیر نہیں ہو سکتی۔ وہ شاید ڈی مارسک کی تجویز پر اس سے لپٹ جاتی لیکن اس نے ایسا نہ کیا۔ اُس نے کہا "ہاں تو تم انہیں سزا کب دو گے؟"

وزیر نے جواب دیا "چند دنوں کے اندر۔"

"کیا بادشاہ اس بغاوت سے آگاہ ہے؟"

"ہاں"

وہ مطمئن ہو کر چلی گئی۔ اس کا انتقام بڑا خطرناک تھا۔

۴

انتظار کے لمحے جُوں جُوں گذرتے گئے۔ اسکی تکلیف میں اضافہ ہوتا گیا۔ جب اسکے ہاتھ کا درد ساری ساری رات اُسے جگائے رکھتا۔ تو وہ اپنے انکار اور اسکی اطاعت کا خیال کر کے اپنے دل ناتواں کو تسکین دیتی۔

وہ اپنے کیئے پر پشیمان تھی۔ ڈی سیورن کو شہنشاہ کے حضور میں بڑی کامیابی حاصل تھی۔ وہ اس کا منظور نظر تھا۔ وہ جب اُسے میڈم بوفلن کے ساتھ دیکھتی تو اُسکے سینے میں انتقام کے شعلے بھڑک اُٹھتے۔ لیکن پھر محبت کے سامنے عاجز ہو جاتی۔ اس رات جب ڈی سیورن کو گرفتار ہونا تھا وہ اپنی سہیلیوں کے ہاں نہ گئی اور سر درد کا بہانہ کر کے لیٹ رہی۔

ڈی مارسک کے حملے سے چند گھنٹے پیشتر برافروختہ عورت اپنے کمرے میں دیوانہ وار ٹہلنے لگی۔ وہ اب

ڈی مارساک کے مجہول منصوبہ کو بنظر حقارت دیکھ رہی تھی۔ اور ڈی ہیبورن کے بچانے پر کمربستہ تھی۔ اس نے یہ شکار خود اسکے حوالے کیا تھا لیکن اب اسی کے آزاد کرانے پر مائل تھی۔ اس قربانی پر بھی کہ وہ میڈیم بوفلن کے ساتھ ہی کیوں نہ رہے۔

اُس نے فوراً اُس پر عملدرآمد کیا۔ اور اپنے ایک خادم کے ذریعے اسکی طرف رقعہ بھیجا جس میں وہ راز بتا دیا جو تھوڑی دیر میں وقوع پذیر ہونے والا تھا۔ اور اُسے نصیحت کی کہ یہ بہتر ہو گا کہ وہ جان بچا کر بھاگ جائے اور کہیں ایسی جگہ پناہ لے۔ جہاں دشمن کا ہاتھ نہ پہنچ سکتا ہو۔

یہ کام کر کے اس نے اپنے دل میں ایک قسم کی راحت محسوس کی۔ اور بستر پر سونے کیلئے لیٹ گئی۔

اب اس افسانے کا ایک عجیب منظر آتا ہے۔ ڈی فلیوری اپنی ریشمی مسہری میں بستر پر محو استراحت تھی۔ اور ڈی ہیبورن کو خواب میں دیکھ رہی تھی۔ کہ کسی نے دروازے پر زور سے دستک دی جس نے بجلی کے دھمکے کی مانند اسکی نیند کو اچاٹ کر دیا۔ وہ اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ اور انگڑائی لیکر کہنے لگی۔ "یہ کیا ہے؟"

کمرے میں ایک بلوری لیمپ روشن تھا۔ دروازہ کھُلا اور خادمہ اندر داخل ہو کر کہنے لگی۔ "کمرے کے دروازے پر کوئی دستک دے رہا ہے"۔

ڈی فلیوری نے خوشی سے تالی بجائی معاً اُسے ڈی ہیبورن کا خیال آیا۔ شاید وہ خط کے لئے اس کا شکریہ ادا کرنے یا پناہ لینے آیا ہے۔ اُس نے زخمی ہاتھ کا بوسہ لیکر کہا۔ "یہ ڈی ہیبورن ہے۔ اُسے جلدی اندر لاؤ۔"

وہ جوشِ مسرت سے بستر سے کود کر قد آدم آئینہ کی طرف بڑھی۔ وہ آج جواہرات سمیت سو گئی تھی۔ جو اسکے شب خوابی کے لباس پر بھلے معلوم ہوتے تھے۔ اسکے بال جو قدرتی گھنگریالے تھے لمبے لمبے حلقوں میں اسکے سفید اور نازک کندھوں پر بکھرے پڑے تھے۔ اس کا رنگ فرطِ محبت سے سرخ تھا۔ اس نے اپنا ریشمی سلیپر پہنا اور سونے کے کمرے کے دروازے میں عزہ و ادا کی تصویر بن کر کھڑی ہو گئی۔

اسوقت کسی نے پھر دستک دی اور خادمہ نے کہا۔ "کون ہے؟"

"میں ہوں —— ڈی سیورن۔ مجھے تمہاری بیگم صاحبہ سے بہت ضروری کام ہے"۔

ڈی فلیوری دروازے پر کھڑی بے چینی سے انتظار کر رہی تھی۔ خادمہ نے دروازہ کھول دیا۔ ڈی سیورن داخل ہوا لیکن اسکے ساتھ سپاہیوں کا ایک دستہ تھا۔ خادمہ چیخ کر ایک کرسی کے پیچھے چھپ گئی۔

دو سپاہی دروازے میں کھڑے ہو گئے اور ایک کھڑکی کی حفاظت کرنے لگا۔ ڈی فلیوری نے سخت لہجہ میں کہا "کیا مذاق کر رہے ہو؟"

ڈی سیورن نے مسکرا کر جواب دیا "میڈم آپ زیرِ حراست ہیں۔ آپ کے مکان کی تلاشی لی جائیگی اور آپ کو خانقاہ میں مقید رکھا جائیگا۔ ابھی ابھی ایک زبردست بغاوت کا انکشاف ہوا ہے جس کی فہرست میں آپ کا نام نامی بھی شامل ہے۔ اور جہاں پناہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں آپ کو گرفتار کر لوں"۔

خیر یہ تو ایسا ہی ہونا تھا۔ ڈی فلیوری پر اس اطلاع کا کچھ اثر نہ ہوا۔ وہ اس آدمی کو زندہ پا کر از حد خوش ہوئی جس سے اسے محبت تھی۔ اس نے زور سے کہا۔

"شاباش"۔

سیورن نے غمگین لہجہ میں کہا "میں آپکے کمروں کی باغیانہ کاغذات کیلئے تلاشی لینا چاہتا ہوں"۔

اُس نے کہا۔ "بصد شوق"۔

وہ ان دُور اندیش عورتوں میں سے تھی جو اپنے عاشقانہ خطوط سنبھال کر نہیں رکھتیں اور اسی لئے وہ اس تلاشی سے بیزار نہ تھی۔ اس نے سپاہیوں کو تلاشی لینے کی اجازت دے دی۔ وہ تلاشی لیتے رہے لیکن جب انہوں نے سونے کے کمرے میں جانا چاہا تو اس نے اعتراض کیا۔ "موسیو! بس یہ کافی ہے۔ میں ڈی مارسک سے شکایت کروں گی"۔

وہ مسکرایا اور کہنے لگا "افسوس میڈم ڈی مارسک کا نام بھی باغیوں میں شامل ہے، اور وہ اسوقت قید میں ہے"۔

اس نے دل بہلانے کی کوشش کی۔ وہ ڈی مارسک پر ہزار لعنت بھیج رہی تھی۔ وہ ایک کرسی پر

بیٹھ گئی۔ اور سپاہی اسکے صندوق اور لباسوں کی تلاشی لینے لگے اگر لیمپ کی روشنی ذرا تیز ہوتی۔ تو یہ ظاہر ہوتا کہ وہ زرد ہو رہی ہے اور بڑھتے ہوئے خوف میں وہ اپنے تئیں بھول گئی اور آگے سے زیادہ خوبصورت نظر آنے لگی۔ وہ عجب کشمکش میں تھی۔ اور کھڑکی میں سیاہ آسمان کو دیکھ رہی تھی۔

ڈی سیورن دل سے اس تلاشی کا متمنی نہ تھا۔ کیونکہ وہ اچھی طرح جانتا تھا۔ کہ میں نے ہی اس بدبخت عورت اور ڈی مارسک کا نام باغیانہ فہرست میں لکھا ہے۔

یکایک ڈی فلیوری اپنی پریشانی سے چونکی اور اپنی میز کو اس سارجنٹ سے بچانے بھاگی جو تلاشی لے رہا تھا۔ وہ کہنے لگی "موسیو تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں بغاوت میں شریک نہیں ہوں"۔

اس حرکت نے ڈی سیورن کو میز کا گرویدہ بنا دیا۔ اس نے اسکی خود تلاشی لی اور جلد ہی عورت کی بیقراری کی وجہ معلوم ہو گئی۔ یہ اس کا روزنامچہ تھا۔ ڈی سیورن نے وہ کتاب پکڑ لی جسکی جلد مخمل کی تھی اور جو موتیوں سے مرصع تھی اس نے غصے سے کہا "غدار! درندہ! چور! دھوکا باز!"

ڈی سیورن نے اسکے ان الفاظ پر توجہ نہ کی۔ بلکہ روزنامچہ کے اوراق اُلٹنے شروع کئے کہ آیا اسمیں کوئی خط ہے یا نہیں لیکن اس میں کوئی نہ تھا۔ ڈی فلیوری نے اُسے چھیننے کی بہت جدوجہد کی لیکن نوجوان نے اس نازک کتاب کو مضبوطی سے پکڑ کر سر سے بلند کر لیا۔ یہ دیکھ کر ایک سپاہی مسکرانے لگا جسے دیکھ کر وہ اپنی اس بیباک کارروائی سے باز آ گئی۔ اور کہنے لگی "موسیو! میں یہ معاملہ تمہارے ضمیر پر چھوڑتی ہوں۔ اور التجا کرتی ہوں۔ کہ اسے نہ پڑھو۔ موسیو! اسلئے نہیں کہ اسمیں باغیانہ خبریں ہیں۔ بلکہ اسلئے کہ اس میں خالص نسوانی راز ہیں"۔

اُس نے کہا۔ "یہی میں جو میں دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ اور عجیب بات ہے کہ ایک عورت اپنے خطوط تو پھاڑ دیتی ہے لیکن ایک روزنامچہ رکھتی ہے"۔

ڈی فلیوری غصے سے کہنے لگی "موسیو عاشقانہ خطوط معمولی اور بے قدر چیز ہیں لیکن ایک روزنامچہ

پھول کی مانند ہے، ایک نازک اور ملائم پھول کی مانند۔"

اُس نے ہنسکر کہا۔ "اور میں قسمیہ کہہ سکتا ہوں کہ یہ محبت و اُلفت کی باتوں سے لبریز ہے۔"

اُس نے لہجہ کی التجا کرتے ہوئے کہا۔ "میں تمہیں عزت کی قسم دیکر کہتی ہوں کہ میرے رازوں کو طشت از بام کرو"

لیکن ڈی سیبورن نے روزنامچہ کو قمیص کی جیب میں رکھکر اپنے زرد وزی کوٹ کے بٹن لگا دیئے ڈی فلیوری نے دل میں خیال کیا کہ شاید اب اس ظالمانہ کارروائی کا خاتمہ ہے لیکن یہ بعید از قیاس تھا۔ ڈی سیبورن نے سختی سے اُسے لباس پہننے کو کہا۔ کیونکہ نیچے گاڑی کھڑی تھی۔ اور اُسے آج رات خانقاہ میں رہنا تھا۔ عورت نے کانپتے ہوئے کہا۔ "آہ میرے اللہ! تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟"

اس کا کوئی جواب نہ تھا۔ وہ سپاہیوں سمیت کمرے سے باہر نکل گیا۔ چند لمحہ بعد وہ نیچے اُتری۔ دو سپاہی آگے اور دو پیچھے تھے۔ اُسے گاڑی میں بٹھا کر پردے چھوڑ دیئے گئے۔ جو بازاروں میں کھڑکھڑاتی ہوئی کلیر کی خاموش خانقاہ میں پہنچی۔ وہ اس خانقاہ کو اچھی طرح جانتی تھی۔ کہ یہ ان عورتوں کے لئے ہے جو شہنشاہ کی ناخوشی کا باعث ہوں۔

منتظمہ اُس سے ہمدردی سے پیش آئی۔ ڈی فلیوری نے ڈی سیبورن سے کہا "تمہارا مذاق بڑا فضول ہے"

اُس نے جواب دیا۔ "میرا خیال ہے کہ مثال آپ ہی نے پیش کی تھی۔"

اُس نے کانپتے ہوئے ہونٹوں سے کہا "لیکن میرے مذاق کا انجام اتنا شدید نہ تھا۔"

ڈی سیبورن نے اُسے سلام کیا۔ اور خانقاہ سے باہر نکل گیا۔

اُسکی جائداد ضبط ہو گئی تھی۔ اس کا رتبہ چھین لیا گیا تھا۔ اور وہ ساری عمر کے لئے تارک الدنیا بنا کر اس خانقاہ میں رکھی گئی تھی۔

اس سال کے محاصرہ میں شہنشاہ کو فتح حاصل ہوئی۔ ڈی سیبورن جس نے اس جنگ میں نمایاں

حصہ لیا تھا۔ سپاہ اور دربار میں ہر دلعزیز بن گیا۔ موسم گرما میں وہ واپس آیا، کون؟ شہنشاہ کا منظور نظر شاندار جرنیل بادشاہ کا دوست اور ناصح۔

ڈی فلیوری نے اسکی آمد کی خبر اسوقت سُنی جب وہ خانقاہ کے باغ میں گلاب کے بوٹوں کے درمیان بیٹھی تھی۔ اُس نے ایک آہ سرد بھری اور سامنے خانقاہ کیطرف نگاہ کی۔ چند گھنٹوں کے بعد فاتح جرنیل خانقاہ میں آیا۔ اور اس کا ہاتھ چوم کر کہنے لگا۔ "ان فتوحات میں میرا ایک ساتھی تھا۔ اور وہ تمہارا روزنامچہ تھا۔"

ان الفاظ کو سُن کر اس نے اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ ڈی سیورن نے کہا۔ اس سے پہلے کہ میں میدانِ جنگ کو واپس جاؤں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم سے شادی کر لوں۔ کیا تمہیں منظور ہے"؟

اُس نے افسردگی سے جواب دیا "لیکن یہ بعد از وقت ہے۔ میں مدت سے جانتی تھی۔ کہ تمہیں مجھ سے محبت ہے۔ لیکن تم جان بوجھ کر انکار کرتے رہے۔"

"میں اپنے الفاظ پر قائم رہنا چاہتا تھا۔ کہ میں ایک عورت کی مدد کے بغیر بھی کامیابی حاصل کر سکتا ہوں"

ڈی فلیوری نے بڑے ناز سے اور مسکرا کر کہا۔ "واہ رے! لیکن کیا تم نے میرے مکان کی تلاشی باغیانہ کاغذات کیلئے لی تھی"؟

"نہیں، بلکہ یہ ثبوت بہم پہنچانے کیلئے کہ واقعی تمہیں مجھ سے محبت ہے یا نہیں —— اور میں نے تمہارے روزنامچہ میں سب کچھ پڑھ لیا۔"

وہ کامیاب تھی اسکی دلی مراد آج بر آئی تھی۔ اسکی آنکھوں میں خوشی کے آنسو بھر گئے۔ اور اس نے اپنے تئیں ڈی سیورن کے سینے سے لگا دیا۔

چاندی کی کان

سویڈن کا بادشاہ گستاف سوئم ڈیلیکاریا کے علاقے میں سفر کر رہا تھا گھوڑے سرپٹ جا رہے تھے۔ اور راستہ بجلی کی سرعت کے ساتھ طے ہو رہا تھا۔ سڑک پتھریلی ہونے کی وجہ سے گاڑیوں کے پہیوں سے ایک عجیب آواز پیدا ہو رہی تھی۔ مگر اس پر بھی اسکی خواہش تھی۔ کہ سفر اور تیزی سے کیا جائے۔ اس لئے اس نے کھڑکی سے سر نکال کر گاڑیبان سے کہا "جلدی چلو۔ سڑک پر انڈے تو نہیں بچھے۔ کہ ٹوٹ جائیں گے ..... ذرا اور تیزی سے ہانکو۔"

گاڑیبان دیہات کی ناہموار سڑکوں پر اُڑی چلی جا رہی تھیں۔ اور یہ حسنِ اتفاق ہی تھا۔ کہ گاڑیبان اور گھوڑے اب تک صحیح سلامت تھے۔ آخر ایک ڈھلوان پہاڑی کے دامن میں شاہی گاڑی کا دُھرا ٹوٹ گیا۔ بادشاہ گاڑی سے اُتر کر سڑک کے کنارے ایک بڑے سے ہموار پتھر پر بیٹھ گیا۔ مصاحبوں نے گاڑیبان کو کوسنا شروع کر دیا۔ مگر اس سے کیا حاصل تھا۔ یہ ظاہر تھا۔ کہ جب تک گاڑی کی مرمت نہ

ہو لے سفر جاری رکھنے کا کوئی امکان نہیں۔

مصاحبوں نے ادھر اُدھر کسی ایسی چیز کی تلاش شروع کی جس سے گاڑی کے درست ہونے تک بادشاہ کا دل بہل سکے۔ کچھ فاصلے پر درختوں کے پیچھے انہیں ایک گرجا کا مخروطی مینار نظر آیا۔ انہوں نے بادشاہ کو صلاح دی۔ کہ آپ کسی گاڑی میں بیٹھ کر گرجا کی طرف چلیں۔ اور چونکہ اتوار کا دن ہے۔ اسلئے وعظ میں شامل ہو کر یہ خالی وقت گزاریں۔

بادشاہ نے اس تجویز کو پسند کیا۔ اور گرجا کی طرف چل پڑا۔ وہ کئی گھنٹوں سے گھنے تاریک جنگلوں میں سفر کر رہا تھا۔ اسے افسوس تھا کہ میرے ملک کا کس قدر حصہ غیر آباد پڑا ہے۔ مگر یہ علاقہ خوب سرسبز و شاداب تھا اس میں دلفریب مرغزاروں اور خوبصورت بستیوں کے علاوہ ڈال ندی جھاڑیوں کی گھنی قطاروں میں سے آہستہ آہستہ گنگناتی ہوئی بہتی تھی۔

لیکن وعظ کے بابرکت مجمع میں شامل ہونا بادشاہ کی قسمت میں نہ تھا۔ کیونکہ جب وہ گرجا کے سامنے پہنچا۔ تو گھنٹہ بجانے والے نے وعظ کے ختم ہونے کا اعلان کر دیا۔ اور لوگ باہر نکلنے شروع ہو گئے۔ بادشاہ ایک پاؤں گاڑی میں اور دوسرا پائدان پر رکھے کھڑا تھا۔ لوگ اسکے پاس سے گزرنے لگے۔ وہ اپنی جگہ سے بالکل نہ ہلا۔ اور انہیں غور سے دیکھتا رہا۔ وہاں کے باشندے جوان اور خوبصورت تھے۔ ان کے قد غیر معمولی لمبے اور چہرے مسرور تھے۔ عورتیں بھی حسین اور دراز قامت تھیں۔

سارا دن بادشاہ اپنی سلطنت کے بنجر اور غیر آباد علاقوں کی کثرت پر افسوس کرتا رہا تھا۔ وہ بار بار مصاحبوں سے کہتا "مجھے یقین ہے۔ کہ اسوقت میں اپنی سلطنت کے مفلس ترین حصہ میں سفر کر رہا ہوں لیکن اب جو اس نے ان لوگوں کو دیکھا۔ جو دیہاتی لباس پہنے ہوئے تھے۔ تو اس کے دل سے غربت کا سوال نکل گیا اور وہ از سر نو مسرت سے لبریز ہو گیا۔ اس نے اپنے دل میں کہا۔ سویڈن اتنا غریب ملک نہیں جتنا اسکے دشمن خیال کرتے ہیں"۔

اس نے مصاحبوں کو حکم دیا۔ کہ تم ان لوگوں پر ظاہر کر دو۔ کہ یہ اجنبی جو تمہارے درمیان کھڑا ہے۔ تمہارا بادشاہ ہے۔ تمہیں جو کچھ کہنا ہو۔ اس سے کہہ سن لو"

لوگ بادشاہ کا نام سُن کر اسکے گرد جمع ہو گئے۔ بادشاہ نے گرجا کی سیڑھیوں پر کھڑے ہو کر ایک نہایت مؤثر تقریر کی جس میں بتایا کہ سویڈن کو اہلِ ہالینڈ اور روسی ڈرا دھمکا رہے ہیں۔ اور صورت حالات کو فوج کے بعض افسروں کی غداری نے اور بھی خطرناک بنا رکھا ہے۔ چنانچہ وہ خود دُور دراز کی مسافت طے کر کے اپنے ملک کے باشندوں سے یہ دریافت کرنے آیا ہے۔ کہ وہ مصیبت اور جنگ کے زمانے میں اپنے بادشاہ کی کیا مدد کرینگے۔

کسان بادشاہ کی باتوں کو نہایت سکون کے ساتھ سُنتے رہے۔ جب اس نے تقریر ختم کی۔ تو وہ ٹس سے مس نہ ہوئے۔

بادشاہ کا خیال تھا۔ کہ اس کی تقریر نہایت پُر اثر ہے۔ کیونکہ بولتے وقت کئی مرتبہ اسکی آنکھوں میں آنسو بھر بھر آئے تھے لیکن جب کسان دیر تک کسی فیصلہ پر نہ پہنچ سکے۔ تو بادشاہ کا دل غم و غصّے سے بھر گیا۔

کسان یہ بات تاڑ گئے۔ اور آخر ایک شخص ہجوم میں سے باہر نکلا اور بادشاہ کے سامنے آ کر کہنے لگا۔

"شہنشاہ آپ کو معلوم ہے ہمیں آج گرجا میں شاہی سواری کی آمد کی توقع نہ تھی۔ اس لئے ہم فوراً جواب دینے سے قاصر ہیں۔ ہماری گذارش ہے کہ آپ گرجا میں جائیں اور ہمارے پادری سے ملیں اسی اثنا میں ہم اس معاملے پر آپس میں مشورہ کرتے ہیں"

بادشاہ نے اپنے دل میں اس بات کی معقولیت کا اعتراف کرتے ہوئے سوچا۔ کہ واقعی کسانوں کو سوچنے کا موقع دینا چاہئے اور خود پادری کی ملاقات کے لئے گرجا کی طرف چل پڑا جب وُہ گرجا کے اندر داخل ہُوا۔ تو اُسے سوائے ایک آدمی کے جو ایک معمولی کسان معلوم ہوتا تھا۔ اور کوئی نظر نہیں آیا۔ یہ شخص بلند

قامت اور مضبوط جسم کا تھا۔ اسکے ہاتھ بڑے بڑے تھے جنہیں محنت و مشقت نے سخت بنا دیا تھا۔ اس نے عام لوگوں کی مانند صرف ایک چمڑے کا پاجامہ اور لمبا کوٹ پہن رکھا تھا۔

جب بادشاہ داخل ہوا۔ تو اُس نے نہایت ادب سے جھک کر سلام کیا۔ بادشاہ نے کہا "میرا خیال ہے۔ کہ پادری صاحب مجھے یہیں ملیں گے"۔

کسان کے چہرے پر سُرخی کی ایک ہلکی لہر دوڑ گئی۔ اس نے سوچا کہ بادشاہ نے غلطی سے مجھے ایک معمولی انسان سمجھ لیا ہے۔ مناسب نہیں کہ میں اس پر اپنی شخصیت ظاہر کر دوں۔ چنانچہ اس نے جواب دیا۔ "ہاں آپ جب چاہیں پادری سے مل سکتے ہیں"۔

بادشاہ ایک آرام کرسی پر جو اسکے پاس ہی پڑی تھی بیٹھ گیا۔ وہ کسانوں کی فلاح و بہبود میں بہت دلچسپی لیتا تھا۔ اسلئے اس نے تھوڑی دیر کے بعد پوچھا "اس گرجا کا پادری کوئی اچھا آدمی ہے"؟

اس نے جواب دیا "پادری بُرا نہیں ہے عمدہ تعلیم دیتا ہے اور جو کچھ کہتا ہے۔ اس پر خود بھی عمل کرنے کی کوشش کرتا ہے"۔

بادشاہ بظاہر اس کی تعریف سے خوش ہوا مگر ساتھ ہی کہنے لگا "تمہاری گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ تم پورے طور پر پادری سے خوش نہیں ہو"۔

پادری نے کہا۔ ہاں۔ وہ ذرا خود مختار سا ہے اور چاہتا ہے۔ کہ گاؤں میں اس کے مشورے کے بغیر کوئی کام نہ ہو"۔

بادشاہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ کسان اس شخص کے خلاف کوئی شکایت کا کلمہ اپنی زبان سے نکالے جو مرتبہ میں اس سے اعلےٰ ہے۔ اس لئے اس نے گفتگو کا پہلو بدلتے ہوئے کہا "مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نیک عادات اور سادگی یہاں کے لوگوں کے عام اوصاف ہیں"۔

پادری نے کہا "یہاں کے لوگ اچھے ہیں لیکن اس وقت تک کہ مفلس اور تنگ دست رہیں جب حرص

دھوا ہیں پڑ جائیں۔ تو پھر ان کا خدا ہی حافظ ہے"۔

بادشاہ نے سر ہلا کر کہا "لیکن یہاں تو اس بات کا کوئی خطرہ نہیں"۔

کچھ دیر خاموشی رہی۔ اسکے بعد پادری نے بادشاہ سے پوچھا "کیا واقعی دشمن حملہ آور ہوئے ہیں"؟

اسکے جواب میں بادشاہ نے ایک نگاہ اس پر ڈالی۔ اور چپکا ہو رہا۔

پادری نے پھر کہا "میں یہ صرف اسلئے پوچھتا ہوں۔ کہ میں یہاں گرجا میں کھڑا تھا۔ اور آپ کی تقریر اچھی طرح نہ سن سکتا تھا۔ لیکن اگر یہ بات درست ہے۔ تو میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ اس جگہ کا پادری آپ کے لئے اس قدر دولت مہیا کر سکتا ہے۔ جو شاید آپ کی تمام ضروریات کیلئے کافی ہوگی"۔

"مگر تم نے ابھی ابھی کہا تھا۔ کہ یہاں کے لوگ غریب ہیں"۔

پادری نے کہا "ہاں یہ بالکل درست ہے اور پادری کے پاس بھی دوسروں سے کچھ زیادہ نہیں ہے لیکن اگر آپ لحہ بھر کے لئے میری طرف متوجہ ہوں۔ تو میں آپ کو بتا سکتا ہوں کہ پادری آپ کی کیا مدد کر سکتا ہے"۔

بادشاہ نے کہا۔ "اچھا کہو"۔

"ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ کہ اس علاقے کے پانچ آدمی ہرن کے شکار کے لئے نکلے۔ ان میں ایک ہمارا پادری تھا۔ اور باقی چار میں سے دو سپاہی اولف اور ارگ نامی تھے۔ چوتھا اس علاقے کی سرائے کا مالک اور پانچواں اسرائیل ایک کسان تھا ـــــــ"

بادشاہ نے ذرا تندی سے کہا۔ "اتنے نام لینے کی تکلیف نہ کرو"

"یہ پانچوں بہت اچھے شکاری تھے۔ مگر اس دن وہ دیر تک شکار کی تلاش میں پھرتے رہے اور آخر کار ناکامی کی کوفت اور تھکن سے چور ہو کر انہوں نے شکار کا ارادہ ترک کر دیا۔ اور زمین پر بیٹھ کر سستانے لگے وہ کہہ رہے تھے کہ تمام جنگل میں کوئی ایسی جگہ نہیں۔ جو کھیتی باڑی کے کام آسکے۔ کیونکہ یہ تمام علاقہ یا تو پہاڑی

ہے۔ یا دلدل سے بھرا پڑا ہے"۔

ان میں سے ایک نے کہا "خدا نے ہمیں ایسی بری زمین دیکر انصاف نہیں کیا"۔

دوسرے نے کہا۔ "دوسرے مقامات کے لوگ خوش ہیں۔ صاحب دولت و ثروت ہیں لیکن ہم ہیں کہ سارا دن محنت مزدوری کرتے ہیں اور پھر بھی نان شبینہ کے محتاج ہیں"۔

پادری لمحہ بھر کے لئے خاموش ہو گیا۔ اس کا خیال تھا کہ بادشاہ سو گیا ہے۔ لیکن بادشاہ نے انگلی ہلا کر ظاہر کر دیا کہ میں جاگ رہا ہوں۔

"وہ اس معاملے پر بحث کر رہے تھے۔ کہ پادری نے اپنی بندوق کے کندے سے ایک پتھر کے ساتھ جس پر کائی جمی تھی۔ کھیلنا شروع کر دیا۔ مگر اسکی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب اس نے دیکھا کہ بندوق کی ضربوں سے کائی کے جھڑ جانے پر پتھر چمکنے لگ گیا ہے۔ اس نے ایک اور پتھر کو اسی طرح ٹھونکا اور وہ بھی چمک اٹھا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو وہ پتھر دکھاتے ہوئے کہا۔ "دیکھو یہ سیسہ تو نہیں"؟

اس کے جواب میں وہ سب بول اٹھے "یہ ضرور سیسہ ہے اور سارا پہاڑ اس سے بھرا پڑا ہے"۔

مگر سرائے کے مالک نے کہا "اگر سیسہ نہیں تو جست ضرور ہے"۔

جب پادری یہاں تک پہنچا۔ تو بادشاہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ اور اس کی آنکھیں اچھی طرح کھل گئیں اس نے پوچھا "کیا وہ لوگ کچھ دھات کے متعلق کچھ جانتے تھے"؟

"بالکل نہیں"

بادشاہ کا سر پھر جھک گیا اور دونوں آنکھیں بند ہو گئیں۔

پادری اور اسکے ہمراہی بہت خوش ہوئے۔ ان کا خیال تھا کہ ہم نے ایسی چیز دریافت کر لی ہے۔ جو ہمیں اور ہماری اولاد کو فکر معاش سے آزاد کر دیگی۔ ایک نے کہا "اب زیادہ کام نہ کرنا پڑیگا"۔ دوسرا بولا۔ "اب میں سارا ہفتہ کچھ نہ کیا کرونگا۔ اور اتوار کو سونے کے رتھ میں بیٹھ کر گرجا جایا کرونگا"۔

"ہر چند وہ عقلمند انسان تھے۔ لیکن دولت کثیر کے ہاتھ آجانے سے ان کے سر پھر گئے۔ اور وہ بچوں کی سی باتیں کرنے لگے لیکن پھر بھی ان میں اتنی عقل ضرور تھی۔ کہ جاتی دفعہ انہوں نے وہ پتھر مٹی تلے چھپا دیئے اور اس مقام کو اچھی طرح شناخت کر کے اپنے اپنے گھروں کو چل دیئے۔ جدا ہونے سے پہلے یہ قرار پایا کہ پادری اس دھات کے چند نمونے لے کر شہر فالن میں جائے۔ اور کسی معدنیات کے ماہر سے دریافت کرے کہ دھات کس قسم کی ہے۔ اور جس قدر جلد ممکن ہو سکے۔ واپس آجائے۔ اسکے بعد انہوں نے قسم کھائی کہ یہ راز کسی پر افشا نہ کرینگے۔"

بادشاہ نے پھر سر اٹھا کر پادری کی طرف دیکھا۔ مگر زبان سے ایک لفظ تک نہ نکلا۔ معلوم ہوتا تھا کہ اب اسے کچھ یقین ہونے لگا ہے۔ کہ یہ آدمی واقعی کوئی اہم بات کہنا چاہتا ہے۔

دوسرے ہی روز پادری دھات کے چند ٹکڑے جیب میں ڈال کر فالن کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ بھی دوسروں کی طرح امیر کبیر بننے کے خیال سے خوش تھا۔ وہ گرجا کو جس کی حالت اسوقت ایک غریب کسان کے جھونپڑے سے بہتر نہ تھی۔ از سر نو تعمیر کرانے کے خیال سے مسرور ہو رہا تھا کبھی وہ خیال کرتا تھا۔ کہ میں ٹبے پادری کی حسین بیٹی سے شادی کرونگا۔

پادری دو دن میں فالن پہنچ گیا۔ اسے دوران اور انتظار کرنا پڑا کیونکہ معدنیات کا ماہر کہیں باہر گیا ہوا تھا جب وہ واپس آیا تو پادری نے اسے پتھر کے وہ چمکدار ٹکڑے دکھلائے۔ ماہر نے ٹکڑوں کو خوردبین سے دیکھا۔ پادری نے اسے ان ٹکڑوں کے ملنے کا حال بتا کر پوچھا کہ "یہ سیسہ ہے"؟

"نہیں یہ سیسہ نہیں ہے۔"

"تو پھر جست ہوگا؟"

"نہیں یہ جست بھی نہیں۔"

یہ سن کر پادری کی تمام امیدوں پر پانی پھر گیا۔ وہ عمر بھر اتنا افسردہ نہ ہوا تھا

آخر ماہر نے اس سے پوچھا "کیا اس پہاڑ پر ایسے پتھر اور بھی ہیں؟"

"پہاڑ کا پہاڑ ہے"۔

ماہر پادری کے نزدیک آگیا۔ اور راز دارانہ انداز میں کہنے لگا۔ "اگر واقعی یہ درست ہے تو میں آپ کو مبارک باد دیتا ہوں کیونکہ یہ چاندی ہے۔ مگر آپ سے میری درخواست ہے کہ آپ اسے نفس پروری کے لئے نہیں۔ بلکہ ملک و قوم کے فائدے کے لئے صرف کریں"۔

ماہر نے اسے بتایا۔ کہ کس طرح اس پہاڑ کے لئے کان کنی کے حقوق حاصل کئے جائیں۔ علاوہ ازیں بہت سی مفید تجاویز بتائیں لیکن پادری نے جو بالکل عالم بیخودی میں کھڑا تھا۔ ایک نہ سُنی۔ وہ اسی خیال میں غرق تھا کہ اسکے بنجر علاقے میں چاندی کا ایک پہاڑ موجود ہے

بادشاہ نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ "اور جب پادری نے واپس آکر کان کنی شروع کی۔ تو اسے معلوم ہو گیا۔ کہ ماہر نے اسے دھوکا دیا تھا"۔

"نہیں ماہر ایک دیانتدار آدمی تھا جو کچھ اس نے کہا۔ حرف بہ حرف درست نکلا"۔

اس پر بادشاہ نے کہا۔ "اچھا آگے کیا ہوا؟" اور خود زیادہ توجہ سے سننے کے لئے کرسی پر سنبھل کر بیٹھ گیا۔

جب پادری گھر واپس پہنچا۔ تو اس نے خیال کیا کہ سب سے پہلے اپنے رفیقوں کو یہ مژدہ سنانا چاہیئے۔ ۔ وہ مرانے والے کے مکان کے دروازے میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا۔ کہ سب لوگ ماتمی لباس پہنے ہوئے ہیں۔ اس نے ایک لڑکے سے جو مکان کے کٹہرے کے ساتھ لگا کھڑا تھا پوچھا "کون فوت ہوا ہے؟" لڑکے نے جواب دیا "مرانے والا۔ اس نے پچھلے ہفتے ہر روز اس کثرت سے شراب پی کہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھا"۔

پادری نے حیرت سے پوچھا۔ "مگر اسکی وجہ۔ مرانے والا اسقدر شرابی تو نہ تھا"۔

لڑکے نے کہا۔ وہ کہتا تھا میں نے ایک کان دریافت کی ہے۔ اور میں بہت جلد امیر کبیر ہو گیا ہوں اور مجھے سوائے مے نوشی کے اور کوئی کام نہیں کل رات وہ سیبر کو گیا۔ گاڑی الٹ گئی۔ اور وہ مر گیا۔

پادری یہ خبر سن کر بہت غمگین ہوا اور آہستہ آہستہ اپنے گھر کی طرف چل دیا جب وہ قصبہ میں داخل ہوا تو کس قدر خوش تھا اور اپنے دوستوں کو یہ خوشخبری سنانے کے لئے کس قدر بیقرار تھا! وہ جیسے ہی قدم آگے بڑھا ہوگا۔ کہ اس نے اسرائیل کو آتے دیکھا۔ پادری نے دل ہی دل میں کہا شکر ہے کہ دولت کا خبط اسکے سر میں نہیں سمایا میں اسے یہ خبر سنا کر مسرور کر دونگا۔

اسرائیل پادری کو دیکھ کر لپکا اور سلام کر کے پوچھنے لگا۔ "کیا تم ابھی ابھی فالو سے آرہے ہو"؟

پادری نے کہا ہاں اور تمہارے لئے بہت بڑی خوشخبری لایا ہوں میرے سفر کا نتیجہ توقع سے بہت بڑھ چڑھ کر نکلا۔ معدنیات کے ماہر نے بتایا ہے۔ کہ جو دھات ہم نے دریافت کی ہے سچی چاندی ہے"!

یہ سنتے ہی ایسا معلوم ہوا کہ اسرائیل کو سکتہ سا ہو گیا۔ اس نے نہایت بیقراری سے پوچھا "تم کیا کہہ رہے ہو؟ کیا واقعی یہ چاندی ہے"؟

پادری نے جواب دیا۔ ہاں ہم سب امیر کبیر بن جائیں گے۔ اور شرفا کی سی زندگی بسر کرینگے

اسرائیل نے ایک سرد آہ بھر کر نہایت حسرت بھری آواز میں کہا "آہ یہ چاندی ہے اور اسکی [illegible]

پادری نے کہا ہاں ہاں۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ یہ چاندی ہے۔ تمہیں یہ خیال ہرگز نہ ہونا چاہیے کہ میں تمہیں دھوکا دے رہا ہوں۔ مگر یہ تم رو کیوں رہے ہو۔ تمہیں تو خوش ہونا چاہیے"

اسرائیل نے کہا "خوش میں کیوں خوش ہوں میرا خیال تھا۔ کہ یہ کوئی معمولی چمکدار چیز ہے۔ اسلئے میں نے اپنا [illegible] سو ڈالر میں بیچ ڈالا"

جب پادری اس سے جدا ہوا۔ تو وہ سڑک کے کنارے کھڑا رو رہا تھا۔

پادری نے گھر پہنچ کر [illegible] اور اسکے بھائی کو بلا بھیجا۔ چونکہ وہ ان سے [illegible] کی تعمیر کے متعلق مشورہ [illegible]

کرنا چاہتا تھا۔ اسلئے اس نے یہی مناسب خیال کیا۔ کہ انہیں اپنے پاس بلائے۔

شام کے وقت جب پادری اپنے مکان سے باہر تاریکی میں ایک ٹیلے پر تنہا کھڑا سوچ رہا تھا تو مسرت کا طوفان پھر اسے اپنی موجوں میں بہا لے گیا۔ وہ نئے گرجا کی تعمیر پر غور کرنے لگا اس کا ارادہ تھا کہ اُسے بڑے پادری کے گرجا کی مانند نہایت خوش اسلوبی سے آراستہ کیا جائے۔ وہ بہت دیر تک وہاں کھڑا تصور میں مزے لیتا رہا کہ کان سے بیش بہا دولت برآمد ہوگی۔ اسلئے بیرونجات سے بیشمار لوگ یہاں آکر آباد ہو جائیں گے اور اسطرح ایک دن کان کے گرد ایک بارونق شہر آباد ہو جائیگا۔ اور پھر وہ اپنے پرانے ٹوٹے جھونپڑے کی جگہ ایک عالیشان محل تعمیر کرائیگا جس میں اسکی دولت کا بہت سا حصہ صرف ہو جائیگا۔ وہ اس پر بھی مطمئن نہ تھا۔ بلکہ سوچ رہا تھا۔ کہ جب یہ گرجا تیار ہو جائیگا۔ تو بادشاہ اور لاٹ پادری کو اسکے افتتاح کے لئے بلائے گا۔۔۔"

عین اسوقت بادشاہ کا ایک مصاحب دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ اور کہنے لگا "عالیجاہ شاہی گاڑی تیار ہو گئی"
پہلے تو بادشاہ اُٹھنے کیلئے تیار ہوا لیکن کسی خیال کے آنے سے رُک گیا اور پادری سے کہنے لگا "اپنا قصہ جلد ختم کرو ظاہر ہے کہ پادری نے کیسے کیسے ہوائی قلعے تیار کئے ہونگے۔"

پادری نے کہا۔ "پادری ابھی انہیں خیالات میں محو تھا کہ پیغام آیا۔ اسرائیل نے خودکشی کر لی ہے۔ کان کے بیچ دینے سے جو صدمہ اسے پہنچا اس سے وہ جانبر نہ ہو سکا۔"

بادشاہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ بولا "اگر میں پادری ہوتا تو اس کان کا خیال ترک کر دیتا۔"

پادری نے کہا "بادشاہ بادشاہ ہے۔ اسکے پاس دولت کی فراوانی ہے۔ مگر ایک غریب پادری کا معاملہ اور ہے۔ اس نے یہ دیکھ کر کہ اس مہم میں خدا کی برکات اسکے شامل حال نہیں۔ ارادہ کر لیا کہ وہ اس دولت سے ذاتی نفع اور شہرت نہیں حاصل کریگا۔ لیکن اسکے ساتھ ہی اس نے یہ بھی [illegible] دولت کو زمین ہی میں مدفون نہیں رہنے دیگا۔ اس [illegible] غربا اور مساکین کی امداد کے لئے کان میں کام شروع کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ ایک دن وہ اس مطلب کے لئے دولت کی کان کی طرف گیا۔ جب وہ فوجیوں کی بارکوں کے پاس پہنچا تو اس نے دیکھا کہ چند مسلح کسان ایک نوجوان کو

جس کے ہاتھ پشت پر بندھے ہیں۔ پابہ زنجیر لیے آرہے ہیں۔ پادری نے پہچان لیا۔ کہ مجرم اولف ہے۔ وہ نہایت خضوع سے منت کہہ رہا تھا۔ "مجھے پادری سے چند باتیں کر لینے دو۔"

پادری اسکے قریب گیا۔ اولف نے آہستہ سے اس سے کہا۔ "اب صرف آپ ہی ایک شخص ہیں جنہیں کان کے راز کا علم ہے۔"

پادری نے حیرت زدہ ہوکر پوچھا۔ "تم کیا کہہ رہے ہو؟"

اس نے کہا "اس کان کی دریافت کے بعد میرے اور میرے بھائی کے تعلقات اچھے نہیں رہے تھے ہم متواتر جھگڑتے رہتے تھے۔ کل ہم میں یہ بحث تھی کہ ہم پانچوں میں سے سب سے پہلے کان کا سراغ کس نے لگایا۔ اور آخر ہم دھینگا مشتی پر اتر آئے۔ میں نے دولت کے نشہ میں اندھا ہوکر اپنے پیارے بھائی کو مار ڈالا اب میں ضرور پھانسی پر لٹکایا جاؤنگا۔ اسلئے میری ایک آخری خواہش ہے۔ امید ہے کہ آپ منظور فرمائیں گے۔"

پادری نے کہا۔ "تمہاری جو خواہش بھی ہوگی میں پوری کرونگا۔"

"آپ جانتے ہیں کہ میں کئی ننھے بچے چھوڑ رہا ہوں۔"

"تم فکر نہ کرو۔ تمہارا حصہ انہیں کو ملے گا۔"

اولف نے کہا "نہیں نہیں۔ بلکہ میں چاہتا ہوں کہ آپ انہیں کوئی حصہ نہ دیں۔ اگر آپ نے مجھ سے اس بات کا پکا وعدہ نہ کیا۔ تو میں چین سے جان نہ دونگا۔"

پادری نے کہا۔ "ہاں میں وعدہ کرتا ہوں۔"

لوگ قاتل کو کشاں کشاں لے گئے اور پادری خیالات میں غرق دیر تک وہیں سڑک پر کھڑا رہا۔ گھر لوٹتے وقت اسکے دل میں خیالات کا ہجوم تھا کیا دولت اور گناہ لازم و ملزوم ہیں۔ کیا یہ درست ہے کہ یہ لوگ دولت کی خوشی کو برداشت نہ کر سکے؟ چار آدمی جو قصبہ بھر میں با عزت اور خوش خلق خیال کئے جاتے تھے۔ برباد ہو چکے ہیں کیا باقی تمام باشندوں کیلئے بھی چاندی کی یہ کان یکے بعد دیگرے تباہی کا باعث بن جائیگی۔ اس نے اپنے جی میں ٹھان لی کہ "میں اس کان کا خیال جو تمام گرد و نواح کے لوگوں کی بربادی کا باعث بننے والی ہے بالکل ترک کر دونگا۔"

یکایک بادشاہ کرسی پر سنبھل کر بیٹھ گیا۔ اور کہنے لگا۔ کہ تمہارے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور افتادہ بستی کا پادری واقعی مرد ہے
پادری نے کہا "اب سنیئے کہ جونہی اس کان کی خبر کسانوں میں پھیلی۔ انہوں نے کان کی خوشی میں سب کام چھوڑ دیئے شراب
نوشی شروع کر دی۔ ہر طرف ابتری پھیل گئی۔ بہت سے لوگ جنگل میں کان کی تلاش میں سرگرداں رہنے لگے اور جب پادری
اپنے مکان سے باہر نکلتا۔ لوگ اسکے پیچھے ہو لیتے کہ کہیں وہ کان کی طرف تو نہیں جا رہا۔

جب نوبت یہاں تک پہنچی۔ تو پادری نے ایک دن تمام کسانوں کو جمع کر کے وہ تمام منحوس واقعات گنائے
جو اس کان کی دریافت سے وقوع پذیر ہوئے تھے۔ اس نے ان سے پوچھا کیا تم بھی اپنے تئیں برباد کرنا چاہتے ہو؟ اس نے
انہیں صاف طور پر کہہ دیا۔ کہ تم اپنے روحانی پیشوا سے یہ امید ہرگز نہ رکھو۔ کہ وہ تمہیں اپنے ہاتھوں اس بربادی کے گڑھے میں
دھکیل دیگا۔ اس نے فیصلہ کر لیا۔ کہ وہ یہ راز کسی پر ظاہر نہ کریگا۔ پھر اس نے ان سے کہا۔ کہ اگر تم کان کی تلاش جاری رکھو گے
اور دولت کی ہوس میں گرفتار رہو گے۔ تو میں کہیں دور چلا جاؤنگا۔ تاکہ تمہاری تباہی و بربادی کی خبر میرے کانوں تک نہ پہنچ سکے۔
لیکن تم اس خیال کو ترک کر دو گے اور پہلے کی طرح اپنے اپنے کام میں مصروف ہو جاؤ گے۔ تو میں تمہارے ساتھ ہی ہونگا۔ جو
راستہ چاہو اختیار کر لو لیکن یہ یاد رکھو کہ میرے منہ سے چاندی کی کان کے متعلق کبھی ایک لفظ بھی نہ سننے پاؤ گے"۔

بادشاہ نے کہا "خوب۔ پھر انہوں نے کیا جواب دیا؟"

"وہ سب سمجھ گئے۔ کہ اس کا ارادہ نیک ہے کیونکہ وہ خود بھی ان کی طرح غریب رہنا چاہتا تھا اور پھر انہوں نے
پادری کو صلاح دی۔ کہ وہ دھات کی ان لکیروں کو سبزی یا مٹی سے ڈھک دے تاکہ وہ اسے کبھی نہ دریافت کر سکیں"۔

بادشاہ نے پوچھا "اور اس وقت سے پادری غریبانہ زندگی بسر کر رہا ہے؟"

"ہاں جیسے دوسرے لوگ"۔

"نہیں اسے شادی کی۔ یا کوئی نیا مکان بنایا؟"

"نہیں اس بیچارے میں شادی کرنے یا مکان بنانے کی طاقت کہاں تھی وہ ابھی تک اسی پرانی جھونپڑی میں رہتا ہے"
بادشاہ نے چند لمحوں کے بعد کہا "تم نے واقعی ایک عمدہ کہانی سنائی ہے۔ کیا تم اسوقت اسی چاندی کی

کان کے بارے میں سوچ رہے تھے جب تم نے کہا تھا کہ پادری بادشاہ کے لئے اتنی دولت جمع کر سکتا ہے جو اسکی تمام مزدوروں کے لئے کافی ہوگی؟"

"ہاں۔"

"لیکن یہ کیسے ممکن ہے۔ کہ جس شخص نے اپنی تمام آسائشوں کو ترک کر دیا ہو۔ مجھے کان کا راستہ بتادیگا؟"

"لیکن یہ معاملہ اور ہے ممکن ہے کہ مادرِ وطن کی ضرورت کو محسوس کر کے وہ اس بات پر آمادہ ہو جائے۔"

"کیا تمہیں پورا یقین ہے؟"

"ہاں۔"

"کیا وہ اس بات کی پرواہ بھی نہیں کریگا کہ اسکے کسانوں کا کیا حشر ہوگا؟"

"یہ معاملہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔"

بادشاہ اُٹھ کر کھڑکی کی طرف گیا۔ اور کچھ دیر لوگوں کے مجمع کو دیکھتا رہا۔ اس کی آنکھیں چمک اٹھیں اور مسکرانے لگا۔ اس نے پادری سے کہا "تم میری طرف سے پادری کا شکریہ ادا کرنا اور کہدینا کہ سویڈن کے بادشاہ کو ان طاقتور نوجوانوں کے دیکھنے سے بڑھ کر اور کوئی خواہش نہیں۔"

اس کے بعد وہ کھڑکی سے ہٹ گیا اور پادری کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہنے لگا "کیا یہاں کا پادری اسقدر غریب ہے۔ کہ وعظ کے بعد فوراً اپنا چغہ اتار ڈالتا ہے۔ اور کسانوں کا سا لباس پہن لیتا ہے؟"

پادری نے کہا۔ "ہاں وہ ایسا ہی غریب ہے" اور اسکے چہرے پر سرخی دوڑ گئی۔

بادشاہ اسوقت عجیب کشمکش میں مبتلا تھا۔ آخر اس نے کہا "تم اب اس کان کو یونہی رہنے دو۔"

پادری نے پوچھا "لیکن اگر سلطنت خطرے میں ہو تو؟"

"سلطنت کی مدد دولت سے نہیں۔ بلکہ آدمیوں سے ہو سکتی ہے۔" یہ کہہ کر بادشاہ نے پادری کو الوداع کہی اور گرجا سے باہر نکل گیا۔

لوگ باہر چپ چاپ کھڑے تھے جب بادشاہ سیڑھیوں سے اُترا۔ تو ایک کسان اسکی طرف بڑھا اور کہنے لگا "حضور نے ہمارے پادری سے گفتگو کی؟"

بادشاہ نے کہا۔ "ہاں کی ہے۔"

"تو پھر یا شہ آپ کو ہمارا جواب مل گیا ہوگا۔ ہم نے اسی لئے کہا تھا کہ آپ ہمارے پادری سے گفتگو کرکے ہمارا جواب معلوم کرلیں"

بادشاہ نے کہا۔ "ہاں مجھے جواب مل گیا ہے۔"

مشکا

۱

مشکا نے خیال کیا: زندگی بھر کسی نے ذرہ برابر میری پرواہ نہیں کی لیکن آج رات میں مر جاؤنگا تو انہیں انہد صدمہ ہوگا اور وہ جی کھول کر روئیں گے۔ اگر انہیں میرے ارادوں کی ذرا بھی خبر ہو تو وہ میرے سامنے دوزانو بیٹھ جائیں اور میری منتیں کریں کہ میں ضرور زندہ رہوں۔ وہ مجھ سے اپنے کئے کی معافی مانگیں... لیکن نہیں! میں نے ان کی بڑی بڑی باتیں برداشت کی ہیں۔ خدا کرے جلد موت آئے! بس انکے احکام اور ان کی سزاؤں کی حد ہو چکی ہے۔ سوچو تو صرف ایک سبب کیلئے! ایک شکستہ پیالے کے لئے! اچھا الوداع! اگر ہو سکے تو کبھی کبھی مرے ہوئے غریب کا خیال کر لینا! مظلوم مشکا کو یاد رکھنا! اسکی زندگی زیادہ نہ تھی۔ افسوس! وہ صرف آٹھ سال کا تھا!"

مشکا کی تدبیر یہ تھی: اسکی خالہ کے کمرے میں بڑی سی انگیٹھی تھی۔ وہ رینگ کر اسکے پیچھے چھپ جائیگا اور وہاں لیٹ جائیگا اور مر جائیگا اور یہ تدبیر اٹل تھی۔

اس کی زندگی دکھوں سے بھری ہوئی تھی۔ مثلاً اسے کھانے کو مربّہ ملتا تھا، کیونکہ اس نے ایک شکستہ پیالہ توڑ دیا تھا۔ اور آج محض اس قصور پر کہ اس نے ایک چھوٹی سی شیشی سے ذرا سی خوشبو لگالی تھی، اسکی والدہ نے اسے اتنی سختی سے پیٹا کہ وہ پانچ گز کے فاصلہ پر جا گرا۔ ایمان کی پوچھو تو اس نے اسے کچھ زیادہ نہ پیٹا تھا لیکن شہید بننے

کی آرزو اتنی دلچسپ تھی کہ وہ اسی آرزو سے متاثر ہو کر الماری تک لڑھکتا گیا اور پیٹھ کے بل گر پڑا۔ کچھ عرصہ وہ اسی طرح پڑا رہا پھر اپنا سر الماری کے ساتھ دے مارا۔ اور دل ہی دل میں کہا "کیا ہوا اسے اور لینے دو!"

اس خیال نے اسکے دل میں اپنے لئے رحم کا ایک گہرا جذبہ پیدا کر دیا۔ جو سسکیوں میں تبدیل ہو گیا اور سسکیاں بلند اور کرخت چیخیں بن گئیں۔ اس کی والدہ نے غصے سے کہا "بہانہ نہ بناؤ۔ دور ہو جا یہاں سے مردود!"

پھر ماں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور گھسیٹتی ہوئی دوسرے کمرے میں لے گئی۔

مشکا غضبناک ہو گیا اور دیر تک کرسی پر لیٹا رہا اور اپنے بے رحم والدین کے لئے سخت ترین ظالمانہ سزائیں ایجاد کرنے میں مشغول رہا۔

مثلاً مکان کو آگ لگ جائے اور اس کی والدہ باہر نکل کر اور ہاتھ ہلا ہلا کر زور زور سے چلائے "آہ میرے فرانسیسی عطر کی شیشی کو بچاؤ!" اور اسے اچھی طرح معلوم ہو کہ اس قیمتی خزانہ کو کس طرح بچایا جا سکتا ہے لیکن کیا میں اس کو بچاؤں گا۔ ہرگز نہیں میں اپنے سینے پر دونوں ہاتھ باندھ لونگا اور اپنی جگہ سے ذرا حرکت نہ کرونگا اور ہنسوں گا ہاں ہاں ہنسوں گا۔ سرد مہری اور نفرت سے ہنسوں گا اور کہونگا "آہا! امی جان تمہارا عطر یہی نا جس کے ایک قطرے کے لئے اسقدر پیٹا تھا۔"

یا یہ کہ مجھے بازار میں پڑا ہوا بہت سا روپیہ مل جائے۔ ایک ہزار روپیہ اور لوگ جب یہ سنیں تو مجھ پر رشک کھائیں اور میری خوشامد کریں تاکہ وہ بھی میری خوش قسمتی میں شریک ہو سکیں۔ لیکن اس موقعہ پر بھی میں اپنے بازو سینہ پر رکھے کھڑا رہوں اور وقتاً فوقتاً اسی طرح ہنستا رہوں ——

مشکا کا ایک اور خیال بھی تھا کیس قدر حیرت انگیز بات ہو اگر میں ہمیشہ اپنے ساتھ ایک تندخو درندہ رکھوں۔ ایک چیتا یا شیر اور جب کبھی کوئی شخص مجھے پیٹنے کی کوشش کرے —— "چل بیٹا" اور چیتا فوراً دشمن پر کود پڑے اور اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔ اور میں خود ایک چٹان کی مانند بے حس و حرکت کھڑا سرد مہری سے دیکھتا رہوں اور ہنسوں بھی ——"

آہ! یا کوئی اور بات! فرض کرو آج رات میرے ہاتھوں پر نوکدار کانٹے اُگ آئیں۔ اور وہ کسقدر حیرت انگیز ہونگے بالکل خارپشت کی طرح! اگر لوگ مجھ پر مہربان ہوں تو یہ کانٹے غائب رہیں لیکن اگر کوئی میرے خلاف ہاتھ اٹھائے تو وہ فوراً باہر نکل آئیں اور دشمن کے جسم کو نوچ کر رکھدیں۔ مثلاً آج والدہ کسقدر حیران ہوگی کم از کم یہ کہنے کو کہ ''

مشکا نے خیال کیا کہ آج تک میرے ساتھ ظلم ہوتا رہا ہے لیکن کیوں؟ اور کس لئے؟ میں ایک فرمانبردار بیٹا ہوں میں کمرے میں صرف ایک جوتا پہن کر کبھی نہیں گیا۔ اگر میں ایسا کروں تو والدہ مجھے پیٹ لیں میں نے بستر پر پڑے لیٹے کبھی اپنی بہن کو نہیں دیکھا تاکہ انہیں وہ تھیلی نہ ہو جائے۔ میں ہر طرح اپنے خاندان کی بہتری کا خواہاں ہوں۔ اب

بے شک یہ معلوم کرنا بہت دلچسپ ہوگا کہ وہ انگیٹھی کے پیچھے میرے مردہ جسم کو دیکھ کر کیا کہتے ہیں۔ یقیناً ایک کہرام مچ جائیگا۔ اور ان کا غم اور انکے آنسو کبھی ختم نہ ہونگے۔ والدہ آگے بڑھ کر کہے گی "مجھے اسکے قریب جانے دو! آہ یہ میرا ہی قصور ہے! اسکی بے وقت موت کی میں اکیلی ذمہ دار ہوں"۔

تب میرا مردہ جسم کہے گا "ہاں میری پیاری امی اب کیا ہو سکتا ہے۔ اب وقت گذر چکا ہے اور ان الفاظ کے بعد میرا جسم ہمیشہ کے لئے مردہ ہو جائیگا۔

مشکا اُٹھ بیٹھا۔ اپنا ہاتھ دھڑکتے ہوئے دل پر رکھا اور آرام سے اپنی خالہ کے کمرے میں گھس گیا۔

وہ انگیٹھی کے پیچھے زمین پر بیٹھ گیا۔ اسوقت اس نے سوچا کہ یہ حالت ایک مُردے آدمی کے لئے موزوں نہیں۔ اسلئے وہ لیٹ گیا۔

شام کا وقت تھا ہر طرف خاموشی طاری تھی۔ انگیٹھی میں سے راکھ کی بُو آرہی تھی۔ وقتاً فوقتاً مشکا کو بازار میں سے آوازیں آئیں "الیکسی الیکسی! او بدمعاش! تو جوتوں کے دو جوڑے لے گیا۔ الیکسی! چور! ایک جوڑا واپس دیدے"

مشکا نے اپنے دل سے کہا "وہ کس طرح شور مچا رہے ہیں! کاش انہیں معلوم ہو کہ یہاں ایک لڑکا مر رہا ہے۔ تو وہ غل غپاڑہ نہ کریں!"

معاً اسکے دل میں ایک سوال پیدا ہوا "میں کس بیماری سے مر رہا ہوں؟ آخر موت کے لئے کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہونی چاہیئے۔ کوئی شخص بغیر کسی وجہ کے نہیں مرتا۔ لوگ ہمیشہ کسی خاص بیماری کے باعث مرتے ہیں۔ اس لئے اپنی چھوٹی ٹانگیں اپنے پیٹ کے ساتھ لگائیں بیٹھے جواب میں گڑگڑایا۔ مشکا نے خیال کیا۔ "آہا! تپ دق ——— ہاں یہ وجہ ٹھیک ہے۔ تپ دق!

اب صرف ایک اور بات کا فیصلہ کرنا باقی رہ گیا تھا۔ اور وہ یہ کہ کونسی حالت اچھی ہوگی جس میں وہ اسے مردہ پائیں۔ یہ حالت پُراثر ضرور ہونی چاہئیے ——— شاعرانہ اسے ایک تصویر یاد تھی جو اس نے ایک مصور رسالہ میں دیکھی تھی۔ ایک مردہ شخص کی تصویر جو چت لیٹا تھا۔ اس کا چہرہ آسمان کی طرف اُٹھا تھا اور اسکے بازو اور ٹانگیں کھلی تھیں۔ سر ایک طرف مُڑا تھا۔ اور آنکھیں بند تھیں۔

یہ حالت بڑی عمدہ تھی اور اسے پہلے ہی معلوم تھی۔

مشکا چت لیٹ گیا، اپنی ٹانگیں اور بازو پھیلا دیئے اور پھر مرنے لگا۔

۲

یکایک اسکے خیالات کا سلسلہ درہم برہم ہو گیا۔

اس نے کسی کی آواز اور نزدیک آتے ہوئے پاؤں کی آہٹ سُنی۔ دروازہ کھلا اور اسکی خالہ آسیا ایک نوجوان افسر کونڈرت کے ساتھ اندر داخل ہوئی اور کہنے لگی "صرف ایک منٹ اس سے زیادہ نہیں۔ اسکے بعد میں تمہیں فوراً باہر نکال دونگی۔"

"آسیا، یہ نہیں کم از کم دس منٹ۔ ہم بہت شاذ ملتے ہیں اور کوئی نہ کوئی ضرور موجود ہوتا ہے۔ یقیناً میں دیوانہ ہو جاؤں گا۔"

مشکا کی پیٹھ میں ایک کپکپی دوڑ گئی۔ کونڈرت دیوانہ ہو جائیگا اور یہ بڑی خوفناک بات ہے۔ اگر وہ سچ مچ دیوانہ ہو گیا۔ تو کمرے میں ہر طرف دوڑے گا۔ اور تمام چیزیں توڑ ڈالے گا۔ زمین پر تڑپے گا اور لوگوں کی ٹانگیں کاٹ کاٹ کھائے گا۔ اور اگر یہ دیوانہ اسے انگیٹھی کے پیچھے بیٹھا ہوا دیکھ پائے تو؟"

مشکا کی خالہ نے بڑے آرام سے کہا "فضول باتیں نہ کرو تم کس لئے دیوانے ہو جاؤ گے؟"

"آہ آسیا تم بڑی ظالم اور بے رحم ہو!"

مشکا نے خیال کیا۔ "او ہو۔ تو وہ واقعی ظالم اور بے رحم ہے؟ یہ امر کس قدر قابلِ رحم ہے کہ تمہیں علم نہیں کہ میری والدہ میرے ساتھ کیسا سلوک کرتی ہے۔"

"کیوں کیا میں ظالم ہوں؟ میرا خیال تو نہیں کہ میں ظالم ہوں۔"

"کیا تمہارا یہ خیال نہیں؟ ان ظالم ہفتوں اور مہینوں کے طویل عرصہ میں تم نے مجھے تکلیف دینے میں کونسی کسر اٹھا رکھی ہے" تکلیف دینے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔" وہ اسے کس طرح تکلیف دیتی ہے مشکا یہ گتھی سلجھانے سے قاصر تھا۔ کمرے میں ہر طرف خاموشی تھی۔ کسی کے رونے اور آہ و زاری کرنے کی آواز سنائی نہ دیتی تھی اور تکلیف کی کوئی معمولی علامت بھی دکھائی نہ دیتی تھی۔

مشکا نے بڑی احتیاط سے باہر جھانکا۔ اسے کوئی تکلیف دہ علامت دکھائی نہ دی —— اس کی خالہ ایک کرسی پر خاموش بیٹھی تھی۔ نوجوان افسر اسکے سامنے سر نگوں کھڑا تھا اور ایک چھوٹے سے ڈبہ کو جو پاس کی میز پر پڑا تھا۔ الٹ پلٹ رہا تھا۔

مشکا کو عطر کی شیشی والی بات کا خیال آیا۔ اس لے دل ہی دل میں کہا "ا ہا تم اس ڈبہ کو ذرا گرنے دو۔ اور پھر دیکھو تم اپنے کیے پر افسوس کرو گے۔

آسیا نے پوچھا "ہاں تو میں تمہیں تکلیف دیتی ہوں! ذرا بتاؤ تو کس طرح۔"

"کس طرح؟ کیا یہ ضروری ہے کہ میں تمہیں بتاؤں؟"

خالہ آسیا نے اپنے گلے سے چاندی کا چھوٹا سا مرصع آئینہ اتارا اور ہوا میں گھمانا شروع کیا یہاں تک کہ زنجیر ایک چمکدار دائرہ بن گئی۔

مشکا نے خیال کیا "ہونہہ! اگر میں کوشش کروں تو اس سے بھی اچھی طرح گھما دوں۔"

اسکے مرنے کے خیالات بتدریج غائب ہونے لگے۔ اب اس کے دماغ میں دوسری تدابیر تھیں "میں اپنے والد کی میز سے پنوں کا چھوٹا سا ٹین کا ڈبہ لونگا۔ اور اسے ڈوری سے باندھ کر اپنے سر کے گرد گھماؤنگا۔ اور وہ خالہ کے آئینہ سے زیادہ حیرت انگیز معلوم ہوگا۔

مشکا حیران تھا کہ وُنڈرت آئینہ کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتا۔ اس نے اپنے ہاتھ سینہ پر رکھ کر آہستہ سے کہا "تم اندازہ کر سکتی ہو کہ میں کس قدر تکلیف اٹھا رہا ہوں"؟

خالہ نے آئینہ اپنے گھٹنوں پہ رکھتے ہوئے جواب دیا "نہیں!"

اس نے کہا "میں تمہیں ساری دنیا سے زیادہ محبت کرتا ہوں"

مشکا نے خوفزدہ ہو کر خیال کیا۔ "اوہو! اب وہ دیوانہ ہونے لگا ہے!"

"مجھے رات دن تمہارا خیال رہتا ہے تمہاری تصویر ہر وقت میری آنکھوں کے سامنے رہتی ہے۔ کیا تمہیں مجھ سے محبت ہے؟ پیاری کوئی بات تو کہو ـــــ صرف ایک لفظ۔ میں تمہارا ہر حکم ماننے کو تیار ہوں۔ میں تمہاری خواہش تمہاری آنکھوں میں پڑھونگا۔

مشکا سوچ رہا تھا "یہ کیا ہو رہا ہے۔ اور وہ کیا کرنا چاہتا ہے؟"

"مجھے بتاؤ ـــــ کیا تمہیں مجھ سے محبت ہے؟ ـــــ صرف ایک لفظ پیاری آسیا صرف ایک لفظ!"

"ہاں"! ـــــ اور یہ کہہ کر خالہ آسیا نے اپنی آنکھیں دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ لیں۔

افسر نے پوچھا "صرف مجھ سے؟ صرف مجھ سے؟ صرف مجھ سے؟"

مشکا اپنے تاریک گوشے میں سمٹ گیا اُسے اپنے کانوں پر اعتبار نہ آتا تھا۔ اس نے خیال کیا "تو پھر میرا کیا حال ہے؟ اور والد اور والدہ کا ـــــ اور میری ننھی بہن کا؟ وہ کہاں گئے؟ یہ ایک ایسی بات تھی جو وہ کبھی فراموش نہ کر سکتا تھا۔ شاید کسی دن اسکی خالہ اُسکے پاس آئے اور اسکا منہ چومنے کی کوشش کرے۔"

اسکی خالہ نے اٹھ کر کہا "اب تم ضرور چلے جاؤ۔ ہم بہت دیر تک یہاں بیٹھے رہے ہیں۔"

افسر نے کہا "میری پیاری میں تمہارے لئے اپنی جان دے دونگا!"

ان الفاظ نے مشکا کو بہت متاثر کیا۔ وہ بہادری اور جرأت کی ہمیشہ تعریف کیا کرتا تھا۔ اور اس افسر کے ان الفاظ نے اسکے دماغ میں ایک عجیب تصور پیدا کر دی تھی کہ وہ ندرت بازار میں دو زانو بیٹھا ہے۔ اسکے ہاتھ اس کی پیٹھ پر بندھے ہیں۔ جلاد خون آلود لباس پہنے اور ہاتھ میں کلہاڑ لئے اسکے سامنے اِدھر اُدھر ٹہل رہا ہے اور بہادر افسر کہہ رہا ہے۔ "آسیا دیکھ اس گھڑی میں اپنی جان تجھ پر قربان کر رہا ہوں"۔

خالہ آسیا سسکیاں بھر رہی ہے اور کہہ رہی ہے "بہت اچھا اگر تم ضرور جان قربان کرنا چاہتے ہو تو کرو!"

تڑاق! یہ لو سر زمین پر لڑھک رہا ہے اور جلاد دونوں ہاتھ چھاتی پر باندھے نفرت سے ہنس رہا ہے"

خالہ آسیا نے کہا "تسلی رکھو میں تم سے شادی کر لونگی!"

کونڈرت نے جواب دیا "آہ میں کس قدر خوش قسمت ہونگا اور اخیال تو کرو جلدی شادی ہوگی ــ پھر ہمارے بچے ہونگے۔"

مشکا نے خیال کیا "ہم! یہ عجیب بات ہے کہ میری خالہ کے گھر ابھی تک کوئی بچہ نہیں وہ حیران تھا اب تک اسے کبھی اس بات کا خیال نہیں آیا۔ والدہ کے بچے ہیں اور اوپر رہنے والے میجر کی بیوی کے بچے ہیں لیکن خالہ آسیا کے نہیں ــــ شاید اس کیلئے خاوند کا ہونا ضروری ہے ــــ تاکہ وہ بچوں کیلئے خوراک مہیا کر سکے"۔

خالہ آسیا نے کہا "لو پیارے اب تمہیں ضرور چلا جانا چاہیئے"۔

"میں جا رہا ہوں لیکن پیاری مجھے ایک مرتبہ بوسہ لینے دو"۔

"نہیں، نہیں۔ بالکل نہیں"۔

مشکا نے خیال کیا کس قدر حماقت ہے۔ اس کیلئے یہ کوئی مشکل بات نہیں سارا سارا دن میری ننھی بہن گدگدا کے خسار چاٹتی رہتی ہے"۔

"صرف ایک بوسہ! میں التجا کرتا ہوں میری آسیا صرف ایک بوسہ! میں ایک بوسہ کیلئے اپنی تمام زندگی دے دونگا"۔

مشکا نے نوجوان افسر کو خالہ آسیا کو بازوؤں میں لے کر پے در پے کئی بوسے لیتے دیکھا۔ یہ نظارہ دیکھ کر وہ

کچھ آزردہ سا ہو گیا۔ اس نے دل سے کہا "یہ عجیب بات ہے! یہاں دو جوان مرد عورت ہیں، جو بچوں کی طرح ایک دوسرے کے بوسے لے رہے ہیں۔"

پھر اس نے خیال کیا۔ بڑا مزا آئے اگر میں انگیٹھی کے پیچھے سے سر باہر نکال کر ایک کرخت آواز میں کہوں "اے احمقو! تم دونوں کیا کر رہے ہو؟"

آخا سگی خلا نے اپنے تئیں آزاد کرایا اور کمرے سے باہر چلی گئی۔

۴

ننھا لڑکا مشکا جو کبھی مرنے کا خواہشمند تھا اب پھر اکیلا رہ گیا۔ وہ اُٹھا، سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اس نے ساتھ والے کمرے میں چیخوں کی آواز سُنی۔ اس نے خیال کیا "دیکھو کتنا ظلم ہے کہ وہ مجھے بلاتے بھی نہیں ہیں۔ فرض کرو کہ میں یہاں بھوکا مر جاؤں؟"

مشکا آہستہ سے دوسرے کمرے میں گیا اور ایک ناخوش چہرے کے ساتھ میز کے پاس اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ اُس نے اپنی والدہ کی طرف بالکل نہ دیکھا۔ اس نے خیال کیا "اب وہ مجھ سے معافی مانگے گی!"

اس نے پوچھا "مشکا تم کہاں تھے؟ بیٹھ جاؤ اور چائے پیو۔"

مشکا نے سوچا "بہت اچھا اگر وہ بھول گئی تو میں بھی بھول جاتا ہوں۔ کچھ بھی ہو وہ مجھے ہمیشہ کپڑے دیتی ہے اور خوراک دیتی ہے۔"

معاً مشکا کے دماغ میں خیالات کا ہجوم اُمڈ آیا۔ اور اس نے کہا "امی میرا بوسہ تو لو۔"

"میرا بوسہ لو مشکا، بہت اچھا پیارے!"

اسکی والدہ نے اس کا بوسہ لیا۔ مشکا نے اپنے شانے ہلائے اور پھر اپنی جگہ پر واپس آ کر بیٹھ گیا۔ اس نے دل سے کہا "تعجب کی اس میں بات ہی کونسی ہے؟ میری سمجھ میں نہیں آتی ——— ایک بوسے کے لئے نصف زندگی ——— اونہہ یہ محض انکی بیہودگی ہے!" ✦

منزل منزل

دل، بھٹکے گا

اور

دفتر دفتر اس کی داستان لکھی جائے گی

ایک داستان — ایک دفتر

منزل منزل

اے حمید

کے افسانوں کا خوبصورت ترین مجموعہ

☆

نیا ادارہ۔ لاہور

سویرا آرٹ پریس ۔ لاہور